اعیان الحجاج

تاریخ اسلام کے بلند پایہ حجاج

حصہ دوم

از

محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن الاعظمی

مکتبہ اعظمی - مئو - اعظم گڈھ

تعداد اشاعت :- ایک ہزار ۱۰۰۰

سنہ ۱۳۹۶ھ

مطبع اسرار کریمی پریس الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

آج سے کئی سال پہلے "اعیانُ الحجاج" کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور خطوط بھیجے کہ ہم کو اس کتاب سے بہت نفع ہوا۔

اب اس کی دوسری جلد شائع کی جا رہی ہے، اس میں بھی خواص امت کے ۳۶۸ افراد کے سوانح اور ان کے حج کے حالات درج ہیں۔ اللہ کے کرم سے امید ہے کہ اس کے پڑھنے والے عموماً اور حج کرنے والے خاص طور پر فائدہ اٹھائیں گے۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

حبیب الرحمٰن الاعظمی
مئو - اعظم گڈھ
۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۷۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعیانُ الحجّاج

حصّہ دُوم

شیخُ الاسلام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

امام حسن بصری کی شخصیت تعارف سے بالاتر، اور اُن کے محاسن اندازۂ بیان سے باہر ہیں، وہ فقہ وحدیث کے امام، زہد وعبادت میں یکتائے روزگار، اسلام کے مجاہد سپاہی اور فصاحت وبلاغت میں بے مثل تھے، شکل وصورت میں بھی نہایت حسین وجمیل تھے، اور ان تمام اوصاف میں ان کو امتیازی درجہ حاصل تھا، بہادری میں اُن کا نام قطری بن الفجارۃ کے ساتھ لیا جاتا تھا، علم وعمل میں یہ پایہ تھا کہ حضرت انس اُن کو مولانا الحسن کہتے تھے، امام ذہبی نے بجا طور پر اُن کے حق میں لکھا ہے کہ کبیر الشان عدیم النظیر (ان کی شان بہت بڑی اور اُن کی مثال معدوم تھی) حضرت انس فرماتے تھے کہ بصرہ میں دو شیخ ہیں جن کی وجہ سے میں بصرہ والوں پر رشک کرتا ہوں، ایک حسن، دوسرے ابن سیرین، امام حسن کی ماں خیرہ حضرت ام سلمہ کی لونڈی اور اُن کی خدمتگار تھیں، جب حسن شیر خوار تھے، اس وقت کبھی اُن کی ماں کسی کام سے باہر چلی جاتیں، اور یہ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہ اُن کو چھاتی سے لگا کر بہلاتی تھیں، خدا کے فضل سے دودھ بھی آجاتا تھا، اور حسن پینے لگتے تھے، حضرت حسن کے زمانہ کے لوگوں کا خیال تھا کہ اُن کا علم وحکمت اسی دودھ کی برکت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ا-

سے نسبت تھی، اس کے علاوہ ان کی ماں اُن کو صحابہ کے پاس لیجا کر دعا بھی کرایا کرتی تھیں، اُن میں حضرت عمر بھی تھے وہ اُن کے لئے ان الفاظ میں دعا فرماتے تھے:

اللّٰھم فقھہ فی الدّین وحببہ الی النّاس، — اے اللہ اس کو دین میں فقیہ اور لوگوں کی نظر میں اس کو محبوب بنا،

اس دودھ کی برکت اور ان دعاؤں کے اثر سے حسن بصری کو علم و عمل میں پیشوائی نصیب ہوئی، اور فقہاء محدثین مفسرین اور زہاد و صوفیہ ہر طبقہ کے لوگوں نے اُن کی امامت تسلیم کی، ذہبی نے بہت صحیح فرمایا ہے کہ راس فی انواع الخیر یعنی خیر کی مختلف نوعوں میں ان کو تقدم حاصل تھا،

خانوادۂ نبوت کے امام جلیل محمد باقر حسن بصری کا ذکر کرتے تو فرماتے کہ اس کا کلام انبیاء کے کلام سے ملتا جلتا ہے، یونس بن عبید کہتے تھے کہ حسن کی شخصیت ایسی موثر ہے کہ اُن کے عمل کا مشاہدہ نہ کرے، اور اُن کا کلام بھی نہ سُنے تو صرف اُن کی صورت ہی دیکھنے سے نفع ہوتا ہے،

جب امام حسن بصری مکہ معظمہ آئے تو اُن کے لئے ایک تخت بچھایا گیا، وہ تخت پر بیٹھے اور اُن کے چاروں طرف علماء بیٹھے اور لوگوں کا بڑا زبردست اجتماع ہوا، اس کے بعد انھوں نے حدیثیں سنائیں وعظ و تذکیر میں بھی وہ بہت ممتاز تھے، اُن کا وعظ بڑا موثر ہوتا تھا،

ان کا ارشاد ہے کہ پہلے ایک آدمی بیس برس تک مسلسل عبادت کرتا تھا اور اس کے پڑوسی کو خبر نہیں ہوتی تھی، اور اب ایک رات یا آدھی رات کوئی عبادت کرتا ہے تو صبح کو اپنے پڑوسی پر اپنی نوبت جتانے لگتا ہے، پہلے لوگ دین کی باتوں کا مذاکرہ کرتے تھے اور رقت طاری ہوتی تھی تو آنسو کو روکنے کی کوشش کرتے تھے، اور اگر بے اختیار ہو جاتے تھے، تو مجلس سے اُٹھ جاتے تھے، یعنی اخفائے حال کا یہ اہتمام تھا،

فرماتے تھے کہ بہت سے لوگ مغفرت و رحمت کی غلط طور پر توقع قائم کر کے دنیا سے بے عمل چلے گئے، ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم رحمت کے امیدوار ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کو حسن ظن ہے، اُن کا یہ کہنا غلط ہے حسن ظن ہوتا تو حسن عمل بھی ہوتا، اور اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوتے تو اعمال صالحہ

کی بدولت اس کے طلبگار بنتے، ایک لق و دق صحرا میں بے توشہ اور پانی کے کوئی سفر کرے گا تو ہلاکت کے سوا کیا انجام ہوگا،

مالک بن دینار نے حسن بصری سے پوچھا کہ ایک عالم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جائے تو اُس کو کیا سزا ملتی ہے؟ فرمایا اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے، پھر جب دنیا کی چاہ پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کو آخرت کے کاموں کے عوض میں حاصل کرتا ہے، اس وقت علم کی برکتیں اس سے رخصت ہو جاتی ہیں، اور وہ رسمی عالم بن کے رہ جاتا ہے،

ایک دن ان سے کسی نے کہا کہ آپ روتے بہت زیادہ ہیں، فرمایا کہ بیٹے! مومن روئے نہیں تو کیا کرے، رونے سے رحمت متوجہ ہوتی ہے، اس لئے تم سے ہو سکے تو عمر بھر روتے رہو، ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو جائے، یہ اگر ہو جائے تو تم کو دوزخ سے رستگاری حاصل ہوگی،

فرماتے تھے کہ یہ تمھارے یقین کی کمزوری ہے کہ جو خدا کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ اعتماد تم کو اس چیز پر ہو جو تمھارے ہاتھ میں ہے،

فرماتے تھے یقین کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا جس کا یقین کمزور ہو گا اس کا عمل بھی کمزور ہوگا،

امام حسن بصری کے حالات میں حافظ ذہبی نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام الزخوف القصری ہے حسن کی پیدائش عہد فاروقی میں ہوئی اور وفات ۱۱۰ھ میں،

حضرت ابان بن عثمان

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین کے صاحبزادہ، اور تابعین کے اونچے طبقہ میں تھے، مدینہ منورہ کے ممتاز فقیہ و عالم تھے، عمرو بن شعیب کا کہنا ہے کہ میں نے اُن سے بڑھ کر حدیث و فقہ کا عالم نہیں دیکھا۔ عمر بن عبدالعزیز وغیرہ ان کے شاگرد تھے،

بنی امیہ کے عہد میں کئی سال تک آپ امیر موسم رہے، اور لوگوں نے آپ کی سرکردگی میں فریضۂ حج ادا کیا، مثلاً ۷۶ھ، ۷۹ھ اور ۸۰ھ،

سنہ ۱۰۵ھ میں یا اس سے قبل آپ کی وفات ہوئی،

امام ابن شہاب زہری

حجاز و شام کے ائمۂ اعلام میں آپ کا شمار ہے، امام مالک، امام اوزاعی، عمر بن عبد العزیز اور عطاء بن رباح وغیرہم نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، ان کا حافظہ بے نظیر تھا، جو چیز یاد کر لی، پھر اس کو کبھی نہیں بھولے، ایک دفعہ سننے سے حدیث ان کو یاد ہو جاتی تھی، کبھی دہرانے کی فرمائش نہیں کرتے تھے، اُن کے ذریعہ سے احادیث کی جتنی اشاعت ہوئی کم کسی سے ہوئی ہوگی، علم حدیث سے تعلق رکھنے والوں میں زہری کے نام کی ایسی شہرت اور ان کی عظمت کا سکہ قلوب پر ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ اظہار کی حاجت نہیں معلوم ہوتی، مختصراً چند باتیں لکھی جاتی ہیں،

زہری کا بیان ہے کہ میں اپنے استاد و مربی عبید اللہ بن عتبہ کی اس قدر خدمت گذاری کرتا تھا کہ اُن کے گھر کی لونڈی مجھکو ان کا غلام سمجھتی تھی، وہ دریافت کراتے کہ دروازہ پر کون انتظار کر رہا ہے، اگر دروازہ پر میں ہوتا، تو جا کر کہتی کہ آپ کا غلام ہے، میں اُن کا سب کام کاج کرتا تھا حتی کہ پانی بھی بھرا کرتا تھا،

وہ فرماتے تھے کہ ایک حدیث کو معلوم کرنے کے لئے تین دن تک میں سعید بن المسیب کے پیچھے لگا رہا، نیز فرماتے تھے کہ ہم جب عالم کی خدمت میں جاتے تھے، تو جو شائستگی اور عمدہ اخلاق و عادات ہم اس سے سیکھتے تھے، اس کی قیمت ہماری نگاہ میں علم سے کہیں زیادہ تھی،

زہری کی اخیر عمر میں لوگوں نے اُن سے کہا کہ اب آپ مسجد نبوی میں کسی جگہ بیٹھکر تعلیم دیتے، اور وعظ و تذکیر فرماتے تو بہتر ہوتا، زہری نے جواب دیا کہ اگر میں یہ کروں تو لوگ میرے پیچھے پیچھے چلیں گے، (اور مخدومانہ شان پیدا ہو جائے گی) اور یہ اس وقت تک مجھے کو زیبا نہیں ہے جب تک میں دنیا سے بالکل بیزار اور آخرت کا پورا راغب طلبگار نہ بن جاؤں،

اللہ اکبر! یہ اس شخص کا قول ہے جس کی نسبت عمرو بن دینار فرماتے تھے کہ درہم و دینار اسکی

نگاہ میں مینگنیوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے تھے،

زہری نے متعدد بار حج کی سعادت حاصل کی ہے، از انجملہ ایک دفعہ ۸۳ھ میں حضرت ابن عمر اور اُن کے صاحبزادہ حضرت سالم کی معیت میں حج کیا، خود زہری کا بیان ہو کہ اس سال میں عرفہ کے دن روزہ سے تھا، اور گرمی بلا کی تھی، اس لئے وہ دن مجھ پر نہایت سخت گذرا تھا، (تہذیب ج ۹ ص ۴۵۱)

از انجملہ ۱۰۶ھ میں ہشام بن عبدالملک کی رفاقت میں انھوں نے حج کیا، (ابن کثیر ج ۹ ص ۳۲۳)

از انجملہ ایک حج انھوں نے ۱۱۹ھ میں عبدالملک بن مروان کے مجاہد و سرفروش بیٹے مسلمہ کے ساتھ کیا، مسلمہ نے زہری کو صرف اس لئے ساتھ لیا تھا، کہ وہ اس کو حج کے مناسک و مسائل بتاتے رہیں گے، (ابن کثیر ج ۹ ص ۳۲۴)

مسلمہ کی یہ بات بہت قابلِ قدر ہے، اور اس سے ہم کو بھی سبق لینا چاہئے، ہر حاجی کو اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ کسی محقق عالم کی رفاقت میں حج کرے، تاکہ صحیح طور پر حج کے مناسک ادا ہو سکیں،

امام زہری کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی،

مسلمہ بن عبدالملک

اموی خلیفہ عبدالملک کے بیٹے اور اپنے بھائی یزید کے عہد حکومت میں پہلے عراق عرب و عجم کے پھر آرمینیہ کے گورنر تھے، بنی اُمیّہ کے نامور افراد میں ان کا شمار تھا، ابن کثیر نے بہت صحیح لکھا ہو کہ

کان فی زمانه فی الغزوات نظیر خالد بن الولید فی ایامه فی کثرة مغازیه وکثرة فتوحه وقوة عزمه وشدة باسه وجودة تصرفه فی نقضه وابرامه وهذا مع الکرم والفصاحة.	وہ اپنے زمانہ میں مسلسل جہاد، کثرتِ فتوحات، قوتِ عزم، شدتِ مقابلہ، حسن تدبیر و حسنِ سیاست کے لحاظ سے خالد بن ولید کی نظیر تھے، اور دریا دلی و فصاحت کی خوبی مزید برآں تھی،

رومیوں سے مسلمہ کے نہایت سخت معرکے ہوئے، اور اس سلسلہ میں اُن کی خدمتیں بہت زیادہ قابلِ قدر ہیں مسلمہ نے بہت سے قلعوں کو فتح کر کے ان پر اسلامی جھنڈا لہرایا، قسطنطنیہ کا بھی انھوں نے محاصرہ کیا تھا، بلادِ روم کے علاوہ ترکستان میں ان کی فتوحات کا سلسلہ باب الابواب تک پہونچ چکا تھا،

امام زہری کے ذکر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مسلمہ نے ۱۱۹ھ میں حج کیا، مناسک کی تعلیم کیلئے امام زہری کو اپنا رفیق بنایا تھا۔

مسلمہ کی وفات ۱۲۱ھ میں ہوئی،

ابو عثمان نہدی

آپ مُخضَرِم تھے، یعنی عہدِ نبوی میں اسلام لائے تھے، اور تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملوں کو زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہے، مگر باریابی کا شرف حاصل نہ ہو سکا، حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں مدینہ کی طرف ہجرت کی، اور حضرت عمر، حضرت علی وحضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابہ کی خدمتیں کیں، بارہ سال تک حضرت سلمان فارسی کی صحبت میں رہے، جنگ یرموک وقادسیہ وجلولا ونہاوند میں شریک تھے، مسلسل روزے رکھنا اور رات کا قیام اُن کی عادت مستمرہ تھی، اتنے نوافل پڑھتے تھے، کہ بیہوش ہو جاتے تھے، اُن کے حج اور عمروں کی مجموعی تعداد ساٹھ تھی، انھوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا، اس زمانہ میں بھی انھوں نے دو حج کئے تھے،

وہ فرماتے تھے: "میں خوب جانتا ہوں کہ میرا رب مجھکو کب یاد کرتا ہے" پوچھا گیا کہ آپ یہ کیسے جانتے ہیں؟ تو فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فاذکرونی اذکرکم (تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا) لہٰذا جب میں اس کو یاد کروں گا تو وہ یقیناً مجھکو یاد کرے گا،

اسی طرح جب لوگوں کو دعا کرتے دیکھتے تو فرماتے کہ بخدا اس نے ہماری سن لی، اس لئے کہ اس کا ارشاد ہے: وقال ربکم ادعونی استجب لکم (تمھارے رب نے کہا کہ تم مجھے پکارو میں

تمھاری سنون گا، ان دونوں واقعوں سے ان کی ایمانی قوت کا اندازہ لگایئے انھوں نے ایک سو تیس برس کی عمر میں سنہ ھ میں وفات پائی، (بدایہ ص ۱۹۱ جلد ۹)

امیر عبدالوہاب بن بخت محدّث

ان کی سکونت شام میں تھی پھر مدینہ منورہ منتقل ہو گئے تھے، صحابہ میں حضرت ابن عمرو حضرت ابوہریرہ سے انھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں، امام مالک وغیرہ حدیث میں اُن کے شاگرد تھے، امام موصوف اُن کے بڑے مدّاح تھے، فرماتے تھے کہ وہ حج وعمرہ اور جہاد بہت کثرت سے کرتے تھے، تاآنکہ روم کی ایک لڑائی میں شہید ہوئے، صورت یہ ہوئی کہ جب دشمنوں نے نہایت بے جگری سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تو کچھ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے، انھوں نے یہ دیکھ کر مسلمانوں کو للکارا کہ

هلموا الی الجنة ویحکوا فرارا من	آؤ جنت کی طرف، کیا جنت سے بھاگتے
الجنة، اتفرون من الجنة؟ الی این	ہو، جنت سے بھاگو گے تو کہاں جاؤ گے؟
لامقام لکم فی الدنیا ولا بقاء،	دنیا میں قیام و بقا تو ہے نہیں،

یہ کہتے جاتے تھے اور اپنے گھوڑے کو دشمن کی صف کی طرف بڑھاتے جاتے تھے، تاآنکہ لڑتے لڑتے جان دیدی، یہ ۱۱۳ھ کا واقعہ ہے، امام مالک کا ارشاد ہے کہ وہ بڑے دریا دل بھی تھے، سفر میں اُن کے پاس جو کچھ بھی ہوتا، وہ سب رفیقوں کے لئے وقف تھا، وہ رفیقوں سے زیادہ اپنے کو اس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے، (بدایہ جلد ۹ ص ۳۰۵)

امیر عبداللہ ابو یحییٰ بطال

انطاکیہ کے رہنے والے تھے، عبدالملک بن مروان نے جس وقت اپنے لڑکے مسلمہ کو سپہ سالار مقرر کر کے اس کو رومیوں کی لڑائی پر مامور کیا تھا، تو بطال کو جزیرہ وشام کے رؤسا کا امیر مقرر کیا تھا، اور مسلمہ کے حکم سے دس ہزار سپاہی بطال کی ماتحتی میں رہتے تھے، بطال نے رومیوں کے

مقابلہ میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں کہ رہتی دنیا تک اُن کو فراموش نہیں کیا جاسکتا،
انھوں نے اپنی بہادری کا ایسا سکہ رومیوں کے قلوب پر بٹھایا تھا کہ ان کا نام سُن کر رومی لرزہ
براندام ہوجاتے تھے، رومی عورتیں روتے ہوئے بچّوں کو یہ کہہ کر چپ کرایا کرتی تھیں، کہ چپ ہوجا
ورنہ تجھ کو بطال کے حوالہ کردوں گی،

جس وقت وہ مصیصہ کے حاکم تھے اس وقت انھوں نے سرزمین روم کی طرف ایک لشکر
روانہ کیا مگر وہ لشکر جاکر لاپتہ ہوگیا، ایک دن تن تنہا اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر بطال نکل پڑے اور
عموریہ پہونچ گئے، رات کا وقت تھا، دروازہ پر دستک دی تو دربان نے پوچھا کون؟ انھوں نے
جواب دیا میں رومی بادشاہ کا جلاد ہوں، اور اس وقت اس امیر کبیر (جو عموریہ میں مقیم تھا) کے پاس
بادشاہ کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں، دربان نے دروازہ کھولدیا اور یہ بطریق (امیر کبیر) کے پاس پہنچ
گئے اور جس تخت پر وہ بیٹھا تھا اسی کے ایک گوشہ پر بیٹھ گئے، اس کے بعد کہا کہ میں ایک پیغام لایا
ہوں، یہاں جو لوگ ہیں اُن سے کہئے چلے جائیں، جب لوگ چلے گئے اور بطریق اندر سے دروازے
بند کرکے اپنی جگہ بیٹھا تو انھوں نے کہا کہ میں بطال ہوں اور میں نے جو لشکر تمھارے ملک میں بھیجا تھا اس کا
کوئی پتہ نہیں چل رہا ہے لہٰذا ٹھیک ٹھیک بتادو کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے ورنہ ابھی
تمھاری گردن اُڑادوں گا۔ اُس نے کہا وہ اسی ملک میں ہے اور جہاں جہاں موقع ملتا ہے لوٹ
مار کررہا ہے۔ اور ابھی ابھی میرے پاس یہ خط آیا ہے جس میں یہ اطلاع ہے کہ وہ فلاں مقام پر ہے،
اس کے بعد بطال نے اس سے کہا کہ امان کی سند لاؤ (یعنی وہ نشانی جس کو دیکھ کر کوئی شخص مجھ سے
تعرض نہ کرے) اس نے امان کی سند دیدی، پھر انھوں نے کہا کھانا کھلاؤ، اُس نے کھانا منگوا کر کھلایا
کھانے سے فارغ ہوکر جب انھوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ بادشاہ
کے قاصد کے آگے آگے جاؤ، آدمیوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور یہ وہاں سے اٹھکر سیدھے اس
مقام پر پہونچے جہاں اُن کا لشکر تھا، اس کے بعد اس لشکر کو اپنے ساتھ مصیصہ واپس لائے،

بطال ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے کہ خداوندا پہلے حج کی سعادت نصیب فرما، اس کے بعد

شہادت کی، چونکہ وہ ہمیشہ مصروف جہاد رہتے تھے، اس لئے حج کا موقع نہیں ملتا تھا، تاآنکہ جس سال اُن کی شہادت مقدر تھی، اسی سال حج کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ اُن کی شہادت کے سال میں اختلاف ہے، کسی نے ۱۲۱ھ اور کسی نے ۱۲۲ھ نقل کیا ہے، اور متعدد اشخاص نے ۱۱۳ھ میں عبدالوہاب بن بخت کے ساتھ اُن کا شہید ہونا بتایا ہے۔ (بدایہ ۹/۳۳۴)

محمد بن عبدالجبار (سندولا)

ہمدانی

حدیث کے راویوں میں نہایت ثقہ اور نیکوکار بزرگ تھے، ابن المبارک اور ابن عیینہ وغیرہ سے حدیثیں سنی تھیں اور اُن سے امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے، انھوں نے بینتالیس بار جہاد کیا ہے، اور چالیس حج سے اوپر حج کئے ہیں، ایک بار وہ کہیں جانے کے لئے سوار ہونے لگے تو امام یحییٰ بن معین نے ان کی رکاب تھام لی، کسی نے اُن سے کہا کہ آپ اُن کی رکاب تھام رہے ہیں تو فرمایا کہ کیا میں اس شخص کا یہ احترام نہ کروں جسے ہم یا تو طلب علم کے لئے سفر کرتا ہوا پاتے ہیں یا کسی لڑائی میں جاتا ہوا، یا سفر حج سے واپس ہوتا ہوا، امام بخاری کے استاد ابونعیم انھیں دیکھتے تو فرماتے کہ یہ وہ آدمی ہے، جس کی زین کے نیچے کا نمدہ کبھی خشک نہیں ہوتا، جب دیکھئے تو سفر حج میں ہے یا سفر جہاد میں، یہ بزرگ تیسری صدی میں تھے، (تہذیب)

(حافظ ابوالقاسم بغوی، ابوبکر آدمی قاری اور محمد بن عبداللہ اسدی)

ابوالقاسم بغوی بڑے پایہ کے حافظ حدیث تھے، انھوں نے حدیث کی خوب اشاعت کی تھی، ان کو مسند العالم کے لقب سے پکارا جاتا ہے، حدیث میں اُن کے تین سو سے زائد شیخ ہیں، اور ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد حد سے فزوں ہے، وہ علی بن عبدالعزیز شیخ الحرم (جن کا ذکر پہلی جلد میں ہے) کے بھتیجے اور احمد بن منیع کے نواسے تھے، اُن کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی، (تذکرہ)

ابوبکر آدمی[1] بہت خوش الحان قاری تھے، احادیث کے راوی بھی تھے، اُن کی وفات ۳۴۸ھ میں ہوئی ہے، (منتظم)

محمد بن عبداللہ اسدی ...... قاضی ابومحمد عبداللہ کے والد تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں حج کو گیا، حافظ ابوالقاسم اور قاری ابوبکر بھی اس سال حج میں تھے، جب ہم مدینہ منورہ پہونچے تو حافظ ابوالقاسم میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ مسجد نبوی میں ایک اندھے نے ایک حلقہ قائم کر رکھا ہے اس حلقہ میں وہ بیٹھکر وعظ کہتا ہے، اور جھوٹی جھوٹی حدیثیں اور بے سروپا واقعات بیان کرتا ہے، اگر آپ ساتھ دیں تو ہم لوگ چل کر اس پر اعتراض کریں، اور اس کو روکیں. میں نے جواب دیا، کہ عوام کے اس عظیم الشان مجمع میں ہماری بات کا کوئی اثر نہ ہوگا، اس لئے کہ بغداد کی طرح کوئی ہم سے اور ہماری علمی حیثیت سے واقف نہیں ہے، ہاں اس کی ایک دوسری تدبیر ہے، اور وہی ٹھیک ہے، اتنا کہکر میں نے قاری ابوبکر آدمی کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ اعوذ باللہ کہکر قرأت شروع کریں، بس جوں ہی انھوں نے قرأت شروع کی، اندھے کے پاس سے بھیڑ چھٹ گئی، اور ان سارے آدمیوں نے ہم کو گھیر لیا، اور قرأت سننے لگے، اندھا اکیلا رہ گیا، تو اُس نے انگلی پکڑنے والے سے کہا کہ چلو ہاتھ پکڑو، زوال اسی طرح آتا ہے، (منتظم)

حجاج سلف اس سفر میں اپنے فرائض کو بھولتے نہیں تھے، جو عالم دین ہوتے تھے، وہ حج وزیارت کے ساتھ شرعی منکرات کا ازالہ بھی حسن تدبیر سے کیا کرتے تھے،

---

[1] ان کا نام محمد بن جعفر بن محمد بن فضالہ تھا، ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ کہا خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑا اور نہایت ہولناک امور پیش آئے، اور بڑی پریشانی ہوئی، اس نے کہا آپ کا اس خوش آوازی سے قرآن پڑھنا کیا ہوا، بولے وہی تو سب سے زیادہ مضر چیز ثابت ہوئی، کیونکہ وہ دنیا (مدح وثنا، نیک نامی و تحصیل زر) کے لئے تھی، اُس نے کہا اچھا پھر آخر کیا نتیجہ ہوا، انھوں نے کہا کہ آخر میں خدا نے کہا کہ

"جا! میں نے قسم کھالی ہے کہ اسی برس کے (مسلمان) بڈھوں کو عذاب نہ دوں گا"

حسن بن عیسیٰ بن ماسرجس

امام بخاری و مسلم کے شیوخ حدیث میں ہیں، صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں ان کی روایتیں ہیں، ابن مبارک وغیرہ کے شاگرد ہیں، بہت دیندار و پرہیزگار تھے، خطیب کا بیان ہے کہ وہ بہت دولتمند نسبتی عیسائی تھے، ابن المبارک کے ہاتھ پر اسلام لائے، اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے مشائخ حدیث سے ملے، اور علم حاصل کیا، حاکم نے اُن کے اسلام کا قصہ یوں بیان کیا ہے، کہ ایک بار ابن المبارک اس گلی کے نکڑ ماسرجس پر حسن کے باپ عیسیٰ کا مکان تھا مقیم ہوئے، اس زمانہ میں جب حسن سوار ہوکر نکلتے، تو ابن مبارک کی مجلس کی طرف سے گذرتے، حسن بہت خوشرو جوان تھے، ایک دن ابن المبارک نے کسی سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا ایک عیسائی ہے، ابن المبارک نے اسی وقت اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اس کو اسلام نصیب فرما، خدا نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے،

اسلام لانے کے بعد اللہ نے ان کو علم کی دولت سے نوازا اور ان کا پایہ ایسا بلند فرمایا، کہ ان کی مجلس میں بارہ بارہ ہزار آدمیوں کی حاضری ہوتی تھی، جو ان سے حدیثیں سُنکر لکھتے تھے، انھوں نے کئی حج کئے تھے، ۲۳۹ھ یا ۲۴۰ھ میں آخری حج سے واپس ہو رہے تھے، کہ مقام ثعلبیہ پہنچکر ان کا انتقال ہو گیا، اُن کے پوتے کا بیان ہے کہ ہمارے دادا نے اپنے اخیر حج میں تین لاکھ درہم صرف کئے تھے، حاکم کا بیان ہے کہ میں نے حسن کے پوتوں (ابوبکر و ابوالقاسم) کے ساتھ مقام ثعلبیہ میں ان کی قبر کی زیارت کی ہے، (تہذیب)

علی بن المؤمل، ابوبکر بن المؤمل، اور امام حاکم صاحب مستدرک

علی بن المؤمل، امام حاکم کے شیوخ حدیث میں تھے، اور حسن بن عیسیٰ سابق الذکر کے پوتے تھے، حاکم کہتے ہیں کہ ان کا شمار ہمارے ان مشائخ میں ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار سمجھے جاتے تھے، حاکم

ہی کا یہ بیان بھی ہے کہ ہمارے شیخ علی ابن المومل کی عقل ضرب المثل تھی،

نیز حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے ۳۴۱ھ میں اُن کے ساتھ حج کیا ہے، اس سفر میں میں نے دیکھا کہ وہ رات کے اکثر حصہ میں عماری کے اندر تلاوت کرتے رہتے تھے، اور جب سواری سے اترتے تھے تو نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے، اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا، اور مکہ میں جب بھی میں نے طواف کرنا شروع کیا ہے تو مجھے یاد نہیں کہ ان کو میں نے طواف کرتے ہوئے نہ پایا ہو، اُن کے لڑکے کا بیان ہے کہ ہمارے والد کی ایک آنکھ کی بینائی کمزور ہوگئی، تو انھوں نے تین سال تک ہم کو نہیں بتایا، تین سال کے بعد جب دوسری آنکھ بھی کمزور ہوگئی، اس وقت ہم کو خبر ہوگئی، بن المومل کی وفات ۳۳۹ھ میں ہوئی،

علی کے اس سفر حج میں حاکم کے علاوہ اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ابو بکر بن المومل بھی تھے جیسا کہ تہذیب التہذیب صفحہ ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے،

امام حاکم کا نام محمد بن عبد اللہ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، بڑے پایہ کے حافظ حدیث اور مورخ و مصنف ہیں، فن حدیث میں ان کی کتاب مستدرک چھپ کر شائع ہو چکی ہے تذکرۃ الحفاظ، اور دوسری کتابوں میں ان کا ذکر شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے، انھوں نے ۳۴۱ھ میں علی بن المومل کے ساتھ حج کیا ہے، اس وقت اُن کی عمر صرف بیس سال کی تھی، اس لئے کہ اُن کا سال ولادت ۳۲۱ھ ہے، یہ بات بہت قابل تعریف ہے کہ اس کم سنی میں اُنھوں نے ایک بہترین قسم کے سفر حج کی جزئیات کا بغور مطالعہ کیا، اور اس سے فائدہ اٹھایا، ہر حاجی کو اُن سے سبق لینا چاہئے، حاکم کی وفات ۴۰۵ھ میں ہوئی،

ابو العباس بُستی زاہد

آپ کا نام عبید اللہ بن محمد تھا۔ اُن کو بڑی دولت وراثت میں ملی تھی، ساری کی ساری نیک کاموں میں صرف کردی، نہایت عبادت گذار تھے، ستر سال تک نہ بستر استعمال کیا، نہ کسی چیز سے ٹیک لگائی، نیشاپور سے پیادہ پا حج کیا، حج کے بعد شام و رملہ کا سفر کیا، چھ مہینے بیت المقدس میں

ٹھہر کر مصر و بلادِ مغرب کی سیر کی، مغرب سے دوبارہ حج کو آئے، حج کر کے اپنے وطن بُست واپس آئے، اور جو کچھ اُن کی ملکیت میں باقی رہ گیا تھا سب کو خیرات کر دیا، ان حالات کے باوجود جب بیمار ہوئے تو نہایت بے چین تھے کسی نے پوچھا کیا درد ہے، ؟ انھوں نے کہا درد کیسا ؟ آگے جو ہولناک امور پیش آنے والے ہیں اُن کی فکر ہے کہ نجات کیسے ہوگی،

۳۸۳ھ میں اُن کی وفات ہوئی،

دعلج بن احمد سجستانی

بہت اونچے درجہ کے محدث تھے، امام دارقطنی وغیرہ اُن کے شاگرد تھے، اس کے ساتھ بڑے دولت مند بھی تھے، اُن کی فیاضی اور بِر و احسان کا بڑا چرچا تھا، مکہ معظمہ، بغداد، اور سجستان میں طلبا و علمائے حدیث کے لئے اُن کے متعدد اوقاف اور صدقات جاریہ تھے، مکہ معظمہ میں مدتوں مجاور رہے،

ایک دفعہ چند عرب اُن کے پاس آکر کہنے لگے، کہ آپ کے ایک خراسانی بھائی نے ہمارے ایک بھائی کو مار ڈالا ہے، لہذا اُس کے بدلہ میں ہم آپ کی جان لیں گے، انھوں نے کہا خدا سے ڈرو، خراسان کوئی ایک شہر نہیں ہے، وہ تو ایک ملک ہے، معلوم نہیں اس ملک کے کس شہر کا وہ آدمی تھا، خیر لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے ان کی جان بچائی، اور یہ مکہ سے بغداد منتقل ہو گئے، اور وہیں متوطن ہو گئے،

ایک شخص کے ذمہ اُن کے پانچ ہزار درہم باقی تھے، وہ اُن سے چھپا پھرتا تھا، ایک دن وہ بہت سویرے جامع مسجد میں آیا، اور بہت اطمینان سے نوافل پڑھتا رہا، لیکن جب جماعت کھڑی ہوئی تو وہ شریک نہیں ہوا، ایک شخص جو شروع سے اس کو دیکھ رہا تھا، نماز کے بعد اُس نے کہا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی، مقروض نے جواب دیا کہ یہاں ایک شخص ہے جس کا میں مقروض ہوں اور استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا سامنا نہیں کرتا ہوں، آج جب جماعت کھڑی ہونے لگی تو میں نے دیکھا کہ وہ یہاں موجود ہے، اور اُس نے مجھے دیکھ لیا ہے، اس کو دیکھتے ہی مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا، کہ میرے کپڑے خراب ہو گئے، اور میں نماز میں شریک نہ ہو سکا، یہ گفتگو دعلج کا ایک

دوست سُن رہا تھا، اس نے دعلج سے یہ قصہ بیان کیا، دعلج نے اپنے دوست سے کہا کہ اس کو حمام لیجاؤ، اور میرے کپڑوں میں سے اس کو ایک جوڑا کپڑا دیدو کہ وہ کپڑے بدل لے، اور اُس کو میرے گھر بٹھاؤ میں آتا ہوں، جب وہ جامع مسجد سے واپس آئے، تو اس کو بہت عزت سے کھانا کھلایا، اس کا حساب نکال کر دیکھا تو اس کے ذمہ پانچ ہزار باقی تھے، پوچھا تمہارا کل یہی حساب ہے، اس میں کوئی بھول چوک تو نہیں ہے؟ اس نے کہا نہیں، دعلج نے اس رقم پر وصولی کی علامت بنا دی، پھر پانچ ہزار کی رقم منگا کر اس کو دی اور کہا کہ جو رقم تمہارے ذمہ اس کو ہم نے معاف کر دیا، اور یہ پانچ ہزار اس لئے دے رہا ہوں کہ جامع مسجد میں مجھکو دیکھکر تمہارے دل میں جو خوف سما گیا تھا، اور جو پریشانی اور اذیت تم کو ہوئی اس کو معاف کر دو،

دعلج کی وفات ۳۵۱ھ میں ہوئی،

بدر بن حسنویہ

یہ ایک کُردی امیر اور عضد الدولہ کا پروردہ تھا، ہمدان و دینور و نہاوند وغیرہ پر اس کی حکومت تھی، رعیت کے قلوب میں اس کی ہیبت تھی، اس کی حکومت و سیاست اور عدل و انصاف کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، اُس کی قلمرو میں راہرو اپنا سامان جان جاہتا چھوڑ کر چلا جاتا، اور پھر اگر اس کو لیجاتا کسی دوسرے کی کوئی مجال نہ تھی، کہ اٹھالے، نہایت حسن تدبیر سے اس نے ظلم و تعدی کا نام و نشان مٹا دیا۔ اس قسم کے واقعات تفصیل سے لکھے جائیں، تو بہت طول ہوگا،

یتیموں ضعیفوں اور علمار کے ماہانہ وظائف مقرر کر رکھے تھے، اس کے علاوہ ہر جمعہ کو کمزوروں اور بیواؤں کو دس ہزار درہم خیرات دیا کرتا، اُس نے اپنی قلمرو میں تین ہزار مسجدیں اور مسافر خانے تعمیر کرائے تھے، ہر سال حرمین شریفین کے محتاجوں کی اعانت اور حج کے راستہ کی حفاظت وغیرہ کے لئے ایک لاکھ دینار صرف کیا کرتا تھا، اس کے سوا راستہ کے کنوؤں کی صفائی، حوضوں کی تعمیر اور حجاج کی سواریوں کے چارہ کے انتظام کے لئے ایک بھاری رقم دیا کرتا تھا، ہمدان سے لیکر بغداد تک راستہ میں جتنے موچی

اور جوتے بنانے والے تھے، ان کے لئے سالانہ تین ہزار دینار اس واسطے مقرر تھے کہ جس حاجی کے پاس جوتے نہ ہوں تو بنا دیں، ...... یا پھٹ گئے ہوں تو درست کر دیں اس کا معمول تھا کہ ہر سال بیس آدمیوں کو دس ہزار دینار دیکر اپنی والدہ اور عضد الدولہ کی طرف سے حج بدل کرنے کے لئے بھیجا کرتا تھا،

الغرض اس نے حجاج کی امانت و سرپرستی، راستہ کی حفاظت، پانی اور چارہ کی دستیابی اور راستہ کے بدوؤں کی دل دہی اور بخشش کا ایسا خاطر خواہ انتظام کیا تھا، کہ حجاج امن و اطمینان اور آرام و راحت سے حج کرتے تھے، بیس سال تک اس کا یہ انتظام جاری رہا۔ اس کے انتقال کے بعد جب یہ انتظام درہم برہم ہو گیا، تو یہ آرام و اطمینان سلب ہو گیا، اور عراق و خراسان سے تقریباً حج بند ہو گیا، ان نیکیوں کے ساتھ نمازیں، اور تسبیحات بھی بکثرت پڑھتا رہا،

اس کی وفات ۴۰۵ھ میں ہوئی، (منتظم ص ۲۷۲)

بدر بن حسنویہ کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے خود بھی حج کیا تھا یا نہیں، مگر حج کے ساتھ اس کی دلچسپی، والہانہ عقیدت، حجاج کے ساتھ اس کی همدردی، اور اس فریضہ کی اقامت کے لئے اس کے اہتمام و صرفِ زرِ کثیر کو دیکھتے ہوئے طبیعت نے گوارا نہ کیا، کہ حجاج کا یہ تذکرہ اس محسنِ حجاج کے ذکر سے خالی رہ جائے،

ابو عبداللہ مغربی

محمد بن اسماعیل نام تھا، ابراہیم خواص کے استاذ مرشد تھے، آپ نے پیادہ پا ستانوے حج کئے تھے، اندھیری راتوں میں ننگے پیر اس طرح بے دھڑک چلتے تھے، جیسے کوئی دن کی روشنی میں چلتا ہو، پیدل چلنے والے لوگ اُن کے پیچھے پیچھے چلتے تھے، وہ اُن کو راستہ بتاتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے مدتوں سے تاریکی دیکھی ہی نہیں، اس کثرت سے پیدل چلنے کے باوجود اُن کے پیر ایسے نرم و نازک تھے جیسے دودھ کے پیر ہوں،

ان کا کلام نہایت بلیغ و پرتاثیر تھا، فرماتے تھے، کہ درویش وہ ہے جس کا خدا کی طرف التجا کے سوا کائنات میں کوئی دوسرا سہارا نہ ہو، نیز فرماتے تھے، سب سے ذلیل و خوار وہ فقیر ہے، جو کسی دولتمند سے مداہنت کرے، اور اس کے آگے جھکے، اور سب سے زیادہ عزت دار وہ دولتمند ہے، جو کسی فقیر سے تواضع کے ساتھ پیش آئے، اور اس کی حرمت کا لحاظ کرے، ابو عبداللہ مغربی نے ایک سو بیس برس کی عمر میں ۲۹۹ھ میں وفات پائی، کوہ طور پر اپنے پیر علی بن رزین کے پہلو میں مدفون ہیں،

(ابن کثیر و منتظم)

محمد بن اسحاق بن راہویہ

امام اسحق بن راہویہ کے لڑکے اور امام احمد کے شاگرد تھے، فقہ و حدیث کے بڑے عالم تھے، نہایت پاکیزہ سیرت تھے، ۲۹۴ھ میں حج سے فراغت کے بعد واپس آرہے تھے، کہ راستہ میں تمام خراسانی حجاج پر زکرویہ قرمطی نے حملہ کر کے لوٹ لیا، اور عورتوں کو قید کر لیا، اس قیامت خیز واقعہ میں بیس ہزار آدمی شہید ہوئے، انھیں شہداء میں محمد بن اسحاق بھی تھے، یہ محرم ۲۹۴ھ کا واقعہ ہے، جب اسکی خبر خلیفہ عباسی کو پہونچی تو اس نے ربیع الاول ۲۹۴ھ میں ایک جرار فوج زکرویہ کی سرکوبی اور قرمطیوں کے فتنہ کے استیصال کے لئے بھیجی، زکرویہ زخمی ہو کر گرفتار ہوا اور پانچ دن کے بعد مر گیا، اور معدودے چند کے سوا، سارے قرمطیوں کا بھی اس فوج نے صفایا کر دیا، (ابن کثیر)

ابو محمد جریری

احمد بن محمد نام تھا سری سقطی کے صحبت یافتہ تھے، اکابر اولیاء میں ان کا شمار ہے، جنید بغدادی کی وفات کے وقت پوچھا گیا کہ ان کے بعد ہم کس کے پاس بیٹھیں تو انھوں نے فرمایا کہ جریری کے پاس بیٹھنا، ۲۹۲ھ میں جریری نے مکہ میں اعتکاف کیا تو مدتِ اعتکاف میں نہ انھوں نے کھانا کھایا، نہ سوئے، نہ دیوار سے ٹیک لگائی، اور نہ پیر پھیلائے، ابو بکر کتانی نے سوال کیا کہ آپنے اس طرح اعتکاف پورا کرنے پر قابو کیسے پایا تو فرمایا کہ اس خدا کو میرا صدق باطن معلوم تھا، (یعنی اس نے دیکھ لیا کہ میں سچے

دل سے یہ جفاکشی دریافت کر رہا ہوں) اس نے اُس نشان ظاہری امو کے نباہنے پر میری دستگیری فرمائی۔

جریری کی وفات ہبیر کے واقعہ میں ہوئی، لڑائی کے اونٹوں نے ان کو کچل دیا تھا، ہبیر بغداد و حجاز کے درمیان ایک مقام ہے، ۳۱۱ھ میں حج کے بعد جب حاجیوں کا قافلہ اس مقام پر پہونچا تو ابو سعید قرمطی نے اسپر دھاوا بول دیا، کچھ حاجی شہید ہوئے، باقی منتشر ہوگئے اور ابو سعید واپس چلا گیا، اس کے بعد اس نے محرم ۳۱۲ھ میں دوبارہ نہایت سخت حملہ کر کے بڑی ہولناک خونریزی کی،

جریری کی وفات ۳۱۱ھ میں ہوئی تھی، احمد رودباری کا بیان ہے کہ سال بھر کے بعد ادھر سے میرا گذر ہوا، تو میں نے دیکھا کہ اُن کے گھٹنے سینہ سے لگے ہوئے ہیں، اور وہ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، ان کی ایک انگلی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہے (منتظم)

شعرانی نے اُن کو جنید کے اکابر اصحاب میں سے اور ان کا جانشین بتایا ہے، اور یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار وہ مکہ سے واپس آئے تو سیدھے حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ وہ ملنے کیلئے آنے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں، دوسرے دن صبح کی نماز سے یہ فارغ ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ پیچھے صف میں جنید بغدادی موجود ہیں۔ کہا کہ کل تو میں نے اسی لئے حاضری دی تھی کہ آپ زحمت نہ فرمائیں

جنید نے فرمایا کہ وہ آپ کا فضل و کرم تھا اور یہ آپ کا حق ہے، شعرانی نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب جریری مدینہ منورہ میں تھے، تو جمعہ کی رات کو چاند میں گہن لگا، جریری کہتے ہیں کہ چاند سیاہ تو معلوم ہوتا تھا، اور اس کے بیچ میں مجھے دکھائی دیا، کہ بخط نور انا وحدی (میں یکتا ہوں) لکھا ہے، جریری فرماتے تھے کہ جو شخص جنت پانے کے لئے قرآن پاک پڑھے وہ بہت کم پر راضی ہوگیا اس لئے کہ جنت مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق، قرآن پڑھنے کا مقصود تو حق تعالیٰ کی ذات کو اور اس کے خطاب کے سمجھنے کو بنانا چاہئے، (لواقح ص۱۱۵)

ابو جعفر مجذوم اور ابو الحسین درّاج

ابو الحسین درّاج کا نام سعید بن محمد تھا، بغداد وطن تھا، ابراہیم خواص کے صحبت یافتہ تھے مجرّد

زندگی بسر کرتے تھے، بے سروسامانی کے ساتھ سفر میں رہا کرتے تھے، ان کی وفات ۳۲۰ھ میں یا اس کے کچھ بعد ہوئی،

دراج کا بیان ہے کہ میں جب حج کو جاتا تھا، تو ایک جماعت ساتھ جاتی تھی، یہ بات میرے کام اور میری آزادی میں مخل تھی، اس لئے کہ مجھکو اُن کے ساتھ ساتھ رہنا، اور اُن کے بہت سے کاموں میں مشغول ہونا پڑتا تھا، لہذا ایک دفعہ میں چپکے سے پہلے ہی اکیلا قادسیہ پہنچ گیا، جب قادسیہ کی مسجد میں گیا تو دیکھا کہ ایک مجذوم شخص محراب میں بیٹھا ہوا ہے، اور وہ اپنے جذام کی وجہ سے بڑی آزمایش میں مبتلا ہے، اس نے مجھ کو دیکھ کر سلام کیا، اور پوچھا کہ ابوالحسین! حج کے ارادہ سے نکلے ہو،؟ میں نے سخت ناگواری اور غصہ سے جواب دیا، ہاں! اُس نے کہا مجھ کو بھی ساتھ لیتے چلو، میں نے جی میں کہا کہ تندرستوں سے بھاگا ہوں اب مجذوم کے ہاتھ میں پڑوں گا،؟ اس لئے میں نے کہا جی نہیں، اس نے پھر کہا نہیں لیتے چلو، میں نے کہا واللہ یہ نہ کروں گا، تب اُس نے کہا ابوالحسین! حق تعالیٰ کمزوروں سے وہ معاملہ کرتا ہے کہ زورمندوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، میں نے (باندازانکار وتحقیر) کہا جی درست ہے، یہ کہکر میں اس سے الگ ہو گیا اور شام کو عصر کی نماز کے بعد وہاں سے آگے کو روانہ ہوا دوسرے دن صبح کو منیشہ پہونچا، تو وہ مجذوم مجھ سے پہلے وہاں موجود تھا، اُس نے مجھکو دیکھ کر سلام کیا، اور کہا کہ ابوالحسن حق تعالیٰ کمزور کے ساتھ وہ کرتا ہے جس کو دیکھ کر قوت والا حیرت کرتا ہے، اب میں کھٹکا اور میرے دل میں مختلف قسم کے خیالات آنے لگے، لیکن میں نے پھر بھی اس کی طرف توجہ نہیں کی، اور اس منزل پر بھی سستانے کے بعد آگے کو روانہ ہوا، جب دوسرے دن فجر کے وقت قرعا پہنچکر مسجد میں گیا تو وہاں بھی دیکھا کہ بڈھا پہلے سے بیٹھا ہوا ہے، اب مجھ سے نہ رہا گیا لپک کر میں نے اظہار نیازمندی کیا، اور کہا پہلے اللہ کی بارگاہ میں پھر آپ کی خدمت میں معذرت کرتا ہوں، اسنے کہا کیا ہے؟ میں نے کہا خطا ہوئی، اُس نے کہا مطلب کیا ہے، میں نے کہا رفاقت وصحبت کا طلب گار ہوں، اس نے کہا تم قسم کھا چکے ہو، اور ہم تمھاری قسم تڑوانا نہیں چاہتے میں نے کہا اچھا کم سے کم یہی منظور کیجئے کہ ہر منزل میں زیارت ہو جایا کرے، اُس نے کہا یہ ہو سکتا ہے،

اس کے بعد نہ بھوک کی پروا مجکو ہوتی تھی، نہ تکان کی، منزل پر پہونچنے کے بعد بس دھن لگی رہتی تھی کہ مسجد میں پہونچوں اور اس کی زیارت کروں، راستہ بھر یہی قصہ رہا، مگر جب میں مدینہ پہنچا تو وہ بڈھا غائب ہوگیا، کسی دن نظر نہیں آیا، اس کے بعد جب میں مکہ آیا، تو ابو بکر کتانی اور ابو الحسن مزین سے میں نے یہ قصہ بیان کیا ان لوگوں نے فرمایا کہ ارے احمق! وہ ابو جعفر مجذوم تھے، ہم تو خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں، کہ ان کی زیارت نصیب ہو، دیکھو اب کہیں مل جائیں تو اُن سے لپٹ جانا، ممکن ہے کہ ہم بھی ان کو دیکھ پائیں، میں نے کہا بہت اچھا اس کے بعد وہ منیٰ میں ملے اور نہ عرفات میں لیکن جب میں کنکری مار رہا تھا، اس وقت ایک شخص نے پیچھے سے مجھکو کھینچا، اور کہا ابو الحسین! السلام علیک، مڑکر دیکھا تو وہی تھے، مگر اس مرتبہ اُن کو دیکھ کر ایسی وحشت سوار ہوئی کہ میں چیخ مار کر بیہوش ہوگیا، جب میں ہوش میں آیا، تو وہ جا چکے تھے،

وہاں سے میں مسجد خیف میں گیا، اور اپنے یاروں کو اس واقعہ کی اطلاع کی، جب مکہ سے روانگی کا دن آیا اور میں نے طواف وداع کیا اور مقام ابراہیم کے پاس طواف کی دو رکعتیں پڑھکر دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو آج پھر کسی نے مجھ کو پیچھے سے کھینچا، اور کہا ابو الحسین آج نہ چیخنا، میں نے کہا نہ چیخوں گا، مگر میری درخواست ہے، کہ آپ میرے لئے دعا کریں، انھوں نے فرمایا جو مانگنا چاہتے ہو مانگو، میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں اور انھوں نے میری دعا پر آمین کہی، اس کے بعد غائب ہوگئے، آدمی نے ابو الحسین سے پوچھا کہ وہ تین چیزیں کیا تھیں، انھوں نے کہا:

ایک یہ کہ اے اللہ فقر کو میرے لئے محبوب بنا دے، چنانچہ فقر سے زیادہ آج مجھ کو کوئی چیز محبوب نہیں ہے،

دوسری یہ کہ اللہ میں کل کے لئے کبھی کچھ اٹھا نہ رکھوں، چنانچہ ایک مدت گذر گئی میں نے کل کے لئے کبھی کوئی چیز اٹھا نہ رکھی،

تیسری یہ کہ اے اللہ جب تو اپنے دوستوں کو اپنے دیدار کی اجازت دے تو مجھ کو بھی ان میں شامل فرما، اس کا میں امیدوار ہوں،

ابو جعفر مجذوم اکابر اولیاء میں تھے، ابو العباس بن عطاء کے ہم عصر تھے، مخلوق سے بالکل کنارہ کش رہتے تھے، ان کی وفات ۳۳۱ھ میں ہوئی، (ابن الجوزی)

ابو حامد بن الشرقی

اپنے زمانہ میں فن حدیث میں یکتا تھے، ابن خزیمہ فرماتے تھے کہ ابو حامد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا پردازی کا راستہ روکے ہوئے ہیں، ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ کان کثیر الحج کہ وہ بکثرت حج کرتے تھے، ۳۲۵ھ میں ان کی وفات ہوئی،

ابو علی بن ابی ہریرہ شافعی

بہت بلند پایہ شافعی المذہب فقیہ تھے، چونکہ ۳۱۷ھ سے ۳۲۶ھ تک عراق کے راستہ سے کوئی شخص حج کے لئے نہیں جا سکا قرمطیوں کے ہولناک مظالم کی وجہ سے حج کا یہ راستہ دس برس تک مسدود رہا تھا، اس لئے بغداد کے ایک رئیس ابو علی عمر بن یحیٰی (جن کو قرمطی ان کی بہادری اور جود و سخا کی وجہ سے مانتے تھے،) نے قرمطیوں سے اس شرط پر سمجھوتہ کر لیا کہ فی اونٹ پانچ دینار اور اگر اونٹ پر کجاوہ ہے تو فی کجاوہ سات دینار تم لوگ وصول کرکے حاجیوں کو حج کے لئے جانے دو" انھوں نے اس کو منظور کر لیا، یہ پہلا دن تھا کہ حاجیوں پر ٹیکس لگا،

اتفاق سے اس سال ابو علی بن ابی ہریرہ خراسان سے حج کے لئے روانہ ہوئے، جب وہاں پہونچے، جہاں ٹیکس وصول ہوتا تھا، اور ان سے ٹیکس کی رقم مانگی گئی، تو انھوں نے اپنی سواری کا رُخ خراسان کی طرف پھیر دیا، اور یہ کہکر وطن واپس ہوگئے، کہ میں اس رقم کی محبت اور کنجوسی کی وجہ سے واپس نہیں ہو رہا ہوں، بلکہ ناجائز ٹیکس لگنے کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہوگئی،

(ابن الجوزی وابن کثیر)

علی بن عیسیٰ وزیر مقتدر

خلافتِ عباسیہ کے دور میں مقتدر اور قاہر کے وزیر تھے، بکثرت احادیث کی سماعت کی تھی اور طبرانی نے ان سے حدیث بھی روایت کی ہے، نہایت فاضل وباعفت اور قابلِ وثوق وباعظمت شخص تھے، نفلی روزوں اور نوافل کی کثرت کے ساتھ تلاوت بھی بہت کرتے تھے، اہلِ علم سے ان کو بہت محبت بھی اور اُن کی صحبت میں بہت بیٹھتے تھے، خود اُن کا بیان ہے کہ میں نے سات لاکھ دینار کمائے اور اُن میں سے نیکی کے کاموں میں چھ لاکھ اسی ہزار دینار خرچ کئے،

لیکن جب ادبار آیا اور اپنے منصب سے معزول ہوئے تو حکومت نے اُن کو مکہ کی طرف جلاوطن کر دیا، جب یہ مکہ آئے ہیں تو موسم نہایت گرم تھا، گویا آگ برس رہی تھی، اسی حالت میں انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کی سعی کی، فارغ ہوئے تو ہوش ٹھکانے نہ تھے، گھر پہونچ کر ایک دم پڑگئے اور کہا کہ آج اللہ سے برف کے ایک گلاس کا خواہشمند ہوں، خادم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ یہاں یہ کہاں ممکن ہے، انھوں نے کہا مجھے معلوم ہے، مگر خدا چاہے گا تو ہمیں پہنچا دے گا، شام تک صبر کرو، کہتے ہیں کہ دیر کے بعد ایک بادل اٹھا اور برسنا شروع کیا بارش ساتھ خوب بڑے بڑے اور نہایت کثرت سے اولے بھی گرے، خادم نے بہت سے اولے جمع کئے، اور چھپا کر رکھدئے، اُس دن وزیر موصوف روزہ سے تھے، جب شام ہوئی، تو مسجد میں ان کا خادم مختلف قسم کے شربت برف ڈال کر لایا، وزیر نے سارے شربت صوفیوں اور حرم کے مجاوروں کو پلا دئے، خود کچھ نہیں پیا، نماز کے بعد گھر آئے، تو خادم نے جو اولے چھپائے تھے ان سے دوسرا شربت تیار کیا اور انکو قسم دے کر پلانا چاہا تو بڑی مشکلوں سے انھوں نے پیا اور کہا جس وقت برف کی تمنا کی تھی، کاش اس وقت برف کے بجائے اپنی مغفرت کی تمنا کی ہوتی، وزیر موصوف کی وفات ۳۳۵ھ میں ہوئی، (ابنِ کثیر)

محمد بن عبداللہ بن دینار نیشاپوری

ان کا لقب زاہد تھا حنفی مذہب کے فقیہ تھے، ابنِ شاہین نے اُن سے حدیث بھی روایت

کی ہے عبادت کی مشغولیت کی وجہ سے فتوے کے کام سے بھی کنارہ کش تھے، صوم دوام اور شب بیداری کے سخت پابند تھے، ناداری پر صابر تھے، اپنے ہاتھ کی کمائی کے سوا کچھ نہیں کھاتے تھے، ان کا التزام تھا کہ ہر دسویں سال حج اور ہر تیسرے سال جہاد میں شرکت کرتے تھے ۳۳۸ھ میں حج سے واپس ہو رہے تھے، کہ یکم صفر کو بغداد میں انتقال کیا،

ابوالقاسم زجاجی نحوی

عبدالرحمن بن اسحاق نام تھا، نحو و لغت کے امام تھے، نحو میں اُن کی کتاب الجمل بہت نافع و مفید ہے، یہ کتاب انھوں نے مکہ معظمہ میں تصنیف کی ہے، اس کا ایک باب لکھ لیتے تو خانہ کعبہ کا طواف کر کے دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو نفع پہنچائے، اسی طرح پوری کتاب لکھی اد زجاج و ابن الانباری و ابن درید وغیرہ کے شاگرد تھے، مگر ابو اسحاق زجاج سے زیادہ خصوصیت تھی اس لئے زجاجی کہے جاتے تھے، ۳۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، (ابن کثیر و بغیہ)

محمد بن ابراہیم ابو عمر زجاجی

نیشاپور کے رہنے والے جنید و نوری، و ابو عثمان مغربی کے صحبت یافتہ تھے، مکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہاں کے شیخ الصوفیہ تھے، انھوں نے ساٹھ حج کئے تھے، چالیس سال مکہ میں رہنے کے باوجود کبھی انھوں نے حرم کے اندر پیشاب پاخانہ نہیں کیا، جب ضرورت ہوتی حرم کے باہر جا کر ضرورت پوری کرتے تھے، ۳۴۸ھ میں اُن کی وفات ہوئی، (ابن کثیر و ابن جوزی)

حافظ ابو اسحاق مزکی نیشاپوری

ابراہیم بن محمد نام تھا، ابن خزیمہ و ابن ابی حاتم وغیرہ کے شاگرد تھے، کثیر الروایۃ اور ثقہ محدث تھے، علم حدیث کی تحصیل میں بڑا روپیہ خرچ کیا تھا، صرف ایک سفر میں پینتیس ۳۵ ہزار

درہم صرف ہوئے تھے، اس کے ساتھ ساتھ نہایت عبادت گذار تھے، لگاتار حج کرنا اُن کا معمول تھا
امام حاکم نے اُن کا امتیازی وصف یہ بتایا ہے،

کان ابراھیم بن محمد المزکی	ابو اسحاق مزکی جفاکش عابد کثرت سے
من العباد المجتھدین الحاجین	حج کرنے والے اور علماء پر خرچ کرنے والے
المنفقین علی العلماء،	لوگوں میں تھے،

(ابن الجوزی)

ان کی وفات ۳۶۲ھ میں ہوئی،

ابوالحسین سختیانی

محمد بن اسحاق نام تھا، محدث تھے، اور نہایت جفاکش عابد، ان کی عادت تھی جب حج کے لئے جہاد میں جاتے، تو شہر والوں کو خبر نہیں ہونے دیتے تھے، واپسی کے بعد کوئی پوچھتا کہ کہاں غائب ہوگئے تھے، جب بھی نہیں بتاتے تھے، ان کی وفات ۳۶۳ھ میں ہوئی،

(ابن الجوزی)

ابوزید مروزی شافعی

محمد بن احمد نام تھا، اپنے زمانہ میں شیخ الشافعیۃ، اور فقہ کے علاوہ زہد و عبادت و تقویٰ و طہارت میں امام تھے، بزار کا بیان ہے، کہ میں نیشاپور سے مکہ تک سفر حج میں شیخ ابوزید کا رفیق و ہم رکاب رہا ہوں، اس دوران میں مجھے علم نہیں کہ فرشتہ نے ان کا کوئی گناہ لکھا ہو

آپ کی وفات ۳۷۱ھ میں ہوئی، (ابن کثیر وابن الجوزی)

ابوالحسین بن الرفا اور ابو عبداللہ الدجاجی

یہ دونوں بزرگ بغداد کے بہترین قاری تھے، اور خوش آوازی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے،

۳۹۷ھ میں عراقی حاجیوں کا قافلہ بڑے تجمل کے ساتھ ایک عظیم الشان لشکر کی صورت میں ابوالحارث علوی کی قیادت میں روانہ ہوا، اس زمانہ میں اصیفر[1] نامی بدوؤں کا ایک مشہور سردار تھا، جو حاجیوں کا راستہ روک کر ایک معقول رقم وصول کرتا تھا، اور پھر اس کی حفاظت میں حجاج حج کے لئے جاتے تھے، چنانچہ اس قافلہ کو بھی اصیفر نے روک کر محاصرہ کر لیا، اور چاہا کہ اس کو لوٹ لیں، قافلہ والوں نے رائے کی کہ کوئی رقم طے کر کے اس کو دیدی جائے، اور وہ ہمارا راستہ چھوڑ دے، اس کام کیلئے ابوالحسین اور ابوعبداللہ کا انتخاب ہوا، یہ دونوں جب اصیفر کے پاس پہونچے، تو انھوں نے نہایت کیف آور، رقت انگیز، اور دل ہلا دینے والی آواز سے قرآن پاک کی دس آیتوں کی تلاوت کی، اصیفر کو اُن کی قرأت بیحد پسند آئی، اور اس کے تاثر کی کوئی انتہا نہ رہی، اُس نے پوچھا بغداد میں آپ لوگوں کی کیسی گذرتی ہے،؟ انھوں نے کہا اچھی گذرتی ہے، لوگ ہمارا بڑا اکرام کرتے ہیں، سونا، چاندی اور قسم قسم کے تحفوں سے ہماری عزت افزائی ہوتی ہے، اصیفر نے کہا کسی نے وہاں ایک دن میں دس لاکھ درہم بھی آپ لوگوں کی نذر کئے ہیں، انھوں نے کہا ایک دن میں ایک ہزار درہم بھی کسی نے نہیں دیا ہے، اصیفر نے کہا کہ اچھا آج میں آپ لوگوں کو دس لاکھ دینار اس طرح دے رہا ہوں کہ آپ لوگوں کے طفیل میں اس قافلہ کو آگے بڑھنے کی اجازت دیتا ہوں، آپ سنتے ہو تو دس لاکھ دینار سے کم پر میں راضی نہ ہوتا، یہ حضرات شکریہ ادا کر کے واپس ہوئے، اور قافلہ امن و اطمینان کے ساتھ روانہ ہو کر حج و زیارت سے بہرہ یاب ہوا،

نویں ذی الحجہ کو جب سارے عالم اسلامی کے حجاج عرفات میں وقوف کے لئے اکٹھے ہوئے تو ان دونوں قاریوں نے جبل رحمت پر نہایت بلند آواز سے ایسی خوش الحانی کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت کی کہ حاجیوں کے دل ہل گئے، اور گریہ و بکا کا ایک شور مچ گیا، اور مصر و شام کے حجاج نے بغدادیوں سے کہا کہ تمھارے اسراف بیجا کی اس سے بڑھ کر اور دوسری مثال ہمارے علم میں نہیں ہے کہ ان دونوں قاریوں کو ساتھ ساتھ لائے ہو، خدانخواستہ

[1] منتظم ص ۳۰۹ جلد ۷ میں ہے کہ اسکی وفات ۴۰۰ھ میں ہوئی،

کوئی بات پیش آجاتی اور دونوں ہلاک ہوجاتے، تو پھر بغداد کی زینت کس چیز سے ہوتی، اور بغدادیوں کے پاس کیا مایۂ فخر و مباہات رہ جاتا، تم کو یہ چاہئے کہ ایک سال ایک قاری کو لاؤ، اور دوسرے سال دوسرے کو،

حج سے فراغت کے بعد امیر قافلہ ابوالحارث علوی کو معلوم ہوا کہ مدینہ کا راستہ خطرناک ہے، اور بدوؤں کی ایک جماعت قافلہ کی تاک میں چھپی ہوئی ہے، اس لئے اُس نے زیارتِ مدینہ کو ملتوی کرکے سیدھے بغداد واپس جانے کا ارادہ کرلیا، ان قاریوں کو معلوم ہوا تو قافلہ سے آگے نکل کر اس مقام پر بیٹھ گئے، جہاں سے مدینہ کی طرف کو راستہ مڑتا ہے، اور بیٹھ کر قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کرنا شروع کی:-

وما كان لاهل المدينة ومن	نہ چاہئے مدینہ والوں کو اور ان کے گرد کے
حولهم من الاعراب ان يتخلفوا	گنواروں کو کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ
عن رسول الله ولا يرغبوا	سے اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو زیادہ چاہیں
بانفسهم عن نفسه، (۱۱-۴)	رسول کی جان سے،

سنتے ہی قافلہ والوں نے چلاچلا کر رونا شروع کیا، اور بے اختیار اونٹنیوں کی گردنیں مدینہ کی طرف کو مڑ گئیں، قافلہ اور قافلہ سالار سب مدینہ کی راہ پر ہولئے، اور نہایت امن و راحت کے ساتھ مدینہ پہنچکر زیارت کی سعادت حاصل کی، اور وہاں سے بخیر و خوبی بغداد واپس آئے، خدا کے فضل سے کسی کو کوئی خطرہ پیش نہیں آیا،

ابوالحسین بن رفا کی وفات ۴۰۴ھ میں بغداد میں اور ابن الدجاجی کی وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی، (منتظم وابن کثیر)

ابوالحسن محمد بن ابی اسمٰعیل علوی

محدث اور شافعی المذہب فقیہ تھے، تصوف میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، انھوں نے کئی بار تن تنہا حج کیا تھا، ۳۹۵ھ میں اُن کی وفات ہوئی،

محمد بن محمد بن عمر ابو الحارث علوی

کوفہ میں علویوں کے نقیب تھے، حجاج کے قافلہ کی قیادت ان کے سپرد تھی، دس سال یہ خدمت انھوں نے انجام دی، کہ عراقی حجاج کو اپنی نگرانی و انتظام میں حجاز لیجاتے، اور وہاں سے واپس لاتے، ۴۰۳ھ میں ان کی وفات ہوئی، (منتظم صفحہ ۲۶۵)

حافظ ابن الفرضی قرطبی،

حدیث کے حافظ اس فن کے امام اور تاریخ الاندلس کے مصنف تھے، اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد تصنیفات ہیں، حافظ ابن عبد البر نے ان کی فقاہت اور جامعیت کی تعریف کی ہے، ابو مروان کا بیان ہے کہ ہم نے ابن الفرضی جیسا وسیع الروایۃ، حافظ حدیث، رجال کا عارف اور مختلف علوم و فنون کا جامع آدمی نہیں دیکھا،

وہ ۳۸۲ھ میں حج کے لئے مکہ آئے، اور وہاں متعدد شیوخ حدیث سے حدیثوں کی سماعت کی، ان کا خود بیان ہے کہ میں جب حج کو گیا تو کعبہ کا پردہ پکڑ کر میں نے دعا کی کہ خداوندا مجھکو شہادت نصیب فرما، جب دعا کر کے چلا تو قتل کی ہولناکی کو سوچنے لگا، مجھ کو پشیمانی ہوئی، اور جی چاہا کہ لوٹ چلوں اور اللہ سے معافی مانگ لوں لیکن مجھ کو خدا سے شرم معلوم ہوئی، اور اس ارادہ سے باز رہا۔

ان کی اس دعا نے شرف قبولیت پایا، اور ۴۰۳ھ میں بربریوں نے ان کو قتل کر دیا، نہایت سخت فتنہ کا وقت تھا، اس لئے تین دن تک اپنے گھر میں بے گور و کفن پڑے رہے، اس کے بعد بلا غسل و کفن مدفون ہوئے، عربی زبان میں ان کی مناجات کیف و اثر میں ڈوبی ہوئی ہے،

اسیر الخطایا عند بابک واقف	علی وجل مما بہ انت عارف
اسیر گناہ تیرے در پر کھڑا ہے	ان باتوں کی وجہ سے سہما ہوا ہے جو تجھے معلوم ہیں
یخاف ذنوبا لم یغب عنک غیبہا	ویرجوک فیہا فہو راج وخائف

ومن ذا الذی یرجی سواک ویتقی ۔۔۔ ومالك فی فصل القضاء مخالف

فیاسیدی لاتخزنی فی صحیفتی ۔۔۔ اذا نشرت یوم الحساب الصحائف

وکن مونسی فی ظلمة القبر عند ما ۔۔۔ یصد ذوو القربی ویجفو المؤالف

لئن ضاق عنی عفوک الواسع الذی ۔۔۔ ارجی - لاسرافی - فانی لتالف

(ابن کثیر و تذکرہ)

(ابن کثیر و تذکرہ)

ابو عبداللہ بن خفیف شیرازی

کبار مشائخ صوفیہ میں سے ہیں، رویم ابو علی رودباری، ابوبکر کتانی، ابو یعقوب نہرجوری اور ابوالحسن مزین وغیرہم کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے ہیں، عبداللہ بن احمد شاردانی، اور عبداللہ بن جعفر از رکانی وغیرہما سے حدیثیں سنیں،

بچپن ہی سے آپ کی عادت تھی کہ وقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہونے دیتے تھے، صبح سویرے نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے، جب آفتاب خوب بلند ہوجاتا تو اشراق کی نماز پڑھ کر اپنے معاش کے کام میں لگ جاتے، ظہر کا وقت آتا تو ظہر کے فرض اور اس کی سنتوں سے فارغ ہو کر عصر تک نوافل پڑھتے رہتے، عصر سے فارغ ہو کر شام تک علم حدیث کی تحصیل میں مشغول رہتے، مغرب کے بعد عشار تک اوراد و وظائف پڑھتے، عشار کی نماز کے بعد جن اوراد کا التزام تھا

ے المتوفی ۳۷۱ھ کما فی اللباب ۱۲

ان کو پورا کر کے گھر جاتے اور کھانا کھانے کے بعد چالیس حدیثیں لکھ کر بہت تھوڑی دیر سوتے، اس کے بعد اٹھ کر صبح تک نمازِ تہجد میں مشغول رہتے،

آپ شریعت و طریقت کے جامع تھے، فرماتے تھے، کہ جو زاہد اپنے زہد کے درخت کو علم کا پانی نہ دے گا، بہت جلد اس کا درخت سوکھ جائے گا، اور جو عارف اپنی معرفت کو شریعت کے ذریعہ درست نہ کرے، اور شریعت سے اس کا مقابلہ نہ کرے، عنقریب بے معرفت ہو جائے گا"

نیز فرماتے تھے کہ مشائخ تصوف میں سے جنید بغدادی، رویم، ابوالعباس عطاؤ عمرو بن عثمان کی پیروی کرنی چاہئے، اس لئے کہ یہ لوگ علم اور حقیقت دونوں کے جامع تھے، دوسرے مشائخ ارباب حال تھے، ان سے استغراق کی حالت میں بعض ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں کہ استغراقی کیفیت زائل ہونے کے بعد وہ ان باتوں سے توبہ و استغفار ضروری سمجھتے تھے،

آپ نے چھ حج کئے ہیں چوتھے حج میں اپنی والدہ کو بھی ساتھ لے گئے تھے، پہلے حج میں ان کا قافلہ راستہ بھول گیا، اور سخت تکلیف و مصیبت کا سامنا ہوا، زادراہ ختم ہو جانے کے بعد اضطرار کی نوبت آپہنچی، مجبوراً اُن کے ساتھیوں نے کتے کا گوشت کھا کر جان بچائی، انھوں نے پیادہ پا بھی حج کیا ہے،

ایک مرتبہ قرمطیوں نے ان کو گرفتار بھی کر لیا تھا، مگر قرمطیوں کو شکست ہوئی، اور یہ بچ نکلے، مکہ معظمہ میں متعدد مشائخ تصوف سے ملاقات وصحبت رہا کرتی تھی، مثلاً ابوالحسن، ابوالحسین دراج وغیرہما ۳۰۰ھ میں سفر حج سے واپس ہوتے ہوئے، ابوالفضل جمحی سے حدیثیں بھی سُنی تھیں، آپ کی وفات ۳۱۱ھ میں ہوئی،

ابو عثمان مغربی سعید بن سلام

مشائخ صوفیہ میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے، دراصل قیروان کے رہنے والے تھے، وہاں سے شام آکر ابوالخیر اقطع کی صحبت میں رہے، پھر مدتوں مکہ معظمہ میں مقیم رہے، ان کا معمول تھا کہ حج کے

موسم میں جلدی ظاہر ہوتے تھے، روپوش سے رہتے تھے، تاکہ ان کے پاس معتقدین کا ہجوم ہونے پائے، ان کا حال و مقام بہت بلند تھا، بڑے صاحبِ کرامات تھے، ابو سلیمان خطابی محدث اور اُن کے سوا دوسرے علمائے ظاہر بھی اُن کے مداح تھے، ۳۰۳ھ میں وفات پائی،

(ابن کثیر وغیرہ)

ابو القاسم نصر آبادی

ابراہیم بن محمد نام تھا، حفظ حدیث و علم تاریخ وغیرہ کے علاوہ تصوف میں شیخ وقت تھے، بڑے بڑے مشائخ مثلاً شبلی و رودباری کی صحبت میں رہے تھے، نیشاپور وطن تھا، اخیر عمر میں حج کے لئے آئے، اور حرم کے مجاور ہو گئے، ۳۶۶ھ میں حج کیا تھا، اور ۳۶۷ھ میں وفات پائی، فرماتے تھے، کہ جب کوئی شخص زاہد مشہور ہونے لگے، تو ادب یہ ہے کہ دنیا کا کچھ سامان لوگوں کو دکھانے کیلئے اپنے پاس رہنے دے تاکہ اس کی یہ شہرت ختم ہو جائے، کام کا مدار تو دل پر ہے، فرماتے تھے کہ بعض لوگ عورتوں کی مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں، یا اپنی مجلس میں اُن کو بٹھنے دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم اُن کو دیکھنے میں گناہ سے محفوظ ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، جب تک جسم باقی ہے، اس وقت تک بندہ امر و نہی کا مخاطب ہے، بالخصوص مجرد لوگ،

فرماتے تھے کہ اصل تصوف کتاب و سنت کی پابندی، بدعتوں اور خواہشوں کا ترک، مشائخ کی حرمتوں کا پاس و لحاظ، مخلوق کے لئے عذر تلاش کرنا، اوراد پر مداومت اور رخصتوں اور تاویلوں سے بچنا ہے، (لواقح جلد ۱ ص ۱۰۵)

ابن خنزابہ وزیر

جعفر بن الفضل نام تھا، کافور اخشیدی کے وزیر تھے، محدث بھی تھے، مصر میں املاءِ حدیث کی ایک مجلس قائم کی تھی، اس میں شرکت کے لئے امام دارقطنی بغداد سے سفر کرکے مصر گئے تھے، دارقطنی

اور دوسرے اکابر نے ان سے روایت کی ہے، انھوں نے مدینہ منورہ میں پیوند خاک ہونیکیلئے وہاں
پر ایک گھر خریدا، جب اُن کی وفات ہوئی، اور اُن کی نعش مدینہ پہونچی، تو چونکہ وہاں کے سادات
واشراف پر ان کے بہت احسانات تھے اسلئے وہ لوگ اُن کی نعش کو لے کر مکہ گئے، اور اس کو بیت اللہ کا
طواف کرایا، پھر اپنے ساتھ ساتھ عرفات لے گئے، اس کے بعد مدینہ منورہ لاکر اس کو دفن کیا،
اُن کی وفات ۳۹۱ھ میں ہوئی،

قاضی القضاۃ ابو محمد ناصحیؒ

آپ کا نام عبد اللہ بن الحسین تھا، فقہاے احناف میں اُن کو امامت کا درجہ حاصل تھا،
عبد الغافر فارسی اُن کو امام الاسلام کہا ہے، سلطان الاسلام محمود غزنوی کی طرف سے اس کے
ممالک محروسہ کے قاضی القضاۃ تھے، آپ کی وفات ۴۴۷ھ میں ہوئی،

۴۱۲ھ ہجری کے اہم واقعات میں مورخین نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے، کہ اس سال علما اور
عام مسلمانوں کی ایک جماعت نے محمود غزنوی کے حضور میں ایک عرضداشت پیش کی، کہ آپ
سلطان الاسلام ہیں، اور اس وقت آپ سے بڑا کوئی مسلمان بادشاہ نہیں ہے، آپ کی ہمت و اقبال
سے ہر سال کفار کے نئے نئے شہروں میں اسلامی علم نصب ہوتا ہے، یہ آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے مگر
بڑے افسوس کی بات ہے کہ کئی سال سے براہِ عراق حجاج کا حج کے لئے جانا تقریباً بند ہے، بلکہ
گذشتہ دو سالوں میں کوئی ایک حاجی بھی نہیں جا سکا ہے، بدر بن حسنویہ زندہ تھا، تو اُس نے
بیدریغ دولت صرف کرکے بیس سال تک حجاج کی روانگی کا انتظام کیا، جو اس کی وفات کے بعد ختم
ہوگیا، آپکے ملازمانِ دولت میں ہر امیر و حاکم بدر مذکور سے برتر ہے، آپکے ادنی اشارہ سے حج کا
راستہ کھل سکتا ہے، اور اس میں بھی کچھ ثواب نہیں ہے، اس لئے خدا کے واسطے اس طرف بھی توجہ
کیجئے اور اس کا اہتمام فرمائے،

محمود غزنوی نے عرضداشت سن کر اپنے ممالک محروسہ کے قاضی القضاۃ ابو محمد ناصحی کو حکم دیا کہ

وہ حج کی تیاری کریں، اور خراسان میں اعلان کرادیا، کہ جو حج کے لئے جانا چاہے وہ تیار ہو جائے اس کے بعد ابو محمد ناصحی کو تیس ہزار دینار دئے، کہ راستہ میں جہاں جہاں بدو مزاحمت کریں اُن کو دے کر راضی کیا جائے،

الغرض ابو محمد ناصحی کی قیادت میں حجاج کا قافلہ روانہ ہو، خلیفہ بغداد کی جانب سے ابو الحسن بھی بحیثیت امیر الحج اس قافلہ میں تھے، جب قافلہ فید میں پہونچا تو بدوؤں نے اُس کو گھیر لیا پہلے ناصحی نے پانچہزار پیش کئے کہ یہ رقم لیکر وہ قافلہ کو آگے بڑھنے دیں، مگر بدو راضی نہیں ہوئے اور قافلہ کو لوٹنے کی ٹھان لی، اُن کے سردار کا نام جماز تھا، پہلے اوس نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ تانے ہوئے قافلہ کو مرعوب کرنے کے لئے قافلہ کا ایک چکر لگایا، سمرقندیوں کی جماعت میں ایک لڑکا عفان نامی بڑا تیر انداز تھا، اس نے جو تاک کر تیر چلایا تو وہ جماز کے دل میں پیوست ہو گیا، جماز چکرا کر گرا اور ختم ہو گیا، بدو یہ نقشہ دیکھ کر بھاگے، اور قافلہ آگے کو روانہ ہوا، اور امن وعافیت کے ساتھ مکہ پہنچکر حج کیا، پھر امن واطمینان کے ساتھ واپس بھی ہوا،

(ابن الجوزی وابن کثیر)

حافظ ابوذر ہروی

ان کا نام عبد بن احمد تھا، ہرات وطن تھا، حدیث کے زبردست حافظ اور اس کے بہت بڑے راوی تھے، اس کے لئے بہت سے شہروں کی خاک چھانی تھی خطیب کا بیان ہے کہ ابوذر جب بغداد سے گذر رہے تھے، تو وہاں انھوں نے لوگوں کو حدیثیں سنائی تھیں، مگر میں اس وقت بغداد سے باہر تھا، وہ وہاں سے حج کو گئے، اور مکہ میں مجاور ہو گئے، پھر انھوں نے عرب ہی میں شادی کرلی اور سراۃ بنی شبابہ (طائف کے نواح) میں مقیم ہو گئے، مگر ان کا دائمی معمول تھا کہ ہر سال حج کو آتے، اور حج کے موسم میں علماء وطلبۂ حدیث کو حدیثیں سناتے، پھر سراۃ چلے جاتے، ذہبی نے اُن کو شیخ الحرام کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی وفات ۴۳۴ھ میں ہوئی،

(تذکرہ، ابن کثیر، ابن الجوزی)

ابو عبداللہ محمد بن محمود رشیدی

نیشاپور کے رہنے والے تھے، ممتاز محدث تھے، اُن کا بیان ہے کہ جب میں نے سفر حج کا ارادہ کیا تو علمائے حدیث نے مجھے تاکید کی کہ بغداد میں ابو علی تمیمی سے مسند احمد اور ابو طالب بن غیلان سے فوائد ابوبکر شافعی کی سماعت کرکے سند ضرور لے لینا، بغداد پہنچکر ابن غیلان سے حدیث سننے کا خیال جب میں نے ظاہر کیا، تو مجھے بتایا گیا کہ وہ تو سخت بیمار ہیں، میں نے پوچھا عمر کیا ہے،؟ معلوم ہوا، ایک سو پانچ برس کی عمر ہے، میں نے کہا تب تو جلدی کرنی چاہئے، مگر میرے مشیر نے باصرار کہا کہ پہلے حج کر لو، اور اطمینان دلایا کہ ان شاء اللہ وہ مرنے کے نہیں، بہر حال میں مکہ روانہ ہو گیا، اور حج سے فارغ ہو کر لوٹا تو واقعی وہ زندہ تھے، اور میں نے اُن سے حدیثیں سنیں، رشیدی کی وفات ۴۹ھ میں اور ابن غیلان کی ۴۴۰ھ میں ہوئی، (ابن الجوزی و لباب)

شیخ الاسلام ابو عثمان صابونی

اسماعیل بن عبدالرحمن نام اور نیشاپور وطن تھا، تفسیر، حدیث اور فقہ میں امام تھے، اعلیٰ درجہ کے خطیب و واعظ بھی تھے، ساٹھ برس تک وعظ فرمایا، اور تقریباً بیس برس تک نیشاپور کے خطیب رہے، ابن خزیمہ و حاکم کے شاگرد اور بیہقی کے استاذ تھے، ابن عساکر محدث نے اپنی تاریخ میں دل کھول کر ان کا تذکرہ لکھا ہے، سفر حج میں وہ دمشق سے گذرے تو وہاں حدیثیں بھی سنیں اور وعظ بھی فرمایا،

امام الحرمین جن کا ذکر آئے گا، فرماتے تھے کہ میں جب مکہ میں تھا، تو عقائد کے باب میں متردد تھا کہ کس مسلک کو اختیار کرنا چاہئے، ایک دن خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، تو آپ نے فرمایا "علیک باعتقاد الصابونی" (تم صابونی کے عقائد اختیار کرو،) (ابن کثیر و لباب)

امام صابونی کا عقیدہ چھپ کر شائع ہو گیا ہے،

اُن کی وفات ۴۴۹ھ میں ہوئی،

امام بیہقی

احمد بن حسین نام ابوبکر کنیت تھی، بیہق (سبزوار) وطن تھا، فقیہ، محدث، اصولی اور مشہور مصنف و حافظ حدیث ہیں، حاکم صاحب مستدرک کے شاگرد تھے، بڑے عابد و پرہیزگار تھے، زاہدانہ زندگی گذارتے تھے، سنن کبریٰ، معرفۃ السنن والآثار، دلائل النبوۃ اور شعب الایمان کے ناموں سے کون واقف نہیں ہے، یہ انھیں کی تصنیفات ہیں، امام الحرمین (شافعی) کا مقولہ ہے کہ امام شافعی کا ہر شافعی پر احسان ہے اور بیہقی کا امام شافعی پر احسان ہے، امام الحرمین کا یہ قول ان کتابوں کے پیش نظر ہے جو بیہقی نے امام شافعی کی تائید و حمایت میں لکھی ہیں- آخر عمر میں ائمہ علم کی درخواست پر بیہق سے نیشاپور آگئے، وہاں ان کیلئے ایک خاص مجلس درس قائم ہوئی اور انھوں نے اپنی تصنیفات سنائیں اس مجلس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے۔

آپ کا سفر حج بڑا ممتاز سفر تھا، اس لئے کہ اس میں شیخ الصوفیہ امام ابوالقاسم قشیری اور امام الحرمین بھی ساتھ تھے، آپ کی وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی۔ (ابن کثیر و تذکرہ)

خطیب بغدادی

احمد بن علی نام تھا، نہایت مشہور حافظ حدیث ہیں، ان کی تصنیفات میں تاریخ بغداد کو عالمگیر شہرت حاصل ہے، جو چودہ جلدوں میں مصر سے شائع ہو چکی ہے، اصول حدیث میں ان کی کتاب الکفایہ حیدرآباد میں چھپی ہے، ان کے سوا تقریباً سو کتابوں کے وہ مصنف ہیں، شافعی المذہب تھے، فقہ میں ابوطالب طبری کے شاگرد تھے، نیشاپور و اصفہان، اور شام و حجاز وغیرہ میں انھوں نے حدیثیں سنیں، ۴۴۵ھ میں انھوں نے دمشق کا سفر کیا تھا، اسی سال حج کیا، حج میں اس سال قضاعی محدث بھی آئے ہوئے تھے، خطیب نے مکہ میں ان سے حدیثیں سنیں، اور وہیں کریمہ بنت احمد کے پاس جو صحیح بخاری کی مشہور راویہ تھیں، پانچ دن میں صحیح بخاری سنا کر ختم کی،

خطیبؒ بغدادی فرماتے تھے کہ میں نے آبِ زمزم پیتے وقت نیت کی تھی، کہ میں بغداد پہنچ کر اپنی تاریخ بغداد لوگوں کو سنا دوں، اور یہ کہ میں بغداد ہی میں مروں اور مرنے کے بعد قبر حافی کے پاس مجھ کو جگہ ملے، دو باتیں تو پوری ہو چکیں کہ بغداد پہنچ گیا، اور تاریخ سُنا دی، امید کرتا ہوں کہ تیسری بات بھی پوری ہوگی[ف]، ابو الفرج اسفرائنی کا بیان ہے کہ سفر حج میں ہم خطیب بغدادی کے ساتھ تھے، اس سفر میں ہم نے اُن کو دیکھا ہے کہ روزانہ ایک ختم قرآن پاک پڑھا کرتے تھے ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے، اور دن ڈوبنے سے پہلے ختم کر لیتے تھے، اس کے بعد لوگ سواری کی حالت ہی میں اُن کے گرد اکٹھا ہو جاتے تھے، اور حدیث سُنانے کی درخواست کرتے تھے، وہ سنانا شروع کر دیتے تھے۔ (تذکرہ)

خطیب کے علم و فضل میں کلام نہیں، مگر ابن الجوزی وغیرہ نے اُن کے مذہبی تعصب کا سخت شکوہ کیا ہے، بلکہ حافظ اسمٰعیل طوسی نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ مجھے محدثین میں ان تین شخصوں سے اُن کی شدتِ تعصب اور بے انصافی کی وجہ سے کوئی محبت نہیں ہے، اور میں اُن کو بالکل پسند نہیں کرتا، ایک حاکم، دوسرے ابو نعیم، تیسرے خطیب،

خطیب نے حنابلہ کے ساتھ جہاں جہاں تعصب کا مظاہرہ کیا ہے، ابن الجوزی نے اپنی تاریخ میں اس کی کچھ تفصیل دی ہے، اور جگہ جگہ خطیب کا زور دار رد کیا ہے، ابن کثیر شافعی نے ابن الجوزی کی ان باتوں کا ذکر تو کیا ہے مگر خطیب کی حمایت میں انھوں نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے، خطیب کی وفات سنہ ۴۶۳ھ میں ہوئی، اور اپنی وصیت کے مطابق بشر حافی کے پہلو میں مدفون ہوئے اُن کے جنازہ کو کاندھا دینے والوں میں شیخ ابو اسحاق شیرازی بھی تھے، اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ خطیب اس عہد میں حدیث کے بے نظیر عالم، اور خاتمۃ الحفاظ تھے، مؤتمن ساجی نے صحیح لکھا ہے کہ دار قطنی کے بعد خطیب جیسا محدث بغداد میں پیدا نہیں ہوا خطیب بغدادی

[ف] اس واقعہ میں ذہبی کا بیان ابن الجوزی کے بیان سے مختلف ہے، ذہبی نے تین باتوں میں سے ایک بات جامع منصور میں حدیث سنانے کی تمنا نقل کی ہے ۱۲ منہ،

میں مذکورہ بالا کمالات کے سوا یہ کمال بھی تھا کہ وہ دمشق کی جامع اموی میں اتنی بلند آواز سے حدیث پڑھتے تھے کہ اُن کی آواز جامع کے آخری حصہ تک پہونچتی تھی، اور پورے اعراب کے ساتھ نہایت صحیح پڑھتے تھے،

ان کمالات کے باوجود ان میں بڑوں کا احترام اور تواضع بھی اس درجہ تھا کہ ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ ابوبکر حافظ آپ ہی ہیں، انھوں نے کہا میں احمد بن علی خطیب ہوں، حفظ حدیث کا تو دارقطنی پر خاتمہ ہو چکا،

علم السُّنّۃ حافظ ابونصر سجزی

عبیداللہ بن سعید نام تھا، سجستان کے ایک گاؤں وائل کے رہنے والے تھے، ۴۰۰ھ کے بعد طلب علم کی نیت سے وطن کو خیرباد کہا، اور خراسان و عراق و شام و مصر میں حدیث کا علم حاصل کیا، اس کے بعد حرم مکہ میں اقامت اختیار کرلی تھی حبال کا بیان ہے کہ ایک دن میں اُن کی خدمت میں تھا، کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی، میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا، تو ایک عورت داخل ہوئی، اور اُس نے ایک ہزار دینار کی تھیلی شیخ کے سامنے رکھ کر کہا کہ آپ اس کو جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں، شیخ نے پوچھا، تمھاری تمنا کیا ہے؟ اُس نے کہا میری تمنا ہے کہ آپ مجھ سے عقد کرلیں، اور یہ تمنا صرف اس واسطے ہے کہ میں آپ کی خدمت کرسکوں ورنہ مجھکو شادی کی قطعاً خواہش نہیں ہے، شیخ نے اس سے کہا تھیلی اٹھالو، اور سمجھا بجھا کر اس کو رخصت کرنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں سجستان سے تحصیلِ علم (طالب العلمی) کی نیت کرکے نکلا ہوں، اگر شادی کرلوں تو طلابِ علم کی فہرست سے میرا نام خارج ہوجائے گا، اور میں طلبِ علم کے ثواب پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا،

مسئلۂ قرآن میں اُن کی کتاب الابانۃ الکبریٰ اُن کی امامتِ فن پر شاہد عدل ہے، حبال کا قول ہو کہ ابونصر، حافظ صوری جیسے پچاس حافظوں پر بھاری ہیں، محدثین میں ایک حدیث

مسلسل بالاولیۃ کے نام سے شہرت رکھتی ہے، اس کے راوی بھی ابو نصر ہیں، دنیا میں جتنے لوگوں نے اس حدیث کی سند لی ہے اکثر کی سندوں میں ابو نصر کا نام آتا ہے، آپ کی وفات مکہ معظمہ میں ۴۴۴ھ میں ہوئی، قرشی نے طبقات حنفیہ میں اُن کا ذکر کیا ہے،

شیخ الاسلام امام القرا ابو عمرو دانی

عثمان بن سعید نام، اور قرطبہ (اسپین) وطن تھا، دانیہ میں سکونت کی وجہ سے دانی کہلاتے تھے، ۳۹۷ھ میں انھوں نے مشرق کا سفر شروع کیا، چار ماہ قیروان میں رہ کر مصر پہونچے، وہاں ایک سال قیام کرنے کے بعد حج کیا اور حج کے بعد ذی قعدہ ۳۹۹ھ میں اندلس واپس آگئے، اس سفر میں ہر جگہ انھوں نے حدیث اور قرأت کا علم حاصل کیا تا آنکہ اللہ نے اُن کو اس مرتبہ پر پہونچایا کہ اُن کے زمانہ سے لیکر آج تک کے تمام قرار اُن کے مرہون منت اور سب کی گردنیں اُن کے آگے خم ہیں، ذہبی نے سچ کہا ہے کہ الی ابی عمرو المنتھی فی اتقان القرآت یعنی قرار توں کا مضبوط و مستحکم علم ابو عمرو دانی پر ختم ہے، ۴۴۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی، (تذکرہ)

امام ابو القاسم قشیری

آپ کا نام عبدالکریم بن ہوازن تھا، ابو علی دقاق کی صحبت میں رہکر تصوف اور ابو بکر طوسی سے فقہ شافعی اور ابو بکر بن فورک سے علم کلام حاصل کیا، مشائخ تصوف میں اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے، اُن کی کتاب الرسالۃ القشیریہ حقائق تصوف کی بہترین شرح اور سچے صوفیوں کے لئے مشعل راہ ہے،

آپ کا حج تاریخی حج ہے اس لئے کہ آپ کا یہ سفر شیخ ابو محمد جوینی، امام الحرمین اور امام بیہقی کی معیت میں ہوا ہے، قشیری سرتاج صوفیہ اور راس الاشاعرہ ابو محمد جوینی مفتی الانام و امام

تفسیر فقہ، امام الحرمین اس عہد کے سب سے بڑے اشعری متکلم، اور امام بیہقی اس زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث و امام فن تھے، امام قشیری نے اس سفر میں بیہقی و امام الحرمین کے ساتھ بغداد و حجاز میں حدیثیں بھی سُنی ہیں،

آپ کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی،

امام الحرمین اور اُن کے والد ابو محمد جوینی

عبدالملک بن عبداللہ نام ابو المعالی کنیت تھی، نیشاپور کے گاؤں جوین کے رہنے والے تھے، مکہ میں چار برس مجاور رہے، اس لئے امام الحرمین کے لقب سے پکارے جاتے تھے، اپنے والد ابو محمد جوینی اور قاضی حسین کی خدمت میں فقہ شافعی میں کمال پیدا کیا، شیوخ حدیث سے حدیثیں سُنیں، اُس کے بعد چار برس مکہ میں رہے، جب نیشاپور واپس آئے، تو تدریس، خطابت اور وعظ کا منصب اُن کے سپرد ہوا، اُن کی مجلس درس میں اطراف و کناف کے طلبہ حاضر ہوتے تھے، جن کی تعداد تین سو تک پہونچ جاتی تھی، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے اُن کی کتاب نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب کی نسبت کہا گیا ہے، کہ اسلام میں دوسری ایسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، امام ابو اسحاق شیرازی اُن کو خطاب کرکے کہتے تھے

انت الیوم امام الائمہ (آج آپ اماموں کے امام ہیں)

تاریخ ابن کثیر کے محشی نے لکھا ہے کہ ابن خلکان نے اُن کی تصنیفات میں مغیث الخلق کا نام بھی لیا ہے مگر ابن کثیر نے ابن خلکان کے حوالہ سے تصنیفات کے نام نقل کرتے ہوئے مغیث الخلق کا نام نہیں لیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک بھی اس کی نسبت امام الحرمین کی طرف صحیح نہیں ہے، دراصل وہ کسی دوسرے کی تصنیف ہے اور از راہ فریب امام الحرمین کی طرف منسوب کردی گئی، فقیر مؤلف کہتا ہے کہ جس طرح کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ کی طرف منسوب کردی گئی ہے،

امام الحرمین کی وفات ۴۷۸ھ میں ہوئی، ان کے انتقال پر دکانیں بند کر دی گئیں، اور اُن کے ممتاز شاگردوں نے جن کی تعداد چار سو تھی، اپنے قلم اور دواتیں توڑ ڈالیں،

(ابن کثیر)

(شیخ ابو محمد جوینی) انھیں نامور بیٹے (امام الحرمین) کے باپ تھے، ان کو رکن الاسلام ومفتی الامام کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، ان کی شدت کا یہ عالم تھا، کہ کبھی کبھی سال میں دوبار زکوٰۃ نکالتے تھے، فقہ واصول وادب عربیہ کے امام تھے، اُن کی وفات ۴۳۸ھ میں ہوئی، ان باپ بیٹوں نے، امام قیشری وامام بیہقی کی معیت میں حج کیا ہے،

کریمہ بنت احمد مروزیہ

مرو کے ایک گاؤں کشمیہن کی رہنے والی تھیں، نہایت جید علم وصلاح سے آراستہ خاتون تھیں، انھوں نے ابو الہیثم کشمیہنی وغیرہ سے صحیح بخاری وغیرہ کی سماعت کی تھی، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً خطیب بغدادی، سمعانی اور ابو طالب زینبی نے اُن کے پاس بخاری پڑھی تھی، اور اُن کو اس کتاب کی سند کریمہ سے حاصل تھی، کریمہ نے مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، ۴۶۳ھ میں مکہ ہی میں انھوں نے وفات پائی، مکہ میں اُن کے قیام کی مدت بہت طویل ہے، خطیب کے تذکرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ انھوں نے ۴۴۵ھ میں کریمہ کے پاس مکہ میں صحیح بخاری کی قرأت کی تھی،

(ابن الجوزی)

یافعی نے لکھا ہے کہ انھوں نے مدۃ العمر نکاح نہیں کیا، حرم کی مجاورت میں زندگی گذاردی، سو برس کی عمر پائی، ذہن وذکاوت، اور فہم وفراست میں مردوں سے کم نہیں تھیں،

فقیہ حرم ومفتی اہل مکہ ہیاج بن عبید

ملک شام کے باشندے تھے، ابو ذر ہروی وغیرہ سے علم حدیث، اور دوسرے اساتذہ سے

فقہ کی تحصیل کی تھی، مکہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے، اپنے زمانہ میں زہد و فقہ و کثرت عبادت میں منفرد تھے، تین دن کا صوم وصال اس طرح رکھا کرتے تھے، کہ دو دن صرف زمزم کے پانی سے افطار کر لیتے تھے، اور تیسرے دن کچھ مل جاتا تو کھا لیتے تھے، کمال یہ ہو کہ روزانہ پیدل چل کر تین عمرے کرتے تھے، اور شاگردوں کو کئی سبق بھی پڑھاتے تھے،

جب سے حرم میں قدم رکھا، کبھی جوتے نہیں پہنے، ان کا معمول تھا، کہ ہر سال مکہ والوں کے ساتھ ننگے پاؤں پیدل مدینہ جاکر مزار نبوی کی زیارت کرتے اور اسی طرح واپس آتے، چلتے وقت جو اُن کا ہاتھ پکڑ لیتا، اس کے آمد و رفت کے جملہ مصارف خود ادا کرتے، اسی طرح ابن عباس کے مزار کی زیارت کے لئے ہر سال طائف جاتے تھے، مکہ سے کھانا کھا کر نکلتے تو طائف پہونچ ہی کر پھر کھاتے، کوئی چیز دوسرے وقت کے لئے بچا کر نہیں رکھتے تھے، پہننے اوڑھنے میں بھی صرف ایک کپڑے پر اکتفا کرتے تھے، ایک بار مکہ میں سُنّی شیعہ جھگڑا ہو گیا، شیعوں نے امیر مکہ کے پاس جو رافضی و باطنی تھا، شکایت کی کہ سُنی ہم کو گالیاں دیتے ہیں، امیر نے بلا تحقیق ہیاج کو سخت زد و کوب کی، اس کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکے، چند دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا، وفات کے وقت اسی برس سے زائد اُن کی عمر تھی، یہ ۴۷۲ھ کا واقعہ ہے، (ابن اکثیر، ابن الجوزی، مرآۃ)

حافظ ابو القاسم زنجانی

آپ کا ذکر اس کتاب کی پہلی جلد (ص ۱۲۰) میں ہو چکا ہے، مگر وہاں پر آپ کا ذکر تاریخی ترتیب کے لحاظ سے بے موقع ہے، پھر بہت مختصر بھی ہے، اس لئے مناسب موقع پر آپ کے ذکر کا اعادہ کیا جا رہا ہے، آپ کا نام سعد بن علی تھا، حدیث کے نہایت جید حافظ تھے، مختلف شہروں کی سیاحت کے بعد حرم مکہ کی مجاورت اختیار کر لی تھی، اور مجاورت کے بعد شیخ الحرم ہو گئے تھے، فن حدیث کی امامت کے ساتھ ولی کامل بھی تھے، عبادت میں نہایت جفاکش تھے، آپ کی

کرامتیں ظاہر تھیں، طواف کے لئے آتے تھے تو مطاف اُن کے لئے خالی کر دیا جاتا تھا، اور لوگ حجرِ اسود سے زیادہ اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے، ابو اسحاق اور محمد بن ابو الفضل کہتے تھے کہ دنیا میں بلحاظ فضیلت سعد بن علی کا ہم پلہ کوئی نہیں ہے، ہیاج بن عبید جو ہر روز تین عمرے کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جس دن سعد بن علی کی زیارت نہیں ہوتی، اس دن میں سمجھتا ہوں کہ کوئی نیکی کا کام نہیں کیا، جس زمانے میں یہ مکہ میں تھے، اس وقت مکہ پر مصر کے باطنی حاکم کا تسلط تھا، اور وہ بقول حافظ ذہبی بڑے خبیث رافضی اور حدیث کے دشمن تھے، اس لئے کوئی محدث حدیث کے املا کی ہمت نہیں کرتا تھا، مگر سعد بن علی اپنے گھر کے اندر املا کیا کرتے تھے،

جب آپ نے مکہ میں قیام کا ارادہ کیا تو بائیس قسم کی عبادت و ریاضت کا عہد کر کے قیام کیا، اس کے بعد چالیس برس وہاں رہے مگر اُن میں سے کسی میں کوئی کوتاہی نہیں ہونے دی، سعد بن علی کے کچھ واقعات ابو المظفر سمعانی اور محمد بن طاہر مقدسی کے تذکروں میں آپ پڑھیں گے، آپ نے ۴۷۱ھ میں انتقال کیا، (تذکرہ - وابن جوزی)

ابو المظفر سمعانی

منصور بن عبد الجبار نام تھا، سمعانی مصنف انساب کے دادا تھے، پہلے اپنے والد کے پاس فقہ حنفی میں کمال پیدا کیا، پھر ۴۶۱ھ میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے بغداد آئے، اور یہاں شیخ ابو اسحاق شیرازی اور ابو نصر بن صباغ کی صحبت نصیب ہوئی، تو شافعی مذہب اختیار کر لیا، اصول فقہ شافعی میں اُن کی تین کتابیں البرہان، الاصطلام، اور کتاب القواطع بڑے معرکہ کی کتابیں ہیں، حافظ حدیث بھی تھے، اور حدیث کا املا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ جب میں حج کو گیا اور وہاں ابو القاسم زنجانی کی بابرکت صحبت نصیب ہوئی، تو میرا ارادہ ہوا کہ میں بھی اُن کی صحبت میں مجاور ہو جاؤں، اس ارادہ کے بعد ایک رات میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ سر کھولے ہوئے ہیں، اور مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں اپنے حقوق کا واسطہ دلا کر تم سے

کہتی ہوں کہ تم مرو چلے آؤ، تمہاری جدائی میرے لئے ناقابل برداشت ہے، صبح کو میں اٹھا تو اس خواب کی وجہ سے بہت مغموم تھا دل میں کہا لاؤ چل کر ابوالقاسم زنجانی سے مشورہ کریں، یہ ارادہ کر کے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا مگر کثرت ازدحام کیوجہ سے بات نہ کرسکا، جب مجلس ختم ہوئی اور وہ جانے کو کھڑے ہوئے تو میں پیچھے ہولیا یک بیک وہ مڑے اور مجھ سے کہا کہ ابوالمظفر بڑھیا تمہارا انتظار کررہی ہے، یہ کہا اور اندر چلے گئے، میں نے سمجھ لیا کہ ان کو مکاشفہ ہوا اور انھوں نے میرے سوال کا جواب دیا ہے، لہٰذا اسی سال میں مکہ سے مرو روانہ ہوگیا (تذکرہ ص۳۴۶ و ابن الجوزی)

آپ کی وفات ۴۸۹ھ میں ہوئی

قاضی ابوالولید باجی

سلیمان بن خلف نام تھا، اندلس وطن تھا، حدیث کے حافظ اور مالکی مذہب کے فقیہ تھے، موطاء مالک شرح منتقی کے مصنف جو ان کی علمی وفنی کمالات کی آئینہ دار ہے، علامہ ابن حزم ظاہری نے جب اندلس میں ظاہریت اور اپنے انفرادی خیالات وافکار کی اپنی پرزور تقریر وتحریر کے ذریعہ اشاعت شروع کی اور بہت سے کم علموں اور نادانوں کو اپنا ہم خیال بنالیا تو کسی عالم وفقیہ کو ہمت نہ ہوئی کہ ان سے ٹکر لے سکے، لیکن جب ابوالولید بلاد مشرق کے سفر سے واپس آئے اور لوگوں نے واقعات سنائے تو انھوں نے ابن حزم کی جائے قیام پر پہونچکر مناظرہ کیا، اور ان کے خیالات کا ناحق ہونا آشکارا کردیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ص۳۵۲)

ابوالولید نے ۴۲۶ھ میں بلاد مشرق کا سفر کیا، اور ان بلاد میں ائمہ وقت سے مل کر استفادہ کیا، پہلے انھوں نے حج کیا اور حج کے بعد تین سال مکہ میں حافظ ابوذر ہروی کی خدمت میں رہ کر حدیث میں کمال حاصل کیا، وہ اس مدت میں حافظ ابوذر کے خادم کی حیثیت سے برابر ساتھ رہے، وہ حج کے لئے مکہ آتے تو یہ ساتھ ہوتے اور جب

وہ اپنی جائے سکونت (سراۃ بنی شبابہ) کو واپس ہوتے تو یہ بھی وہیں ان کے ساتھ چلے جاتے اور ان کی خدمت بجا لاتے، اسکے بعد انھوں نے شام و بغداد کا سفر کیا، اور مختلف مشائخ حدیث سے حدیثیں سنیں، بغداد میں قاضی ابوالطیب طبری اور قاضی ابوعبداللہ صیمری وغیرہما کے پاس فقہ میں کمال پیدا کیا، اور موصل میں ابوجعفر سمنانی کی خدمت میں عقلیات میں مہارت پیدا کی، تیرہ برس کے بعد علم کی دولت سے مالا مال ہو کر وطن واپس ہوئے

ابوالولید کا یہ زمانہ نہایت عسرت و تنگی کا زمانہ تھا مگر کبھی انھوں نے دستِ سوال دراز نہیں کیا، بغداد میں انھوں نے ایک کوچہ کی پہرہ داری کر کے اوقات بسر کئے، اندلس واپس ہونے کے بعد بہت دنوں تک محنت مزدوری کر کے کام چلاتے تھے، اس کے بعد زمانہ نے کروٹ لی اور وہ قضا کے منصب پر پہنچے، اور اکابر و اعیان کی طرف سے سفارت کی خدمت انجام دینے لگے۔ اب وہ وقت آیا کہ کوئی دوسرا ان کی عزت و جاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ابوالولید باجی کی وفات ۴۷۴ھ میں ہوئی، باجی کے یہ دو شعر بہت مقبول ہوئے ہیں

اذا کنت اعلم علما یقینا — بان جمیع حیاتی کساعة

جب میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ میری پوری زندگی کی حقیقت ایک ساعت سے زیادہ نہیں ہے

فلم لا اکون ضنینا بھا — واجعلھا فی صلاح وطاعة

تو میں اسکے باب میں بخل سے کام لیکر فضولیات میں صرف ہونے سے بچاتا کیوں نہیں اور اسکو نیکی وطاعت میں صرف کیوں نہیں کرتا

باجی نے چار حج کئے، (ابن کثیر و تذکرہ و مرآۃ)

شیخ الصوفیہ ابوسعد نیشاپوری

نیشاپور وطن اور احمد بن محمد بن دوست نام تھا، یہ توں شیخ ابوسعید ابوالخیر کی صحبت میں رہے ہیں، بے سروسامانی کے ساتھ انھوں نے متعدد حج کئے ہیں، جس زمانے میں، حکومت کی کمزوری اور اعراب وغیرہ کی شورش کیوجہ سے حج کا عراقی راستہ بند ہو گیا تھا

اور عراق وخراسان سے حجاج کا قافلہ روانہ نہیں ہوتا تھا، اس زمانہ میں ابو سعد صوفی چند درویشوں کو ساتھ لیکر نکل جاتے اور قبائل عرب کا چکر لگاتے ہوئے ایک قبیلہ کی آبادی سے دوسرے قبیلہ کی آبادی میں پہنچتے، اسی طرح رفتہ رفتہ مکہ پہونچ جاتے، پھر اسی طرح واپس بھی ہو جاتے۔

انھوں نے اپنی ساری املاک بیچ کر اور خلیفہ بغداد سے امداد لیکر ایک رباط صوفیوں کے رہنے کے لئے بنوائی تھی جس کا دروازہ اتنا اونچا اور کشادہ تھا کہ ایک شتر سوار سواری سے اترے بغیر اس میں داخل ہو سکتا تھا، ان کی وفات ۴۷۷ھ یا ۴۷۹ھ میں ہوئی۔

ابو الحسن اقساسی

محمد بن الحسن علوی نام تھا، خلیفہ بغداد کی طرف سے خراسانی وعراقی حجاج کے امیر کی حیثیت سے کئی سال شریک حج ہوئے، ۴۰۴ھ، ۴۰۵ھ، ۴۰۶ھ، ۴۱۲ھ، ۴۱۴ھ، ۴۱۵ھ میں ان کا نام تاریخوں میں ملتا ہے، ۴۱۵ھ ہی میں ان کی وفات بھی مذکور ہے۔

عبد اللہ بن نصر حجادی

حنبلی مذہب کے فقیہ تھے، حدیث کی سماعت بھی کی تھی، زاہدوں کی صحبت میں رہتے تھے اور زاہدانہ زندگی گذارتے تھے، انھوں نے پیادہ پا دس بارہ حج کئے تھے، ۴۸۰ھ میں ان کا انتقال ہوا (ابن الجوزی)

وزیر بن وزیر ابو شجاع بن ابی یعلےٰ

محمد بن حسین نام تھا، یہ اور ان کے باپ دونوں دولت عباسیہ کے وزیر تھے، ان کے باپ کو قائم عباسی نے قلمدان وزارت سپرد کرنے کے لئے پروانہ بھیجکر بلایا تھا مگر

پروانہ ملنے سے پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی، اور یہ خود مقتدی عباسی کے وزیر تھے اور نہایت نیک نام وزیر تھے، انہیں لالچ بالکل نہیں تھی، جب وزیر ہوئے تو چھ لاکھ دینار کے مالک تھے، سب کو خیرات وصدقات میں خرچ کر دیا۔

انھوں نے بہت سی جائدادیں وقف کیں، متعدد مسجدیں بنوائیں اور یتیموں بیواؤں پر انعامات کی خوب بارش کی، ایک مرتبہ شہر میں کوئی بیماری پھیل گئی تو نہایت کثیر مقدار میں دوائیں اور شربت تیار کرا کے سارے شہر میں مفت تقسیم کرائے

ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ ایک عورت اور اس کے چار یتیم بچے، بھوکے اور ننگے ہیں، وزیر نے بہت کھانا اور کپڑا اور نقدی دیکر اسکو بھیجا اور اپنے کپڑے اتار کر کہا کہ جب تک آکر یہ خبر نہ کرو گے کہ تم نے ان کو کھلا پہنا کر خوش کر دیا اسوقت تک میں سردی میں اسی طرح ٹھٹھرتا رہوں گا، جب وہ لوٹ کر آیا تو وزیر سردی سے کانپ رہا تھا، اس نے جب خبر دی کہ ان سب نے کھا پہن لیا تو وزیر نے کپڑے پہنے۔

خاکساری اس میں اتنی تھی کہ اس نے دربان نہیں رکھے تھے، عورت، بچے اور عوام بے روک ٹوک اس کے پاس پہونچتے تھے اور وہ سب سے باتیں کرتا تھا۔ اپنے دربار میں وہ علما وفقہا کو ساتھ بٹھا کر کام کرتا تھا، اور ان کے مشورہ کے مطابق فیصلے اور احکام نافذ کرتا تھا

اس نے اپنے عہد وزارت میں ہر قسم کے ٹیکس معاف کر دئے تھے

اس نے ۴۸۳ھ میں جب وہ منصب وزارت پر تھا حج کیا، تو راستہ میں تمام اہل قافلہ پر دوائیں اور کھانے پینے کی چیزیں خرچ کرتا ہوا گیا، اور حرمین میں بلا امتیاز روپئے وغیرہ بانٹے، اور فقراء کے دوش بدوش مساویانہ حیثیت سے تمام مناسک واعمال حج ادا کئے

اس عروج کے بعد زمانہ نے پلٹا کھایا اور وہ وزارت کی کرسی سے ہٹا دیا گیا، پھر اس کو بغداد سے نکل جانے کا حکم دیدیا گیا تب اس نے حج کیلئے جانے کی اجازت مانگی جو اسکو مل گئی اور حج کیلئے چلا گیا، ایک صاحب کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں میری اس کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی

تو اس نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا، میں نے اس پر بڑا اظہار تعجب کیا تو اس نے کہا کہ تم زمانہ وزارت میں میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسکی مکافات کر دوں۔

بہر حال وہ مدینہ میں مجاور ہو گیا، جب آخری دفعہ بیمار ہوا، تو اس نے اپنے کو اٹھوا کر وہاں پہونچوایا جہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جاتی ہے اور سلام پڑھا جاتا ہے وہاں پہونچکر وزیر کھڑا ہوا اور رو کر کہا یا رسول اللہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

تو میں حاضر ہو گیا ہوں اور اپنے جرائم اور گناہوں کا اقرار کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں گے، یہ کہکر پھر رو دیا اور روتا ہوا واپس ہوا، اسی دن اس کی وفات ہوئی، یہ سنہ ۴۸۸ھ کا واقعہ ہے (ابن الجوزی وابن کثیر مختصراً)

قاضی ابُوبکر حَمَوی شامی

محمد بن المظفر نام تھا، پہلے اپنے وطن میں اسکے بعد بغداد آکر ابو الطیب طبری کی خدمت میں فقہ کی تحصیل کی اور وہیں شیوخ حدیث سے حدیثیں سنیں، قاضی ابو عبد اللہ دامغانی کی وفات کے بعد قضاء کے منصب پر فائز ہوئے، بہت محتاط اور حرص وطمع سے پاک تھے، حکام یا احباب کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے، بغداد کی ایک مسجد میں پچیس سال تک امامت، اور حدیث وغیرہ کے درس کی خدمت انجام دی، قاضی ہونے کے بعد کوئی تنخواہ نہیں لی، نہ اپنی خوراک وپوشاک میں کوئی تبدیلی کی، کسی کو اپنا نائب بنا کر کبھی کام نہیں لیا، نہ کسی کے ساتھ کوئی رو رعایت کی، ایک مرتبہ ایک فقیہ ان کے سامنے گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے تو چونکہ وہ ریشمی لباس میں ملبوس تھے اس لئے انکی شہادت رد کر دی، مدعی نے اعتراض کیا کہ ریشمی کپڑا تو ملک شاہ اور اسکا وزیر نظام الملک بھی پہنتا ہے، انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم وہ بھی میرے پاس شہادت دینے آئیں تو انکی شہادت رد کر دونگا۔ انھوں نے سنہ ۴۸۱ھ میں حج کیا، اور سنہ ۴۸۸ھ میں وفات پائی۔

طراد بن محمد زینبی

ابو الفوارس کنیت تھی، زینب بنت سلیمان کی اولاد سے تھے، بہت مشہور بلند پایہ محدث تھے، اطراف واکناف عالم سے سفر کرکے لوگ سماع حدیث کیلئے انکے پاس آتے تھے جامع منصور (بغداد) میں وہ حدیث املاء کرتے تھے ابو علی بردانی انکے مستملی تھے، ان کی مجلس املاء میں تمام محدثین وفقہاء شرکت کرتے تھے، حتی کہ قاضی القضاۃ ابو عبداللہ دامغانی بھی اس میں شریک ہوتے تھے، انھوں نے ۴۸۹ھ میں حج کیا تو مکہ ومدینہ میں بھی املا کیا، بصرہ میں وہ عباسیوں کے نقیب تھے، پھر بغداد چلے آئے اور دربار خلافت سے مختلف بادشاہوں کے پاس سفارت کی خدمت انجام دی، حنفی المذہب تھے، ۴۹۱ھ میں وفات پائی۔

عبدالرزاق صوفی غزنوی

رباط عتاب کے شیخ تھے، سالہا سال انھوں نے بے سروسامانی کے ساتھ اکیلے حج کیا، سو برس کی عمر میں وفات پائی، مرنے لگے تو بی بی نے کہا آج بڑی رسوائی کا سامنا ہے پوچھا اسکی وجہ؟ بی بی نے کہا کفن تک کے لئے بھی کچھ نہیں ہے، فرمایا اگر کفن کیلئے کچھ ہوتا جب ہی تو رسوائی ہوتی (کہ دنیا سے بیزاری کا دم بھرتے تھے اور گھر میں کچھ چھوڑ کے مرے ہیں) ۴۹۳ھ میں وفات پائی۔

عبدالملک بن محمد سامری

محدث تھے، اور بغداد کے دو شفاخانوں اور متعدد جامع مسجدوں کے نگراں تھے، بہت کثرت سے حج کیا کرتے تھے، خلیفہ بغداد کی طرف سے غلاف کعبہ پہونچانے، اور حرمین کی تعمیرات کا اہتمام ان کے سپرد تھا، نہایت صاحب خیر تھے، ۴۹۳ھ میں ان کی بھی وفات ہوئی۔

محمد بن ہبتہ اللہ ابونصر بندنیجی

امام ابواسحق شیرازی سے فقہ شافعی کی تحصیل کے بعد مکہ چلے گئے اور چالیس سال تک وہاں درس، افتاء اور روایت حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے اور ہر سال حج کی سعادت بھی حاصل کرتے تھے، نابینا تھے، ۴۹۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

احمد بن علی ابوبکر علثی

نوعمری میں دیواروں پر گچ کیا کرتے تھے، مگر ایسے محتاط تھے کہ تصویر بنانے سے انکار کر دیتے تھے، یہی ذریعۂ معاش تھا، کسی سے کچھ لیتے نہ تھے، پھر جو جائدادیں ان کو وراثت میں ملی تھیں انکو بیچ بیچ کر کام چلاتے تھے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، قاضی ابویعلی سے کچھ فقہ کا علم حاصل کیا اور انھیں سے حدیثیں بھی سنی تھیں، وہ جب حج کو جایا کرتے تھے تو مکہ معظمہ میں بزرگوں کے مزارات کی زیارت بھی کرتے تھے، جب حضرت فضیل کے مزار پر پہونچتے تھے تو مزار کے پہلو میں اپنی لاٹھی سے ایک خط کھینچکر کہتے تھے کہ خداوندا اسی جگہ! اللہ کی شان کہ جب ۵۰۳ھ میں حج کیلئے گئے تو دو دفعہ اونٹ سے گرے، مگر پھر بھی احرام باندھکر عرفات میں وقوف کیا اور اسی دن عرفات میں انتقال کر گئے، اسکے بعد انکی نعش مکہ لائی گئی اور اسکو بیت اللہ کا طواف کراکے حضرت فضیل کے پاس ٹھیک اسی جگہ جہاں وہ خط کھینچا کرتے تھے انکو دفن کیا گیا، جب انکے مرنیکی خبر بغداد پہونچی تو انکی غائبانہ نماز جنازہ (جو شافعیوں کے مذہب میں جائز ہے) پڑھنے کیلئے اس کثرت سے لوگ اکٹھا ہوئے کہ اگر وہ بغداد میں مرتے تو بھی اس سے بڑا مجمع نہ ہوتا۔

امام غزالی

محمد بن محمد نام تھا، احیاء العلوم انکی کتاب تمام آفاق میں مشہور ہے، پہلے درس و تدریس

ومناظرہ وتصنیف وتالیف میں برسوں مشغول رہے، اوران چیزوں میں وہ اپنے وقت کے یکتا مانے گئے، پھران مشاغل کو بالکلیہ ترک کرکے حج کیا اور حج سے فراغت کے بعد بیت المقدس میں مقیم ہوکر احیاء العلوم تصنیف کی اور آخر عمر تک مجاہدہ وتزکیہ نفس وتربیت مریدین کے سوا کسی دوسری چیز کی طرف ملتفت نہیں ہوئے، ۵۰۵ھ میں وفات پائی، آپ کی مستقل سوانح عمری چھپ چکی ہے، تطویل کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

امیر الحاج یمن بن عبداللہ

خلیفہ مستظہر باللہ کا خادم تھا، چونکہ نہایت خوش تدبیر وصائب الرائے وروشن دماغ تھا، اس لئے ترقی کرکے بڑے اونچے عہدوں پر پہونچ گیا، یہاں تک کہ حجاج کی امارت وقیادت بھی اسکو سپرد کی گئی، اس نے ۴۸۹ھ وغیرہ میں حج کیا، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے اسکی قیادت میں حج کیا وہ اسکے شکر گذار تھے، (ابن کثیر ص۱۵۷ ج۱۲ وص۱۸۲ ج۱۲ وابن الجوزی)

اس نے حدیثوں کی سماعت بھی کی تھی، جب وہ خلیفہ کے سفیر کی حیثیت سے اصفہان گیا تو وہاں حدیثوں کی روایت بھی کی، اصفہان ہی میں ۵۱۱ھ میں اس نے وفات بھی پائی۔

قرۃ العین ارجوان

ایک ارمنی لونڈی تھی، حرم خلافت میں داخل ہونے کے بعد اسکے بطن سے مقتدی باللہ پیدا ہوا، اس نے اپنے بیٹے مقتدی، پوتے مستظہر اور پڑپوتے مسترشد تینوں کو تخت خلافت کا وارث ہوتے ہوئے دیکھا، اور مسترشد کے ایک بچہ کو بھی اس نے دیکھنے کے بعد آنکھ بند کی، وہ بہت نیک سلوک اور خیر خیرات کرنے والی خاتون تھی۔

اس نے تین حج بھی کئے تھے، ۵۱۲ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

نورالہدیٰ ابوطالب زینبیؒ

حسین بن محمد نام اور نورالہدیٰ لقب تھا، طراد زینبی کے بھائی اور نظام الحضرتین کے لڑکے تھے اور طراد سے پہلے عباسیوں کے نقیب تھے، بہت سے محدثین سے حدیث کی سماعت کی تھی، بغداد میں کریمہ مروزیہ (جنکا ذکر پہلے آچکا ہے) سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے تنہا یہی تھے، ابوعبداللہ دامغانی کی خدمت میں فقہ حنفی کی تحصیل کی تھی، اور اس میں اتنا کمال پیدا کیا تھا کہ انکے زمانہ میں حنفیہ کی ریاست ان پر ختم تھی، بہت دنوں تک مشہد ابی حنیفہ میں درس و افتا کی خدمت انجام دی، اور وہاں کے اوقاف کے نگراں رہے، ۴۵۵ھ میں انھوں نے امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور مکہ میں مجاور ہو گئے (ابن کثیر ص ۹۴/۱۲) اور اسی زمانہ قیام مکہ میں انھوں نے کریمہ مروزیہ سے صحیح بخاری سنی اور اس کی سند لی، نورالہدیٰ کا بیان ہے کہ کریمہ سے صحیح بخاری کا سماع میں نے اس قصد سے نہیں کیا تھا کہ میں اسکی روایت کروں گا اور لوگوں کو سناؤں گا، اور چونکہ سماع بخاری میں مختلف ملکوں کے بیشمار لوگ شریک تھے اس لئے یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ سب مر جائیں گے اور تنہا میرے اوپر اسکی روایت کا دار و مدار رہ جائیگا۔

لیکن چونکہ میں حرم شریف میں درس دیتا تھا اس لئے کریمہ کے حلقہ سماع کی طرف سے میرا گذر ہوتا تھا، تو میں بھی بیٹھ کے سن لیتا تھا، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ سارے سننے والے یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے اور مجھ کو اللہ نے لمبی زندگی عطا کی، لہٰذا سب کا مرجوعہ میری طرف ہو گیا، کچھ دنوں کے بعد بغداد آگئے، اور پھر ۴۶۷ھ میں امیر حج ہو کر مکہ گئے، اور حج کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خلیفہ مقتدی کیلئے اہل حرمین سے بیعت لی، (ابن کثیر ص ۱۱۲/۱۲)

قرشی نے لکھا ہے کہ ساٹھ سال بلکہ زیادہ سے خلیفہ بغداد کے زیر سرپرستی بغداد سے حجاج کے قافلہ کی روانگی بند تھی، اس سال ابوطالب کی سرکردگی میں قافلہ گیا،

۵۱۲ھ میں بانوے سال کی عمر میں انتقال کیا، نورالہدیٰ نے صحیح بخاری کی سند کریمہ

مروزیہ سے (جو مکہ میں مجاور تھیں)، حاصل کی تھی، اور اسی سند سے انھوں نے کئی بار صحیح بخاری سنائی۔
(شذرات)

حسین بن علی لامشی

سمرقند کے فقیہ و محدث تھے، قوت مناظرہ میں ضرب المثل تھے، نہایت دیندار اور سلف صالحین کی روش پر تھے، امر بالمعروف کا بڑا اہتمام تھا۔ ایک بار ماوراء النہر کے بادشاہ کے سفیر بنکر دار الخلافت آئے تو کسی نے کہا (موقع تو اچھا ہے) اس سال حج کیوں نہ کر لیجئے تو فرمایا کہ میں حج کو ان لوگوں کی سفارت کا تابع نہ بناؤں گا، اسکے بعد وطن پہونچکر اسی سال رمضان ۵۲۲ھ میں انتقال کر گئے (ابن کثیر) قرشی نے انکا ذکر طبقات حنفیہ میں کیا ہے۔

محمد بن علی مقدم الحاج

ہمدان کے رہنے والے تھے، بہت کثرت سے حج کئے تھے، قرآن پاک نہایت خوش آوازی سے پڑھتے تھے، ہر سال ایک دفعہ ایک رات میں پورا قرآن روضہ شریف میں کھڑے ہوکر ختم کرتے تھے، ۵۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی (ابن الجوزی)

احمد بن محمد ابو العباس خراسانی

واعظ و صوفی تھے، حدیثیں بھی سنی تھیں، مکہ میں سعد زنجانی سے بھی انکو سماع حدیث حاصل تھا، انھوں نے پانچ حج کئے تھے اور بہت دنوں تک مکہ میں مجاورت بھی کی تھی۔
۵۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا (ابن الجوزی)

سہل بن محمود برانی

فقیہ و محدث تھے کثرت سے حدیثیں سنی تھیں، ایک قافلہ کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے

راستہ میں بدوؤں نے لوٹ لیا، اب کسی کے بدن پر کپڑے تھے نہ پاؤں میں جوتے، کسی کسی مصیبت سے مکہ پہونچے تو وہاں ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا یہ مکہ میں مقیم ہو گئے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد یمن آئے اور وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر کرمان اور کرمان سے خراسان پہونچے، بڑے فاضل مناظر اور واعظ تھے، امامت کا درجہ ان کو حاصل تھا، سخت عبادت گذار تھے، ۵۲۴ھ میں وفات پائی۔

مُحمَّدؒ بن عُمر ابو بکر حنفی بُخاریؒ

ان کا عرف کاک تھا، طلب علم کے سلسلہ میں بہت سے شہروں کی سیاحت کے بعد سمرقند میں سکونت اختیار کی پھر حجاز گئے اور مکہ و مدینہ میں حدیث کی اشاعت کی، نہایت کثیر الروایۃ محدث تھے اور بڑے فاضل ادیب بھی تھے ۵۲۵ھ میں انکی وفات ہوئی (ابن جوزی)

مُحمَّد بن علی ابو رشید شافعیؒ

گوشہ نشین زاہد تھے، جب حج کے لئے گئے تو ایک مدت تک مکہ میں قیام کر کے حدیثیں جمع کیں اور معمولی طور پر روایت بھی کی۔ غالباً واپسی میں تجار کے ایک قافلہ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے، ایک جزیرہ کے پاس پہونچے تو کشتی سے اتر گئے اور ساتھیوں سے کہا کہ میں یہیں اقامت کروں گا، ان لوگوں نے ساتھ چلنے کیلئے بہت کہا مگر وہ راضی نہ ہوئے تو مجبوراً کشتی آگے بڑھائی تھوڑی دور جانے کے بعد ہوا کا رخ بدل گیا اور کشتی لوٹ کر پھر اسی جزیرہ کے پاس آگئی، ساتھیوں نے دوبارہ اصرار کیا لیکن وہ اب بھی آمادہ نہ ہوئے تو ان کو چھوڑ کر کشتی آگے بڑھائی، اس دفعہ بھی وہی قصہ ہوا اسی طرح تین بار ہوا تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہماری ہلاکت کے درپے کیوں ہیں، ہمارے ساتھ دربند تک چلئے جب وہاں سے واپسی ہو گی تو ہم آپکو یہاں لاکر چھوڑ دیں گے، چنانچہ وہ راضی ہوئے اور دربند میں کچھ دن قیام کرنے

کے بعد واپسی میں ساتھیوں نے ان کو اسی جزیرہ میں چھوڑ دیا، یہ وہاں دو سال رہنے کے بعد آمل آئے اور تا زندگی وہیں مقیم رہے ۵۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی (ابن جوزی)
ابن کثیر نے ان کا ذکر محمد بن عبد الواحد کے عنوان سے کیا ہے۔

محمد بن الفضل فراوی

مشہور محدث ہیں، اسکے علاوہ فقیہ و مفتی اور مناظر و واعظ بھی تھے، بہت ملنسار ہنس مکھ اور سخی تھے، بڑھاپے کے باوجود حدیث کے غریب الوطن طلبہ کی خدمت خود کرتے تھے ایک ہزار سے زائد مجلسوں میں حدیث کا املار کیا، تقریباً بیس دفعہ لوگوں کو صحیح مسلم سنائی، رمضان ۵۳۰ھ میں لوگوں کا اصرار ہوا کہ امام مسلم کے مزار پر چل کر صحیح مسلم کی قرارت ختم کیجئے، فراوی نے اس پر عمل کیا، اور ختم کے بعد اتنا روئے کہ دوسروں کو بھی رلا دیا، اسکے بعد فرمایا کہ شاید اسکے بعد یہ کتاب میرے پاس نہ پڑھی جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، اسی سال ماہ شوال میں انکا انتقال ہوگیا للفراوی الف راوی کا لطیفہ انھیں کے حق میں مشہور ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فراوی کے ہزار راوی (شاگرد) ہیں۔ فراوی جب حج کیلئے نکلے تھے تو بغداد میں ابو نصر زینبی اور عاصم سے حدیثیں سنی تھیں، اور مدینہ منورہ میں سماع حدیث انکا شغل تھا (ابن جوزی و ابن کثیر)

کمال الدین حمزہ بن طلحہ ابو الفتوح

شاہی خزانہ کے نگراں تھے، اس لئے صاحب المخزن کہے جاتے تھے، انھوں نے بغداد میں مدرسہ کمالیہ تعمیر کرایا، جو ۵۳۵ھ میں بنکر تیار ہوا، اور شیخ ابو الحسن علی نے سب سے پہلے اس میں درس دیا، انھوں نے ۵۳۶ھ میں حج کیا، اور وہیں سے زاہدانہ زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر کے لوٹے اور اپنے منصب سے دستکش ہو گئے، بیس برس تک خانہ نشین رہے، اس گوشہ نشینی کے زمانہ میں بھی انکی بڑی عزت تھی، امرائے دولت انکے پاس حاضری دیتے تھے ۵۵۶ھ میں انکی وفات ہوئی۔
(ابن جوزی)

امام زمخشری

محمود بن عمر نام تھا، تفسیر میں ان کی کتاب کشاف اور نحو میں مفصل عالمگیر شہرت رکھتی ہے نحو ادب ولغت کے امام تھے، حدیث وتفسیر وفقہ میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، فروع میں حنفی المذہب تھے، مگر عقیدۃً معتزلی تھے، ان کے بے نظیر علمی کمالات کے ساتھ یہ ایک ایسا بدنما داغ تھا کہ ان کی قدر ومنزلت گھٹا دی، وہ مدتوں مکہ معظمہ میں مقیم رہے، اسی لئے جار اللہ کے لقب سے مشہور ہیں، حافظ ابوطاہر سلفی نے ان کے زمانۂ قیام مکہ میں حجاج کے ہاتھ دوبار خط لکھکر حدیث کی اجازت طلب کی،

زمخشری حج کے ارادہ سے چل کر جب بغداد پہونچے تو امالی ابن الشجری کے مصنف اور نحو ولغت کے امام ابوالسعادات علوی ان کی قیامگاہ پر ملنے کیلئے آئے، جب بیٹھے تو ابن الشجری نے متنبی کا یہ شعر پڑھا

واستکبر الاخبار قبل لقائہ فلما التقینا صغر الخبر الخبر

میں اسکی ملاقات پہلے لوگوں کے بیانات مبالغہ آمیز سمجھتا تھا، لیکن جب ملاقات ہوئی تو مشاہدے نے بیانات کو کمتر ٹھہرایا

اس کے بعد ابن الشجری نے یہ شعر پڑھے

کانت مُساءلۃ الرکبان تخبرنی عن جعفر بن فلاح احسن الخبر

حتی التقینا فلا واللہ ما سمعت اذنی بالحیب مما قد رأی بصری

زمخشری نے سنکر کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب زید الخیل آئے تو آنحضرت نے فرمایا کہ زید! جس کسی کو لوگوں نے بحالت کفر دیکھکر اسکی تعریف مبالغہ سے کی جب وہ مسلمان ہوکر میرے سامنے آیا تو میں نے اسکو اس سے کمتر پایا جتنا لوگوں نے بیان کیا، بس ایک تم البتہ مستثنیٰ ہو۔

راوی کہتا ہے، یہ ماجرا دیکھکر ہمکو حیرت ہوئی کہ ایک عربی سید (ابن الشجری) شعر سے سند پکڑتا ہے اور ایک عجمی (زمخشری) حدیث رسول سے! — زمخشری کی وفات ۵۳۸ھ میں ہوئی -

احمد بن محمد ابو سعد بغدادی اصفہانی

کثیر الروایت محدث تھے، صحیح العقیدہ، شیریں خصلت اور سلف صالحین کی روش پر تھے، مزاج میں بے تکلفی تھی، سر پر صرف ٹوپی دیئے ہوئے بازار نکل جاتے تھے، گھر میں صرف تہمد باندھے ہوئے لوگوں سے ملتے،

سنت کی پابندی کا ان کو بہت اہتمام تھا، ایک دفعہ حج سے واپس ہوئے تو اصفہان کے شہریوں نے انکا استقبال کیا، یہ انکے ساتھ ساتھ معمولی چال سے چلتے رہے، جب شہر قریب آیا تو گھوڑے کو ایک ایڑ لگائی اور لوگوں سے آگے ہو گئے، لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ سفر سے واپسی میں جب مدینہ کی دیواریں نظر آنے لگتی تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو تیز کر دیتے تھے۔

انھوں نے گیارہ حج کئے تھے، اور مکہ و مدینہ میں حدیث کا املا کیا تھا، گرمی کے دنوں میں نفلی روزے رکھتے تھے، بغداد کئی دفعہ آئے، اور جب آتے تو جانے کے وقت اہل بغداد سے یہ ضرور کہتے کہ میرا ارادہ پھر آنے کا ہے، اور میں مایوس نہیں ہوں، ۵۳۹ھ میں انھوں نے آخری حج کیا حج سے واپسی میں نہاوند پہونچکر انکا انتقال ہو گیا، ابن جوزی نے انکے محاسن اخلاق کو بہت سراہا ہے۔ (ابن جوزی و ابن کثیر)

شیخ الاسلام قوام السنہ حافظ ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد تیمی

آپ اپنے زمانہ کے استاذ العلما اور امام الائمہ تھے، بغدادی ائمہ کا قول ہے کہ امام احمد کے بعد حافظ ابو القاسم سے بڑا حافظ حدیث بغداد میں وارد نہیں ہوا، علم حدیث کے سوا تفسیر، فقہ اور عربیت میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، ساڑھے تین ہزار مجلسوں میں انھوں نے احادیث اور احادیث کی شرح و تفسیر کا املا کیا ہے، اس علم کے ساتھ صلاح و تقویٰ میں بھی ضرب المثل تھے،

بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے، انکی ایک نفیس تصنیف سیر السلف ہے جس کا ناچیز نے مطالعہ کیا ہے، اور اس کتاب کی پہلی جلد میں اس سے استفادہ بھی کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے کتب خانہ میں تھا، جواب علی گڈھ میں ہے۔

حافظ ابو القاسم نے ایک سال مکہ میں مجاورت کی ہے، آپکی وفات ۵۳۵ھ میں ہوئی (تذکرہ)

زرین بن معاویہ عبدری

مشہور محدث ہیں، مشکوٰۃ کا ہر طالب علم ان کے نام سے واقف ہے، اندلس وطن تھا، مگر وہاں سے منتقل ہو کر مکہ میں مجاور ہو گئے تھے، اور مدت دراز تک مکہ ہی میں رہے، ابو ذر ہروی کے فرزند ابو مکتوم سے صحیح بخاری کی اور حسین طبری سے صحیح مسلم کی سند لی تھی، تجرید الصحاح (یا بقول ذہبی جامع الصحاح) کے مصنف ہیں، ان کی یہ کتاب رامپور کے کتب خانہ میں میں نے دیکھی ہے، ان کی وفات بھی ۵۳۵ھ میں ہوئی۔

مسند الدنیا قاضی ابو بکر محمد بن عبد الباقی حنبلی

درس و اشاعت حدیث کے لحاظ سے انکا وہ درجہ تھا کہ ذہبی نے انکو مسند الدنیا کے لقب سے یاد کیا ہے، حدیث کے علاوہ کم کوئی فن ہو گا جس میں انکو دخل نہ رہا ہو، سمعانی کا قول ہے ما رأیت اجمع للفنون منه (میں نے تمام فنون کا جامع ان سے بڑھکر نہ پایا)

ایک دفعہ رومیوں نے انکو پکڑ کر قید کر لیا، اور انکے پیروں میں بیڑی اور گلے میں لوہے کا طوق ڈالکر ان سے کہا کہ حضرت مسیح کو ابن اللہ کہو، پانچ مہینہ تک انکی قید میں اسی تکلیف کیساتھ رہے مگر مسیح کو ابن اللہ نہیں کہا، اسی زمانہ میں انھوں نے رومی خط میں لکھنا سیکھا، ابن ناصر محدث کا قول ہے کہ وہ اپنے علوم کا کوئی ایسا وارث چھوڑ کر نہیں گئے جو ان کی جگہ لے سکے۔

قاضی موصوف کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ مکہ میں مجاور تھا، ایک دن فاقہ کی سخت

تکلیف تھی اور منہ میں ڈالنے کی کوئی چیز نہ تھی کہ اتفاق سے ایک ریشمی تھیلی جو ریشمی ہی بندھن سے بندھی ہوئی راستہ میں مجھے ملی، گھر لاکر اسے کھولا تو اس میں موتیوں کا ایسا لاجواب ہار تھا جس کی مثال میں نے نہیں دیکھی۔ اسکے بعد مجھے بازار جانے کا اتفاق ہوا تو دیکھا ایک بڈھا منادی کر رہا ہے کہ کسی کو ریشم کی ایسی ایسی تھیلی ملی ہو تو دیدے اسکو پانچسو دینار انعام دیئے جائینگے اس وقت میں نے جی میں کہا میں حاجتمند بھی ہوں بھوکا بھی ہوں تھیلی واپس کر کے ان دیناروں سے میں فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں، چنانچہ میں نے اس سے کہا میرے ساتھ آؤ، وہ میرے ساتھ ہو گیا، گھر پہونچکر میں نے تھیلی، بندھن اور موتیوں کی پہچان اور تعداد وغیرہ پوچھکر پورا اطمینان حاصل کیا اور تھیلی اسکے حوالہ کر دی، اسکے بعد اس نے حسب وعدہ پانچسو دینار مجھے دینے چاہے مگر میں نے یہ کہکر لینے سے انکار کر دیا، کہ یہ لقطہ ہے، اور لقطہ بلا معاوضہ مالک کو دینا واجب ہے، میں اسکا کوئی بدلہ نہ لونگا، اس نے بہت اصرار کیا مگر میں نے نہیں لیا۔ ناچار وہ چلا گیا، اسکے بعد میں مکہ سے روانہ ہو کر واپسی کے ارادہ سے کشتی میں سوار ہوا، اتفاق سے کشتی شکستہ ہو گئی اور تمام مسافر اور انکا مال و اسباب ڈوب گیا، صرف مجھکو اللہ نے بچالیا، کشتی کے ایک تختہ پر مدتوں میں دریا میں رہا، یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں، جاتے جاتے ایک جزیرہ کے پاس پہونچا، اس میں آبادی تھی، میں دریا سے نکلکر ایک مسجد میں جاکر قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا، اب جو آتا تھا وہ کہتا تھا مجھکو قرآن پڑھا دیجئے، میں نے بہتوں کو پڑھایا۔ اور انھوں نے مجھکو بہت کچھ دیا۔ پھر ایک جگہ مجھے قرآن پاک کے کچھ اوراق نظر پڑے تو میں نے ان کو اٹھالیا، لوگوں نے پوچھا تم لکھنا بھی جانتے ہو، میں نے کہا ہاں! تو وہ لوگ اپنے بچوں اور جوانوں کو میرے پاس لائے کہ ان کو لکھنا سکھا دیجئے، میں نے انکو لکھنا سکھایا، اور اس عنوان سے بھی مجھے بہت زیادہ یافت ہوئی، اسکے بعد لوگوں نے کہا یہاں ایک لڑکی ہے اور اس کے پاس کافی مال و دولت ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ اس سے نکاح کرلیں، پہلے میں نے انکار کیا لیکن جب انھوں نے مجبور کیا تو میں نے نکاح کرلیا۔ نکاح کے بعد جب وہ لڑکی میرے سامنے آئی اور میں نے اسکی طرف نگاہ اٹھائی تو وہی ہار جو مکہ میں ملا تھا اسکے گلے میں دیکھکر میری حیرت کی

کوئی انتہا نہ رہی، میں ٹکٹکی باندھکر اسکو دیرتک دیکھتا رہا تو لوگوں نے کہا حضرت! آپنے اس لڑکی کا دل توڑدیا، اسکو دیکھنے کے بجائے آپ گلے کا ہار دیکھ رہے ہیں، تو میں نے سارا قصہ سنایا، قصہ سنکر ان لوگوں نے تہلیل و تکبیر کے نعرے لگانے شروع کئے جس سے ساری آبادی کو خبر ہوگئی، لوگوں نے مجھکو بتایا کہ وہ بڈھا جس نے آپ سے ہار لیا وہ اسی لڑکی کا باپ تھا، اور وہ کہتا تھا کہ جس مسلمان نے یہ ہار پاکر واپس کیا ویسا کوئی دوسرا مسلمان دنیا میں نہیں ہے، وہ دعا کرتا تھا کہ وہ مجھے ملجائے تو اپنی یہ لڑکی اسکو بیاہ دوں، آج اللہ نے اسکی دعا کو شرف اجابت بخشا۔

قاضی موصوف فرماتے تھے کہ وہ عورت میرے پاس کئی سال رہی اسکے دو بچے ہوئے، اسکے بعد مرگئی، اور بچے اس ہار کے وارث ہوئے، اتفاق سے بعد میں وہ دونوں بچے بھی قضا کر گئے اور میں اس ہار کا وارث ہوا، آج میرے پاس جو مال و دولت ہے، اسی ہار کی بدولت ہے۔

اس واقعہ کو حافظ ابن رجب محدث کی طبقات کے حوالہ سے صاحب شذرات الذہب نے نقل کیا ہے (شذرات ج۴ ص۱۰۹)

ابن مندہ

حافظ ابوزکریا یحیٰی بن عبدالوہاب فن حدیث کے مشہور امام ہیں، حافظ ابوالقاسم اسمٰعیل تیمی، شیخ عبدالقادر جیلانی، ابن ناصر اور ابومنصور خیاط وغیرہ اکابر محدثین نے ان سے حدیثوں کی سماعت کی ہے، وہ اپنے بڑھاپے میں حج کے لئے نکلے اور بغداد میں پہنچے تو وہاں حدیثوں کا املا کیا، ان کی وفات ۵۱۱ھ میں ہوئی (شذرات)

مظفر بن علی وزیر

اسکے باپ اور دادا وزیر تھے اور خود بھی خلیفہ عباسی مقتفی کا وزیر تھا، علم سے بھی اسکو لگاؤ تھا، حدیثوں کی سماعت کی تھی اور روایت بھی کی تھی۔ اس نے ۵۴۱ھ میں حج کیا تھا، اسی سال محدث ابن الجوزی نے بھی اپنی بیوی بچوں سمیت حج کیا تھا، ان کا بیان ہے کہ میں نے مکہ کے راستے میں

وزیر کو خاکسار و متواضع پایا، ابو نصر کرخی وزیر کیساتھ سوار تھے (ابن جوزی صفحہ ۱۳۰) اس وزیر کی وفات ۵۴۹ھ میں ہوئی۔

ابو المعالی عبدالملک بن ابی نصر جیلی

فقیہ و عالم باعمل اور نہایت صالح و عبادتگذار تھے، ان کے پاس رہنے کا گھر نہیں تھا، جہاں اتفاق ہوتا وہیں رات گذار لیتے، دجلہ کے کنارے غیر آباد مقامات کی مسجدوں میں رہا کرتے تھے ۵۴۵ھ میں حج کیلئے روانہ ہوئے راستہ میں بدووں نے قافلہ کو لوٹ لیا، مجبوراً یہ فید آئے اور وہیں انکی وفات ہوئی، فید کے لوگ انکے زہد و تقویٰ کے بڑے مداح تھے، اسی سال سلطان مسعود کی ہمشیرہ خاتون بھی حجاج کے قافلہ میں تھیں، ان کا دولاکھ دینار کا مال و اسباب بدووں نے لوٹ لیا (شذرات صفحہ ۱۳۹)

ابو الفتح بن ابی القاسم کروخی

عبدالملک بن عبداللہ نام تھا، جامع ترمذی کی اسناد روایت انکے واسطہ سے امام ترمذی تک پہونچتی ہے، ابن الجوزی نے ان سے ترمذی کی سماعت کی ہے، بہت صالح اور مخلص تھے، ایک دفعہ بغداد میں بیمار ہوگئے اور کسی شاگرد نے علاج کیلئے کچھ دینا چاہا تو یہ کہکر لینے سے انکار کر دیا کہ اب جبکہ ستر برس کی عمر ہو چکی اور موت کا وقت قریب آپہونچا ہے حدیث رسول سنانے کی اجرت لوں گا، جامع ترمذی کی کتابت کرتے تھے اور اسکو فروخت کرکے اپنے اخراجات پورے کرتے تھے ترمذی کا ایک نسخہ لکھکر وقف بھی کیا، بغداد سے مکہ جاکر مجاور ہوگئے اور ۵۴۸ھ میں بماہ ذی الحجہ مکہ سے حجاج کی روانگی کے تین دن بعد انتقال فرما گئے (ابن جوزی)

محمد بن یحییٰ زبیدی

نحوی و ادیب تھے، ۵۰۰ھ میں بغداد آئے، اور وعظ کہا، فاقہ مست تھے مگر کسی سے اپنا حال ظاہر نہیں کرتے تھے، ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں صبح سے ظہر تک ایکدن انکے پاس بیٹھا رہا

وہ منہ میں کچھ لئے ہوئے چباتے رہے، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو فرمایا کہ خرما کی ایک گٹھلی ہے اس سے دل بہلا رہا ہوں، حق بات کہنے میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، ایک وزیر کو خلعتِ وزارت عطا ہوئی اور لوگ مبارکباد کے لئے پہونچے تو انھوں نے کہا کہ یہ تعزیت کا دن ہے یا تہنیت کا، کسی نے کہا اسکا کیا مطلب تو فرمایا کہ بھلا ریشمی پوشاک پہننے پر مبارکباد دینا چاہیئے، خود ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں تن تنہا مدینہ منورہ جارہا تھا ایک پہاڑ کے دامن میں پہونچا تو رات ہوگئی، میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور پکار کر کہا کہ خدایا آج میں تیرا مہمان ہوں۔ پھر پہاڑ سے اتر کر ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ رہا تو میں نے ایک منادی کو یہ آواز دیتے سنا کہ مرحبا اے اللہ کے مہمان! تم دن نکلتے وقت ایک کنویں پر پہونچو گے وہاں کچھ لوگ روٹی اور کھجوریں کھارہے ہونگے، تم سے کھانے کو کہیں تو قبول کر لینا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سورج نکلنے کے وقت ایک کنویں پر میں پہونچا وہاں واقعی روٹی اور کھجوریں کچھ لوگ کھارہے تھے ان لوگوں نے مجھے بھی بلایا اور میں نے ان کے ساتھ کھالیا، زبیدی کی وفات ۵۵۵ھ میں ہوئی۔

یحییٰ بن جعفر

خلیفہ عباسی المقتفی کے عہد میں خزانہ کے نگراں تھے، پھر مستنجد و مستضئ نے بھی اس عہدہ پر انکو برقرار رکھا لیکن مستضئ کے زمانہ میں جب کرسی وزارت خالی ہوئی تو خلیفہ نے دربار میں انکو اپنا نائب مقرر کرلیا، ان عہدوں پر وہ بیس برس رہے، قرآن پاک کے حافظ تھے، حدیثیں بھی سنی تھیں، انھوں نے بکثرت حج کئے تھے، ۵۷۰ھ میں انکی وفات ہوئی (ابن جوزی)

ملکہ زمرد خاتون

بوری بن طغتگین حاکم دمشق کی بیوی تھی، قرآن پاک پڑھے ہوئے تھی، حدیثیں بھی سنی تھیں، حنفی مذہب کی پابند تھی علما و صلحا کی محب و معتقد تھی، بوری کے بعد نورالدین شہید کے والد زنگی حاکم حلب نے اس سے نکاح کرلیا تھا، زنگی کی وفات کے بعد وہ دمشق چلی آئی، اسکے بعد

بغداد گئی اور وہاں سے حجاز پہونچکر ایک سال مکہ میں مجاور رہی پھر آکر مدینہ میں مقیم ہوگئی اور آخر دم تک وہیں رہی اور وہیں پیوند خاک ہوئی،

آخر آخر میں اسکے پاس جو کچھ تھا ختم ہوگیا تو لوگوں کے گیہوں اور جو لیکر پھٹکتی اور آٹا پیستی تھی، اور اسی پر اسکی گذر اوقات ہوتی تھی، ابن کثیر نے کہا کہ یہ اس کی سعادت کی تکمیل اور حسن خاتمہ کی دلیل ہے، ۵۵۷ھ میں اسکا انتقال مدینہ میں ہوا۔

ملکہ خاتون عصمت الدین

نائب دمشق معین الدین کی صاحبزادی اور سلطان شہید نورالدین بن زنگی رحمۃ اللہ کی حرم اور منکوحہ بیوی تھیں، نورالدین شہید کے بعد سلطان صلاح الدین نے ان سے نکاح کرلیا تھا نہایت خوبصورت اور پاکدامن تھیں، اور بے حد خیرات کرتی تھیں، دمشق میں مدرسہ خاتونیہ جوانیہ اور خانقاہ خاتون انھیں کے اوقاف میں شامل ہے، اسکے علاوہ ان کے بہت اوقاف ہیں۔

ملکہ عصمت الدین خاتون صندل خادم کی نگرانی میں خدم وحشم کے ساتھ شوال ۵۶۳ھ میں حج کے ارادہ سے وارد بغداد ہوئیں، اور وہاں خلافت عباسیہ کی طرف سے انکا شاہانہ اکرام ہوا، پھر وہاں سے روانہ ہوکر اسی سال انھوں نے حج کی سعادت حاصل کی (ابن کثیر ص ۲۵۴/۱۲)

یہ خاتون اپنے شوہر سلطان نورالدین کی طرح نماز تہجد کی بڑی پابند تھیں، ایک رات ایسی نیند آئی کہ صبح سے پہلے آنکھ نہیں کھل سکی، اسدن وہ نہایت غصہ میں تھیں سلطان نے سبب پوچھا تو انھوں نے تہجد کے فوت ہونے کا قصہ بیان کیا، اسدن سے سلطان نے قلعہ میں سحر کو وقت جگانے کیلئے طبل بجانے کا حکم دیدیا (ابن کثیر ص ۲۷۹/۱۲) انکی وفات ۵۸۱ھ میں ہوئی۔

شیخ البلاغہ قاضی فاضل

عبدالرحیم بن علی عسقلانی ثم المصری سلطان صلاح الدین ایوبی کے کاتب تھے، انکی بلاغت

وانشاپردازی ضرب المثل ہے سلطان مذکور کے دربار میں ان سے زیادہ کوئی مقبول و محترم نہیں تھا، انکی سالانہ آمدنی پچاس ہزار دینار تھی، لیکن اس ثروت کے باوجود وہ نہایت عفیف و تہجد گذار تھے، کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، دنیاوی لذتوں سے دلچسپی انکو نہ تھی، علم کا ایسا شوق اور کتابوں سے ایسا عشق تھا کہ متعدد کاتب اور جلد ساز ان کے یہاں ملازم تھے جو ہمہ وقت کتابت اور جلد سازی کرتے رہتے تھے، وفات سے بیس سال پہلے ان کے کتب خانہ کے ملازم نے بتایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کتابیں ان کے کتب خانہ میں ہیں، صرف حماسہ کے ۳۵ نسخے ان کے پاس مختلف خوشنویسوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔

سلطان صلاح الدین فرماتے تھے کہ میں نے کثرت افواج سے ملکوں کو فتح نہیں کیا، بلکہ قاضی فاضل کے زور کلام سے فتح کیا۔ ان کے اشعار کی تعداد دو لاکھ پچاس ہزار ہے، قاضی فاضل نے متعدد حج کئے تھے، ازانجملہ ۵۸۰ھ میں انھوں نے دمشق سے حج کیا اور حج کرکے مصر گئے تو راستہ میں بڑی تکلیف اٹھائی، اور اس سے پہلے ۵۷۴ھ میں مصر سے حج کیا تھا اور حج کے بعد دمشق آئے تھے تو اسکے مقابل میں کچھ بھی تکلیف نہیں ہوئی۔

ایکبار وہ مصر سے حج کیلئے چلے تو ان کا گذر ان زرخیز زمینوں کی طرف سے ہوا جو ان کی ملک میں تھیں اور بہت بڑی رقم کے عوض اجارہ پر دیدی جاتی تھیں، وہاں پہونچکر وہ رکے اور رک کر کہا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ یہ زمین مجھے اپنی مملوکہ اشیاء میں سب سے زیادہ محبوب ہے تو اے خدا میں تجھکو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے اسکو مسلمان قیدیوں کی رہائی کیلئے وقف کردیا۔

قاضی فاضل کی وفات ۵۹۶ھ میں ہوئی (شذرات وابن کثیر)

مُبارک بن علی ابو محمد بن الطبّاخ

بغداد وطن تھا، مگر مکہ میں مقیم و مجاور ہو گئے تھے، اس وقت میں مکہ کے حافظ حدیث اور حنبلیوں کے امام وہی تھے، مقامی و آفاقی لوگ حدیث کا استفادہ انھیں سے کرتے تھے،

۵۶۵ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی، سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ وہ چالیس برس مکہ میں رہے حطیم میں امامت کرتے تھے، سوائے حرم کے دوسری جگہ دکھائی نہ دیتے تھے، روزانہ عمرہ کرتے تھے اور اس طرح عبادت کرتے تھے کہ کوئی ان کو دیکھ نہ پاتا تھا (مرآۃ)

ملک معظم تُوران شاہ

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بڑے بھائی تھے، نہایت بہادر و بارعب تھے، ساتھ ہی بڑے فیاض بھی تھے، انکا خرچ بڑا لمبا تھا، صلاح الدین کی نیابت میں ایک مدت تک دمشق کے حاکم رہے، پھر مصر چلے گئے تو سلطان نے انکو اسکندریہ کی حکومت تفویض کی مگر وہاں کی آب و ہوا انکو راس نہ آئی بار بار درد قولنج کے دورے پڑتے تھے تا آنکہ ۵۷۶ھ میں انکا انتقال ہو گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے عہد میں یمن کی حکومت باطنیوں کے قبضہ میں تھی، عبد النبی نامی ایک باطنی ملحدین کا حاکم تھا وہ مہدویت کا مدعی اور باطنی دعوت میں بہت سرگرم تھا، صلاح الدین نے اسکی سرکوبی اور یمن کو باطنی اثرات سے پاک کرنے کے لئے توران شاہ کا انتخاب کیا، انھوں نے خوشی سے منظور کیا اور جب ۵۶۹ھ میں یمن پر فوج کشی کے ارادہ سے نکلے، پہلے مکہ معظمہ میں حاضری دی اور عمرہ کیا اسکے بعد زبید کا رخ کیا، جب فوج یمن میں داخل ہوئی تو عبد النبی نے نکل کر مقابلہ کیا، مگر اسکو ہزیمت ہوئی اور زندہ گرفتار کیا گیا اس کے بعد قتل کر دیا گیا، اور یمن بھی سلطان نور الدین شہید کے ممالک محروسہ میں داخل ہو گیا اور خلیفہ عباسی کے نام کا خطبہ وہاں بھی دیا جانے لگا۔

سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ جس وقت توران شاہ مکہ پہونچا تو امیر مکہ کعبہ کا دروازہ بند کر کے اور کنجیاں اپنے قبضہ میں کر کے جبل ابو قبیس پر جو قلعہ اس نے بنوایا تھا اس میں جا کر قلعہ بند ہو گیا، توران شاہ نے حرم میں داخل ہو کر طواف کیا اور طواف کی دو رکعتیں پڑھیں، اسکے بعد کعبہ کے دروازہ پر پہونچکر اس نے یوں دعا کی کہ اللہ اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ میں ان

بلاد میں تیرے بندوں کی خبر گیری اور ان کے اصلاح حال کیلئے آیا ہوں تو میرے لئے اس دروازہ کا کھلنا آسان کردے، اور اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ میں کسی دوسرے مقصد سے آیا ہوں تو تو اسکو نہ کھول، یہ کہکر اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر قفل کو ایک جھٹکا دیا، قفل کھل گیا، اور اس نے اندر جاکر نماز پڑھی اور دعائیں کیں

امیر مکہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ کنجیاں لئے ہوئے حاضر ہوا اور معذرت کی کہ میں ڈر گیا تھا اور اب میں آپ کا مطیع ہوں، یہ کنجیاں حاضر ہیں،

توران نے کہا کہ اگر میں کنجیاں لے لوں گا تو پھر دوں گا نہیں، اس نے کنجیاں نہیں لیں اور امیر مکہ کو اور اسکے آدمیوں کو خلعتیں دیکر دل خوش کیا اور یمن روانہ ہو گیا (مراٰۃ ج ۸ ص ۳)

شیخ الاسلام علامہ حافظ ابو طاہر سلفیؒ

احمد بن محمد نام اور اصفہان وطن تھا پہلے اپنے وطن کے شیوخ حدیث سے حدیثیں سنیں اسکے بعد ۴۹۳ھ میں طلب علم کیلئے گھر سے نکلے، اور دس بارہ برس تک بلاد خراسان و فارس و مصر و شام و حجاز وغیرہ کی خاک چھانتے رہے اور اس طرح شہروں میں پھر کر اس قدر حدیثیں سنیں جو حد بیان سے باہر ہیں، اسی کے ساتھ علوم قرآن و فقہ و عربیۃ کی تحصیل اور مختلف کتابوں کی نہایت تیزی سے مگر صحیح کتابت بھی کرتے تھے، اسی سلسلہ میں حج و زیارت کی سعادت بھی حاصل کی، مکہ میں انھوں نے حسین بن علی طبری سے اور مدینہ منورہ میں ابو الفرج قزوینی سے حدیثیں سنیں حافظ سلفی علم حدیث میں اپنے زمانہ میں سب سے بڑے ماہر، اور قوانین روایت کے سب سے بڑے عالم تھے، ان کو شیخ العلماء اور احفظ الحفاظ کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا، وہ حدیث پاک کا احترام بہت زیادہ کرتے تھے، جب حدیث سنانے کیلئے بیٹھتے تھے تو درمیان میں نہ پانی پیتے تھے، نہ تھوکتے تھے، نہ پاؤں پھیلاتے تھے، حالانکہ ان کی عمر سو برس کی ہو چکی تھی،

۵۱۱ھ میں حافظ سلفی نے اسکندریہ میں سکونت اختیار کرلی، مصر میں اس وقت

فاطمی (باطنی) حکومت تھی، اسکے باوجود حکومت ان کا احترام کرتی اور ان کا بڑا رعب تھا، ایک بار ان کی مجلس حدیث میں سلطان مصر بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کرنے کیلئے آیا، درمیان میں وہ اپنے بھائی سے باتیں کرنے لگا تو انھوں نے ڈانٹ کر کہا کہ ہم اس لئے حدیث نہیں پڑھ رہے ہیں کہ آپ لوگ باتیں کریں،

رات دن اپنے علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے، سیر و تفریح کو بھی نہیں نکلتے تھے، فرماتے تھے کہ میں ساٹھ برس سے اسکندریہ میں ہوں مگر اسکندریہ کا منارہ (جسکو دیکھنے کیلئے دور دور کے لوگ آتے ہیں) میں نے نہیں دیکھا، گھر کی کھڑکی سے نظر آنے کی اور بات ہے،

حافظ سلفی نے اپنے زمانہ قیام میں اپنے جوار کی بہت سی نامشروع باتوں کا ازالہ کیا، اس کا ان کو بہت اہتمام تھا، ۵۷۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسیؒ

محدثین کی اصطلاح میں جوال محدث تھے، طلب علم کے سلسلہ میں بکثرت سیر و سیاحت کی تھی، حدیث کے اتنے بڑے حافظ تھے کہ ابوالحسن کرجی شافعی کہتے تھے کہ روے زمین پر ان کی مثال نہیں تھی، سلفی نے ابن طاہر کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا تھا کہ میں نے صحیحین اور سنن ابوداؤد کو اجرت پر سات بار لکھا ہے اور ابن ماجہ کو دس بار، ابن طاہر یہ بھی کہتے تھے کہ حدیث کی تحصیل وطلب میں دوبار مجھے خون کا پیشاب ہوا۔ ایک دفعہ یہ واقعہ بغداد میں پیش آیا اور ایک دفعہ مکہ میں سخت گرمی کے دنوں میں ننگے پاؤں چل رہا تھا کہ یہ حادثہ پیش آیا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ طلب حدیث کی غرض سے میں کبھی کسی سواری پر سوار نہیں ہوا۔ کتابوں کا گٹھر پیٹھ پر لادے ہوئے پیدل راستہ طے کرتا تھا۔ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں کبھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ خدا نے ان کو اتنی طاقت عطا کی تھی کہ وہ دن رات میں بیس فرسخ (۶۰ میل) برابر چلتے تھے۔

ابن طاہر نے متعدد حج کئے ہیں، حافظ ابوالقاسم زنجانی کی حیات میں جب وہ مکہ گئے تھے تو انکی صحبت میں بہت رہتے تھے، اور ان سے علمی و روحانی استفادہ کرتے تھے، کہتے تھے کہ ایکبار میں انکی خدمت میں گیا اس دن ایک شیرازی شخص کی وجہ سے مجھے سخت کوفت تھی، میں نے جاتے ہی انکے ہاتھوں کو بوسہ دیا ابھی میں نے کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ انھوں نے فرمایا کہ اے ابوالفضل تمکو پریشان نہ ہونا چاہئے، ہمارے ملک (فارس) میں ایک مثل بولی جاتی ہے "بخل اہوازی وحماقت شیرازی و کثرت کلام رازی" - میرا خیال ہے کہ ابن طاہر کے مکہ آنے کا یہی پہلا موقع تھا اس لئے کہ خود ان کا بیان ہے کہ ٤٦٦ھ میں پہلی دفعہ سفر کر کے بغداد آیا پھر لوٹ کر بیت المقدس گیا اور وہیں سے حج کا احرام باندھکر مکہ گیا، ابن طاہر فرماتے ہیں کہ آغاز ٤٧٠ھ میں جب میں نے مکہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو ابوالقاسم سے رخصت ہونے اور آخری سلام کرنے کیلئے حاضر ہوا میرے ارادہ کی ان کو کوئی اطلاع نہ تھی مگر مجھے دیکھتے ہی فرمایا ؏

أَرَاحِلُونَ فَنَبْكِي أَمْ مُقِيمُونَا؟ کوچ کر رہے ہو تو ہم روئیں یا ٹھہرنے کا ارادہ ہے

میں نے عرض کیا جو آپ کا حکم ہو اس سے انحراف نہیں ہو سکتا، فرمایا جو تم نے ارادہ کر لیا ہو وہی بات ہونی چاہئے، میں نے کہا خراسان جاکر وہاں کے مشائخ حدیث سے استفادہ کا ارادہ ہے، فرمایا، سیدھے خراسان جاؤ گے تو کھٹک رہے گی کہ مصر چھوٹ گیا لہذا پہلے مصر جاؤ، وہاں سے عراق پھر خراسان، میں نے یوں ہی کیا اور اسی میں برکت نظر آئی - اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن طاہر نے ٤٦٩ھ میں حج کیا تھا، ابن طاہر کے رخصت ہونے کے ایک سال بعد حافظ ابوالقاسم کی وفات ہوئی حافظ ابن طاہر نے آخری حج ٥٠٦ھ میں کیا اور اسی حج سے واپسی کے بعد بغداد پہونچکر ربیع الاول ٥٠٧ھ میں ان کی وفات ہوئی -

ابن طاہر کے باب میں بعض محدثین نے کچھ جرحیں کی ہیں لیکن ذہبی کا رجحان ان کی تعدیل کی طرف ہے (تذکرہ)

تاج الاسلام حافظ ابو بکر سمعانی

محمد بن منصور نام تھا ابو سعد سمعانی مصنف کتاب الانساب کے والد تھے، باپ بیٹے دونوں کا لقب تاج الاسلام تھا، شافعی مذہب کے بہت بڑے فقیہ اور حافظ حدیث تھے مرو کی جامع مسجد میں ایکسو چالیس مجلسوں میں آپنے حدیث کا املا کیا، جو لوگ ان مجالس میں شریک ہوئے تھے ان کا بیان ہے کہ اس سے پہلے ایسا املا نہیں ہوا، حکام وملوک بھی ان سے عقیدت رکھتے تھے، تاج الاسلام نے حافظ سلفی کی معیت میں حج کیا تھا، اسوقت حافظ ابو ذر ہروی کے صاحبزادہ ابو مکتوم سے لوگ حدیثوں کی سند لیتے تھے وہ بھی حج میں تھے اور ان دونوں صاحبوں کو اسکی اطلاع بھی تھی مگر ان کے پاس پہونچنے میں ذرا سستی ہوئی اور وہ حج سے فارغ ہو کر فوراً اپنے والد کی جائے قیام سراۃ بنی شبابہ کو روانہ ہو گئے، تاج الاسلام کو معلوم ہوا تو بڑا قلق ہوا، حافظ سلفی نے انکو تسلی دی کہ خیر ابو مکتوم کے پاس صحیح بخاری کے سوا کچھ تھا بھی نہیں، اور اسکی سند تو ابو مکتوم کے برابر آپ کے پاس موجود ہی ہے، آپ کی وفات ۵۱۰ھ میں ہوئی (تذکرہ)

ابن الجوزی محدث وواعظ

عبدالرحمٰن بن علی نام تھا، محدث ومفسر ومورخ تھے، تاریخ میں ان کی کتاب المنتظم حیدرآباد میں طبع ہو چکی ہے، وعظ میں یکتائے روزگار تھے، ذہبی کا بیان ہے کہ اس باب میں جو مقبولیت ان کو نصیب ہوئی دوسرے کسی کو نصیب نہ ہوئی، ان کے وعظ میں بادشاہ، وزیر تو بر سر عام اور خلفائے عباسیہ پس پردہ شریک ہوتے تھے، کئی بار شرکائے وعظ کا اندازہ ایک لاکھ کا کیا گیا اور دس ہزار آدمی تو معمولاً شریک ہوتے تھے، وہ کثیر التالیف بھی تھے، اس باب میں بھی ذہبی کا قول ہے ما علمت احداً من العلماء صنف ما صنف ھذا الرجل یعنی اس شخص نے مختلف علوم میں جو تصنیفیں کی ہیں وہ دوسرے کسی عالم کی نسبت مجھے معلوم نہیں، خود ابن الجوزی رح کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں، اور ایک لاکھ آدمیوں نے میرے

ہاتھ پر توبہ کی، اور بیس ہزار آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے - ان مشاغل کے ساتھ ہر ہفتہ قرآن پاک ختم کرتے تھے، جمعہ اور مجلس درس و وعظ کے سوا گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، علم کا ایسا شوق تھا کہ اسی برس کی عمر میں فن قرارت کے مشہور امام ابن الباقلانی کو پورا قرآن پاک سنا کر قرااٰت عشرہ کی اجازت لی -

ابن الجوزی نے متعدد حج کئے تھے، ایک دفعہ ۵۴۱ھ میں انھوں نے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ حج کیا تھا (غالباً یہی ان کا پہلا حج تھا) اس سال خلافت عباسیہ کے وزیر مظفر بن علی بھی حجاج میں تھے (ابن الجوزی صـ۱۲۰) پھر انھوں نے ۵۵۳ھ میں حج کیا اس دفعہ حرم میں انھوں نے دوبار وعظ کہا، حج کے بعد جب مدینہ جا کر زیارت کی تو معلوم ہوا کہ راستہ میں بدو حاجیوں کی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں اس لئے واپسی میں راہبر نے مشہور راستہ کو چھوڑ دیا اور خیبر کے راستہ سے ان کو عراق پہونچایا (ابن الجوزی صـ۱۴۲) ابن الجوزی نے حافظ معمر بن عبد الواحد سمرقندی سے مدینہ منورہ میں حدیثیں سنیں (تذکرہ صـ۱۱۱) ابن الجوزی کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی -

حافظ ابو القاسم ابن عساکر

مشہور و معروف و جلیل القدر حافظ حدیث ہیں، علی بن الحسن نام تھا، دمشق مولد و مسکن تھا سنہ ۵۲۰ھ میں طلب علم کیلئے سفر شروع کیا، مشرق میں ہرات تک کا سفر کر کے محدثین سے حدیثیں سنیں ۵۲۱ھ میں حج کیا اور وہاں بھی حدیثیں سنیں، فقہ میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، اشعریت کے علمبردار تھے، فن حدیث میں کتاب الاشراف فی معرفۃ الاطراف و مسند ابی حنیفہ وغیرہ انکی تصنیفات سے ہیں، شام کی تاریخ اسی جلدوں میں لکھی ہے، بقول ابن کثیر کے شام کی ایسی تاریخ نہ پہلے کسی نے لکھی نہ آئندہ کسی کو ہمت ہوگی، ابن کثیر نے یہ بھی کہا ہے کہ اسکے مطالعہ کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ وہ تواریخ میں اپنے عہد کے یکتا آدمی تھے، ان کے شیوخ حدیث کی تعداد تیرہ سو بتائی جاتی ہے، اس علم کے ساتھ انکی عملی سرگرمیاں بھی قابل رشک ہیں، نماز باجماعت اور تلاوت کلام پاک کے سخت پابند تھے، ہر رات

ایک ختم کرتے تھے، رمضان میں روزانہ دن کو ایک ختم پڑھتے تھے، نوافل اوراذکار بھی بکثرت پڑھتے تھے

ابن عساکر فرماتے تھے کہ جب میرا ارادہ ہوا کہ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہونچاؤں اور حدیث کے نشر واشاعت میں حصہ لوں تو پہلے میں نے استخارہ کیا پھر اپنے ممتاز اساتذہ سے مشورہ لیا جب انھوں نے اجازت دی تو میں حدیث سنانے بیٹھا، حافظ ابوالقاسم کی وفات ۵۷۱ھ میں ہوئی، انکی نماز جنازہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی شرکت کی تھی

(ابن کثیر و تذکرہ و مرآۃ)

امام شاطبیؒ

فن قرأت کے امام اور اس فن کی مشہور و بے مثل کتاب شاطبیہ کے مصنف تھے، شاطبیہ کی نسبت ابن کثیر کا قول ہے کہ نہ اس سے پہلے اس فن میں ایسی کتاب لکھی گئی اور نہ آئندہ اسکی امید ہے اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ امام موصوف نابینا تھے، ان کے وطن شاطبہ (اندلس) میں لوگوں نے انکو خطیب مقرر کرنا چاہا تو اس وجہ سے انکار کر دیا کہ آج کل خطیب لوگ بادشاہوں کی تعریف وغیرہ میں بہت مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔

امام شاطبی حج کیلئے مکہ آئے تو ۵۷۲ھ میں اسکندریہ جا کر حافظ سلفی سے حدیثیں سنیں قاضی فاضل نے اپنے مدرسہ میں انکو شیخ القرأت کا عہدہ تفویض کیا، انھوں نے بیت المقدس کی زیارت کی اور وہیں رمضان گذار کر قاہرہ لوٹ آئے، بہت دیندار، متواضع اور نہایت باوقار تھے، بے ضرورت گفتگو نہیں کرتے تھے، ۵۹۰ھ میں قاہرہ میں وفات ہوئی۔

ابوالوفا علی بن عقیل حنبلی

مختلف علوم و فنون کے جامع علامہ تھے، مدرس، مفتی، مناظر، مصنف اور واعظ تھے ابن الجوزی نے لکھا ہے کان امام دھرہٖ و فرید عصرہٖ (وہ اپنے زمانہ کے امام اور اپنے عصر میں یکتا تھے) ان کی کتاب الفنون بقول سبط ابن الجوزی دو سو جلدوں میں ہے، اور

بعض مورخین نے چار سو جلدوں میں بتایا ہے، ابن عقیل کا بیان ہے کہ میں نے جس بات کو حق سمجھا اس کے اظہار سے کوئی چیز مجھے مانع نہیں ہوئی، میں نے کتابت کر کے گذر اوقات کی مگر کسی عہدہ کا طالب نہیں ہوا۔ اللہ نے جوانی ہی کے وقت سے جملہ فضولیات و لغویات سے مجھکو محفوظ رکھا، سوائے علم و اہل علم کے دوسری کسی چیز سے مجھکو محبت نہوئی کھیل کود والوں کی صحبت میں نے کبھی اختیار نہیں کی۔

ابن عقیل نے اپنی کتاب الفنون میں لکھا ہے کہ ایک سال جب میں حج کو گیا تھا تو ایکدن حرم میں مجھکو ایک چمکتی ہوئی چیز نظر آئی، میں نے جو اسکو ہاتھ میں لیا تو وہ موتیوں کا ایک بڑا قیمتی ہار تھا، جو ایک سرخ دھاگے میں گندھا ہوا تھا، میں اسکو الٹ پلٹ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک نابینا بڈھے کو میں نے یہ آواز لگاتے سنا کہ "جس نے ہمارا موتیوں کا ہار پایا ہو وہ دیدے اسکو سو دینار انعام میں ملیں گے" میں نے اس سے کہا اسکی پہچان کیا ہے؟ اس نے کہا وہ سرخ دھاگے میں گندھا ہوا ہے، میں نے ہار اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا یہ اپنا ہار لو۔ تو اس نے کہا تم یہ سو دینار انعام کے لو، میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ لوں گا، اس کے بعد اتفاق سے میرا شام جانا ہوا میں بیت المقدس کی زیارت کر کے دمشق آیا اس وقت میری والدہ زندہ تھیں اس لئے دمشق سے میں بغداد روانہ ہو گیا، راستہ میں حلب کی طرف سے میرا گذر ہوا وہاں میں شام کے وقت پہونچا اور ایک مسجد میں پناہ لی، بھوک اور سردی سے میرا برا حال تھا، جب نماز کا وقت ہوا تو مسجد کے متولی نے مجھ سے امامت کرنے کو کہا، میں نے نماز پڑھادی، ان لوگوں نے مجھے کھانا کھلایا۔ وہ رمضان کا مہینہ تھا ان لوگوں نے مجھ سے کہا یہاں کے امام صاحب بہت بزرگ شخص تھے چند دن ہوئے ان کا انتقال ہو گیا ہے ہماری درخواست ہے کہ آپ یہاں مہینہ بھر رہ جائیں، میں نے بھی منظور کر لیا اور نماز پڑھانے لگا، ایکدن لوگوں نے کہا کہ سابق امام کی ایک لڑکی ہے ہمارا خیال ہے کہ آپکا اس سے نکاح کر دیں، میں نے اسکو بھی قبول کیا اس کے بعد میں وہاں سال بھر رہا اور میرے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اسی کی پیدائش کے سلسلہ میں میری بیوی بیمار ہو گئی، ایکدن میں اس کو دیکھ رہا تھا تو اسکے گلے میں ایک لال

دھاگا نظر آیا، غور کیا تو وہی ہار تھا جو میں نے مکہ میں پایا، میں نے اسکا پورا قصہ اپنی بیوی کو سنایا تو وہ رونے لگی اور کہا تم وہی شخص ہو؟ بخدا میرے والد ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ میری لڑکی کو ویسا ہی شوہر دے جیسا ہار واپس کرنے والا تھا، اللہ نے انکی دعا سن لی، اسکے بعد اسکا انتقال ہو گیا، میں وہ ہار اور اسکے دوسرے متروکات لیکر بغداد چلا آیا۔

ابن عقیل کی وفات ۵۱۳ھ میں ہوئی (ابن جوزی و مرآۃ)

ناچیز کہتا ہے کہ اسی قصہ کے مشابہ ایک قصہ محمد بن عبد الباقی کو بھی پیش آیا تھا جو انکے حال میں مذکور ہے

حضرت غوث پاک شیخ المشائخ سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ

آپکی اعلیٰ شخصیت تعریف و تعارف سے بالاتر ہے، ہندوستان کا بچہ بچہ آپکو غوث اعظم اور پیران پیر کے لقب سے یاد کرتا ہے، طبرستان کے نواح میں جیلان آپکا وطن تھا، بغداد میں آپنے ابن عقیل اور ابو الحسین بن ابی یعلی اور ابو الخطاب سے فقہ حنابلہ کی تحصیل کی اور اس میں کمال پیدا کیا، اور محدثین کی ایک جماعت سے حدیثیں سنیں علوم ادبیہ کی بھی وہیں تکمیل کی، اسکے بعد حضرت حماد دباس کی خدمت میں سلوک و تصوف کی منزلیں طے کیں، اور مجاہدات و ریاضات کئے۔

حق تعالیٰ نے علوم دین میں برتری کے ساتھ آپکو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی، آپکے کمالات کے ظہور کیلئے اللہ نے یہ سامان پیدا کر دیا کہ آپکے استاد ابو سعد مخرمی کے مدرسہ میں آپ کو مسند تدریس تفویض ہوئی آپنے اس کی مرمت اور آس پاس کی زمینوں کو حاصل کرکے اس کی عمارتوں میں بہت زیادہ اضافہ کیا، مالداروں نے پیسہ سے اور فقراء نے محنت و مشقت سے مدد کی اور ۵۲۸ھ میں وہ مکمل ہو گیا، آپنے اس میں تدریس کے علاوہ وعظ و تذکیر کا سلسلہ قائم فرمایا، اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی دین کی خدمت انجام دینا شروع کی، تھوڑے ہی دنوں میں آپکے علم و فضل اور بزرگی و ولایت کا شہرہ دور دور پہونچ گیا، اور لوگ آپکو مجمع الفریقین و موضح الطریقین کے لقب سے یاد کرنے لگے، اکثر فقہا آپکے حلقہ شاگردی و ارادت میں داخل ہوئے، بغداد کی اکثریت

آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئی، اور لاتعداد یہودی و نصرانی آپ کے وعظ سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، شیخ موفق الدین مصنف مغنی کا بیان ہے کہ ہم نے آپ کا آخری زمانہ پایا تھا، ہم نے جس قدر آپ کی کراماتوں کا چرچا سنا ایسا چرچا دوسرے کسی کا نہیں سنا نہ دین کے نام پر ویسی کسی کی تعظیم ہوتے دیکھی،

آپ کے زمانہ میں ایک دفعہ بغداد میں ایسا قحط پڑا تھا کہ اس زمانہ میں خود آپ کا بیان ہے کہ میں خس کی پتیاں وغیرہ چبا کر دن کاٹتا تھا، راستہ کی پھینکی ہوئی چیزیں اٹھا کر فاقہ شکنی کرتا تھا ایکدن ایسا ہوا کہ دجلہ کے کنارہ چلا گیا کہ کوئی پتی یا گھاس ملے تو چباؤں مگر جہاں گیا دیکھا تو مجھ سے پہلے وہاں کوئی فاقہ کش موجود تھا، راستہ میں پھینکی ہوئی چیزوں کا بھی یہی قصہ تھا، آخر چلتے چلتے جب تھک گیا اور ضعف سے میں اپنے کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہا تو ایک مسجد کے کونہ میں جا کر بیٹھ رہا اتنے میں ایک عجمی آیا اور مسجد میں بیٹھکر روٹی کباب کھانے لگا، میرا اسوقت برا حال تھا آخر وہ عجمی بھانپ گیا اور اس نے مجھکو شریک کرنا چاہا مگر میں نے قسم کھالی اس پر اس نے بھی قسم کھالی کہ میں بغیر کھلائے ہوئے نہ مانوں گا، مجبوراً میں شریک ہوا اب جو میری اسکی گفتگو شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ میری والدہ کا فرستادہ تھا، اسکے ہاتھ میری ماں نے آٹھ دینار میرے لئے بھیجے تین دن سے مجھکو تلاش کر رہا تھا مگر پتہ نہیں چلا، اور اسکے پاس ذاتی جو کچھ تھا وہ سب خرچ ہوگیا اور اضطرار کی نوبت پہونچ گئی تو اس نے میری والدہ کے دئے ہوئے روپیہ سے یہ کھانا خریدا تھا، یہ سنکر میں نے اسکو تسلی اور دلاسا دیا اور باقی کھانا اسکو کھلا کر انھیں دیناروں میں سے راہ خرچ دے کر اس کو رخصت کیا۔

آپ فرماتے تھے کہ میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا تو مجھکو کھانا کھلانا سب سے افضل معلوم ہوا، اس لئے میں تمنا کرتا ہوں کہ ساری دنیا میرے قبضہ میں آجائے اور میں اسے بھوکوں کو کھلادوں

حضرت شیخ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک سال حضرت شیخ حج کیلئے گئے ہوئے تھے تو لوگوں نے دیکھا کہ حرم کعبہ میں کنکریوں پر پیشانی رکھے ہوئے آپ کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ

مجھے بخشدے اور اگر میں سزا کا مستحق ہوں تو قیامت کے دن مجھے اندھا اٹھا تاکہ نیکوں کے روبرو شرمسار نہ ہونا پڑے، اسکے بعد شیخ سعدی نے یہ قطعہ لکھا ہے

ہر سحر گہ کہ باد می آید | روے بر خاک عجز میگویم
ہیچت از بندہ یاد می آید | اے کہ ہرگز فرامشت نہ کنم

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو حضرت شیخ سے والہانہ عقیدت ہے، انھوں نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایکبار اسوقت جب آپ کی ولایت کا شہرہ دور دور پہونچ چکا تھا حج کے ارادہ سے چلے جب مقام حلہ میں پہونچے تو فرمایا کہ یہاں جو سب سے زیادہ گمنام دبیکس و محتاج ہوگا اسی کے گھر قیام کریں گے، آخر بڑی تلاش کے بعد ایک ایسا گھر ملا آپنے گھر والوں سے اجازت لیکر وہیں قیام فرمایا، باوجودیکہ حلہ کے تمام رؤسا و اکابر نے نہایت عمدہ اور آرام دہ وسیع مکانات پیش کئے مگر آپنے ان کو قبول نہ کیا، اسکے بعد لوگوں نے بکثرت نذریں پیش کیں جس میں روپئے، جانور اور غلہ ساری چیزیں تھیں، آپنے فرمایا کہ اس میں جو میرا حق ہے وہ میں اس گھر کے مالک کو ہبہ کرتا ہوں، آپکے بعد پھر ان نذور میں کون حصہ لگا سکتا تھا آخر سب نے اپنے اپنے حق اسی گھر والے کو بخشدیا، آپکے قدم کی برکت سے اسدن سے اس بستی میں اس سے بڑا دولت مند کوئی دوسرا نہ تھا حضرت شیخ کی وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی (شذرات وغیرہ)

شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی

علی بن ابی بکر نام تھا، فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب ہدایہ کے مصنف ہیں، آپ نجم الدین عمر نسفی کے شاگرد تھے، اللہ نے علم میں انکو وہ درجہ دیا کہ وہ اپنے اساتذہ سے بڑھ گئے تھے، انکے علمی تفوق و برتری کی سب سے بڑی دلیل انکی کتاب ہدایہ ہے جسکو سمجھ کر پڑھا دینا آج عالم ہونیکی دلیل ہے، شمس الائمہ کردری آپکے شاگرد تھے، ۵۹۳ھ میں آپکی وفات ہوئی۔

آپ نے ۵۴۴ھ میں حج کیا تھا جیسا کہ عمر بن عبد المومن کجوادری کے حال میں معلوم ہوگا

شیخ الاسلام ابو حفص کجوادری

عمر بن عبدالمومن نام تھا، آپ اور صاحب ہدایہ ۵۴۴ھ میں حج کیلئے ساتھ روانہ ہوئے وطن سے مکہ تک اور مکہ سے مدینہ تک اور وہاں سے ہمدان تک برابر ساتھ رہا، صاحب ہدایہ نے اسی سفر میں آپ سے کچھ حدیثیں پڑھیں اور بہت سے مسائل میں علمی گفتگو کی (جواہر مضیئہ)

مفتی الثقلین نجم الدین نسفی

عمر بن محمد نام تھا، سمعانی شافعی نے لکھا ہے کہ وہ فقیہ فاضل تھے، فقہ وحدیث میں صاحب تصنیفات تھے، ادیب بھی تھے انھوں نے جامع صغیر کو نظم کیا ہے اور ابن النجار شافعی نے انکا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ فقیہ فاضل، مفسر، محدث، ادیب اور مفتی تھے، صاحب ہدایہ کا بیان ہے کہ ان کے مشائخ حدیث کی تعداد ساڑھے پانچسو ہے، ان کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب وہ حج میں گئے تو مکہ میں زمخشری سے جو اسوقت مکہ میں مجاور تھے ملنے کیلئے گئے، دروازہ پر پہونچکر دستک دی تو زمخشری نے پوچھا کون ہے انھوں نے کہا عمر، زمخشری نے کہا منصرف ہوجائے (یعنی اسوقت لوٹ جائیے) انھوں نے کہا حضرت! عمر تو منصرف نہیں ہوتا، زمخشری نے جواب دیا کہ نکرہ (بے جانا پہچانا) ہوتا ہے تو منصرف ہوجاتا ہے، اس سوال وجواب کی لطافت کو نحو جاننے والے لوگ ہی محسوس کرسکتے ہیں، آپکی وفات ۵۳۷ھ میں ہوئی (جواہر)

علامہ شرف الدین عقیلی بخاری

عمر بن محمد نام تھا، ذہبی نے لکھا ہے کہ بخارا کے اکابر علمائے احناف میں تھے، فرادی محدث سے حدیثیں روایت کرتے تھے ۵۵۰ھ میں بارادۂ حج وارد بغداد ہوئے اور بغداد سے حج کیلئے گئے واپسی میں بغداد آکر لوگوں کو حدیثیں سنائیں ۵۹۰ھ میں انتقال فرمایا (جواہر)

عُمر بن محمد خوشنامی

سمعانی نے کہا ہے کہ وہ فقیہ فاضل و مناظر وادیب تھے، انھوں نے ابو بکر جعفری بخاری سے اور ان سے ابو حفص نسفی نے حدیثیں سنیں، سمعانی کہتے ہیں کہ انکے ایک لڑکے تھے وہ بھی فقیہ تھے، مگر ان پر زہد کا غلبہ تھا، تن تنہا سفر کر کے مکہ پہونچے اور مکہ میں مجاور ہو گئے، ہر تین دن کے بعد تھوڑا سا کھانا کھاتے تھے۔

ابو اللیث نسفی

احمد بن عمر نام تھا ابو حفص نجم الدین نسفی کے لڑکے اور صاحب ہدایہ کے محترم استاد تھے سمعانی کا بیان ہے کہ وہ محدثین وائمہ کی اولاد میں تھے فقیہ فاضل و واعظ کامل تھے ۵۴۷ھ میں حجاز جاتے ہوئے مرو آئے تھے مگر نیسابور پہونچکر معلوم ہوا کہ سلطان مسعود کی وفات ہو گئی اور راستہ پر خطر ہو گیا اس لئے وطن واپس لوٹ گئے پھر جب میں ۵۴۹ھ میں سمرقند گیا تو دوبارہ میری انکی ملاقات ہوئی وہ عاریت میں مجھے اپنی کتابیں دیتے تھے اور میری ملاقات کو بھی آتے تھے میں بھی ان سے ملنے جاتا تھا۔ اسکے بعد ۵۵۱ھ میں وہ بخارا میں ہمارے پاس حج کیلئے جاتے ہوئے آئے، اسعد فوا انھوں نے بغداد میں دو ماہ قیام جاتے ہوئے کیا اور آتے ہوئے چند دن ٹھہرے اس لئے کہ اسوقت خلیفہ مقتفی اور سلطان محمد شاہ میں جنگ چھڑی ہوئی اور لوگ سخت پریشانی میں تھے صفر ۵۵۲ھ میں وہ بغداد اپنے وطن روانہ ہوئے جب قومس پہونچے اور بسطام سے آگے بڑھے تو قلعہ والوں میں سے کچھ لوگوں نے قافلہ پر ڈاکہ ڈالا اور ستر سے زیادہ حجاج و علمار کو شہید کر دیا، انھیں میں ابو اللیث نسفی بھی تھے، ۲۰ جمادی الاولی ۵۵۲ھ کو یہ خونیں واقعہ کوف نامی گاؤں میں جو بسطام کے قریب ہے پیش آیا،

یہ ساری تفصیل محدث سمعانی نے ذکر کی ہے (جواہر)

قاضی ابوالعلاء صاعد بن سیار ہروی

حافظ ذہبی نے آپ کا ذکر حفاظ حدیث میں کیا ہے اور سمعانی نے بھی آپ کو حافظ حدیث کہا ہے اور ان کی پختگی و وسعت روایت و معرفت رجال کی تعریف کی ہے ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ جب حج کے ارادہ سے چل کر وارد بغداد ہوئے تو وہاں اپنے ہمنام ابو اسمٰعیل انصاری وغیرہ کے واسطہ سے حدیثیں سنائیں، اور سمعانی نے لکھا ہے کہ وہ ۵۰۹ھ میں حج کے ارادہ سے بغداد آئے تھے اور پوری کتاب ترمذی پڑھکر لوگوں نے ان سے سند لی تھی، ذہبی کا بیان ہے کہ قرارت کرنے والے حافظ ابن ناصر (ابن الجوزی کے استاذ) تھے اور سننے والوں میں ابوالفتوح بن کلیب تھے۔ اسکے علاوہ جامع القصر میں ایک مجلس املاء قائم ہوئی تھی اس میں انھوں نے حدیث کا املاء بھی فرمایا.......

ملاحظہ فرمائیے کہ حج کے طفیل میں احادیث کی اشاعت و روایت کس اہتمام سے کی جاتی تھی، عبدالقادر قرشی نے آپ کا ذکر طبقات حنفیہ میں کیا ہے، آپ کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی، (تذکرہ، جواہر، لباب)

من ۶۰۰ھ

جعفر بن محمد بن آموسان

اصفہان کے رہنے والے، محدث اور واعظ تھے، حدیثوں کی بکثرت روایت کی تھی ۶۰۰ھ میں حج کیلئے گئے، حج کے بعد مدینہ منورہ پہونچکر محرم ۶۰۰ھ میں انتقال کر گئے۔ (شذرات)

ابو موسیٰ جزولی

نسلاً بربری اور مراکش کے باشندہ تھے، نحو اور لغت کے امام تھے، نحو میں انکی کتاب قانون نہایت عجیب کتاب ہے، بڑے بڑے فاضل نحوی اس کے حل کرنے سے قاصر ہیں، متعدد فضلا نے اسکی شرحیں لکھی ہیں، پھر بھی کما حقہ اسکا سمجھنا کارے دارد، ابن خلکان نے کہا ہے کہ اس سے پہلے ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، نحو کے علاوہ اصول و قرارت میں بھی بہت فائق تھے، مراکش کے خطیب تھے، حج کیلئے مکہ آئے تو اسی سلسلہ میں مصر پہونچکر نحو اور حدیث کی تحصیل کی، ان کی وفات ۶۰۷ھ میں ہوئی۔ (شذرات)

ابو شجاع زاہر بن رستم

پہلے اصفہانی تھے پھر بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی، شافعی المذہب فقیہ تھے، قرارت کے بھی صاحب بصیرت عالم تھے، کروخی وغیرہ سے حدیثیں سنی تھیں، بغداد کی سکونت ترک کر کے مکہ میں مجاور ہو گئے تھے اور مقام ابراہیم کے پاس امامت کرتے تھے، جب قوت نہیں رہی تو امامت سے بھی دستکش ہو گئے، ۶۰۹ھ میں انکی وفات ہوئی (شذرات)

ناصر بن ابی المکارم مطرزی

حنفی المذہب فقیہ، اور علوم ادبیہ نحو، لغت اور شعر وغیرہ میں انکو بڑا کمال حاصل تھا، مقامات حریری کی ایک مختصر مگر نہایت مفید شرح لکھی تھی، لغت میں ایک کتاب مغرب کے نام سے لکھی ہے جس میں ان الفاظ کی شرح کی ہے جو فقہ کی کتابوں میں مستعمل ہوتے ہیں اس کتاب کی بعض شوافع مثلاً امام یافعی نے بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان سے اور انکی کتابوں سے لوگوں نے بہت نفع حاصل کیا۔ حج کے ارادہ سے جب بغداد وارد ہوئے تو وہاں کے فقہاء سے ان کی خوب بحثیں ہوئیں اور ادب کے شائق لوگوں نے ان سے اس فن میں استفادہ کیا، علمی دنیا میں ان کو خاصی شہرت حاصل تھی ۶۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی (مرآۃ)

فخر الدین ابن تیمیہ

مجد الدین ابن تیمیہ (یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا) کے چچا تھے، محمد نام تھا، حران کے عالم و خطیب و واعظ اور حنبلی مذہب کے بہت فائق فقیہ تھے، ابن الجوزی کے شاگرد تھے۔ ۶۰۵ھ میں حج سے واپس ہو رہے تھے تو بغداد ہو کر انھوں نے اپنے استاذ ابن الجوزی کی جگہ پر وعظ بھی کہا، ان کی وفات ۶۲۲ھ میں ہوئی۔

ابو المظفر عبد الودود واسطی

اپنے باپ سے علم فقہ و علم کلام پڑھا تھا اور ان کے مدرسہ میں درس بھی دیا تھا، خلیفہ عباسی ناصر نے ان کو اپنا وکیل مقرر کیا تھا، دیانت و امانت میں مشہور تھے، بڑے بڑے مناصب پر رہے انھوں نے بکثرت حج کئے تھے، متواضع اور خوش اخلاق تھے، وہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

العلم یاتی کل ذی خفض .... ویابی کل آبی

کالماء ینزل فی الوھا .... د ولیس یصعد فی الروابی

ان کی وفات ۶۱۸ھ میں ہوئی۔

شیخ نصر بن ابی الفرج

ابن الحصری کے ساتھ معروف تھے، ایک مدت دراز تک مکہ میں مجاور رہے، کہیں کا سفر نہیں کرتے تھے، لیکن مرنے کا وقت قریب ہوا تو موت ان کو یمن کھینچکر لے گئی اور وہیں ۶۱۹ھ میں ان کی وفات ہوئی، وہ مکہ میں حنابلہ کے امام تھے، مشائخ کی ایک جماعت سے انھوں نے حدیثیں سنی تھیں

(ابن کثیر)

امام ابو محمد ابن شاس جذامی

فقہ مالکی میں علامہ تھے، انکی کتاب الجواہر الثمینہ نہایت عمدہ اور فائدہ مند ہے مصر کے مالکی حضرات کا اسی پر اعتماد تھا اور وہی ان میں متداول تھی، آخر عمر میں انھوں نے حج کیا اور حج کے بعد فتوی دینے کے کام سے دستکش ہو گئے جس وقت دمیاط پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا اور مسلمانوں نے ان سے چھیننے کیلئے دمیاط پر چڑھائی کی تو اس جہاد میں یہ بھی شریک تھے اور وہیں ۶۱۶ھ میں وفات پائی۔

(مرآۃ)

ناصر السنہ شیخ نجم الدین کبریٰ

اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، بہت ملکوں میں پھر کر مشائخ وقت کی زیارت وصحبت سے مستفید ہوئے تھے، عارف باللہ اسمٰعیل قصری کے ہاتھ سے خرقہ پہنا تھا، بے شمار اہل علم سے حدیثیں اور تفاسیر سنی تھیں، طالب علمی کے زمانہ میں بیحد ذہین تھے اس لئے انکے ہم سبق طلبہ انکو الطامۃ الکبریٰ یعنی "قیامت" کہا کرتے تھے، بعد میں صرف کبری آپکے نام کا جزو بن گیا، ۶۱۸ھ میں جب تاتاریوں کا سیلاب خوارزم پہونچا تو شیخ نے اپنے بہت سے مریدوں سے یہ کہکر کہ یہ بڑا عظیم الشان فتنہ ہے اور یہ آگ مشرق سے نکلی ہے اور مغرب تک پہونچکر دم لیگی، خوارزم سے چلے جانے کا حکم دیا، ان لوگوں نے بھی درخواست کی کہ آپ بھی نکل چلئے تو شیخ نے جواب دیا کہ مجھکو باہر جانیکا حکم

نہیں ہے، جب وہ چلے گئے اور تاتاریوں کی فوج شہر میں گھس آئی تو شیخ نے باقی مریدوں کو ساتھ لیکر ان کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

آپ نے متعدد حج کئے تھے، کبھی سواری پر اور کبھی پیدل راستہ طے کر کے گئے تھے (مرآۃ)

مشہور ہے کہ امام رازی آپ کے مرید تھے، شذرات الذہب میں انکی خدمت میں امام رازی کی حاضری یا باہمی ملاقات اور ان کے فضل و کمال کے اعتراف کا ذکر موجود ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ وہ اسی نواح کے محدث تھے۔

شیخ الاسلام موفق الدین عبداللہ حنبلی

فقہ حنابلہ کی ضخیم اور بہترین کتاب المغنی اور المقنع کے مصنف اور فقہ و حدیث کے امام تھے بلکہ اگر کہا جائے کہ ان کے زمانہ میں اور اس سے ایک مدت قبل بھی ان سے بڑھکر کوئی فقیہ نہ تھا تو درست ہے، مفتی و مناظر اور بہت فنون میں متبحر ہونے کے ساتھ زہد و عبادت، تقویٰ تواضع، حسن اخلاق و فیاضی، حیاء و متانت، کثرت تلاوت و نماز و روزہ، شب بیداری و اتباع سلف میں بھی انکی امتیازی شان تھی، صاحب کشف و حال بھی تھے۔

سبط ابن الجوزی نے انکے بہت سے مناقب لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ کوئی ان کو دیکھ لے تو گویا اس نے کسی صحابی کو دیکھ لیا، یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جامع دمشق اور قاسیون میں ہمیشہ میری مجلسوں میں تشریف لاتے تھے۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے تھے کہ امام اوزاعی کے بعد شیخ موفق سے بڑا کوئی فقیہ شام میں نہیں آیا۔

ان کا معمول تھا کہ مغرب و عشا کے درمیان اپنی محراب کے قریب نوافل میں مشغول رہتے جب عشا سے فارغ ہو کر گھر جانے لگتے تو مسجد میں جو فقیر و محتاج ملتے ان کو گھر لیجا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرتے، انھوں نے ۵۷۳ھ میں حج کیا تھا، ۶۲۰ھ میں انکی وفات ہوئی،

(ابن کثیر و شذرات)

سلسلۂ سہروردیہ تاج العرفار
شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

آپ مشہور ولی کامل، سرتاج صوفیہ، سلسلہ سہروردیہ کے بانی اور عوارف المعارف کے مصنف ہیں، بغداد میں آپ کا قیام تھا وعظ و تذکیر ارشاد و ہدایت خلق کے سوا خلفاء اور بادشاہوں کے درمیان سفارت کا کام بھی کرتے تھے اور اس ذریعہ سے جو آمدنی ہوتی تھی سب فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا آپ کو سخت اہتمام تھا، ہندوستان میں آپ کے خلیفہ شیخ الاسلام بہار الدین زکریا ملتانی تھے، آپ ہی کے ذریعہ سے ہندوستان میں اس سلسلہ کو شیوع حاصل ہوا۔

آپ کی نسبت یافعی نے لکھا ہے کان کثیر الحج (آپ بکثرت حج کرتے تھے) اور شذرات الذہب میں ہے کہ بکثرت حج کرتے تھے اور کسی کسی حج کے بعد مکہ میں مجاور بھی ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ حج کو گئے تو اس کثرت سے لوگ ساتھ ہوئے کہ لا یعلمهم الا الله (بس انکی تعداد خدا ہی کو معلوم ہے) (ابن کثیر)

ایک بار اپنے پیر مرشد شیخ ابو النجیب کی معیت میں حج کو گئے تھے ایکدن انکے ساتھ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے اور اسوقت شیخ ابو النجیب ایک خاص حالت قرب میں تھے کہ حضرت خضر تشریف لائے اور تھوڑی دیر کھڑے رہکر چلے گئے، جب شیخ کو افاقہ ہوا تو شیخ شہاب الدین نے جرأت کر کے کہا کہ ایک نبی آپ کی زیارت کو آئے اور آپ نے ان کی طرف توجہ نہ کی، یہ سنکر شیخ ابو النجیب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا تم کیا جانو، اگر حضرت خضر آکر چلے گئے تو وہ پھر آسکتے ہیں لیکن خدا کے ساتھ ہمکو جو یہ وقت ملا تھا چلا جاتا تو پھر نہ لوٹتا اور قیامت تک اسکی ندامت وحسرت رہتی، یہ فرما ہی رہے تھے کہ حضرت خضر دوبارہ نمودار ہوئے شیخ ابو النجیب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور بہت تواضع سے پیش آئے (اخبار الاخیار صہ ۲۷)

شیخ شہاب الدین نے اپنی کتاب عوارف المعارف مکہ معظمہ میں تصنیف کی ہے، جب

کوئی مشکل پیش آتی حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے کہ جو حق ہو وہ مجھ پر القار فرمادے، شیخ کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی (مرآۃ) اور ابن کثیر میں ۶۳۱ھ مذکور ہے،

شیخ عبد اللہ ارمنیؒ

اصلاً ارمنی یا رومی تھے، حضرت عبد اللہ یونینی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا اسلام لاؤ انھوں نے کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (میں نے رب العالمین کے حکم پر سر رکھدیا) انھوں نے بہت زیادہ سیاحی کی تھی، پہاڑوں اور جنگلوں کی سیر کی تھی، اقطاب و اوتاد و ابدال کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے تھے بڑے بڑے مجاہدات کئے تھے، ان سے کشف و کرامات بھی بکثرت ظاہر ہوئے، ابتدائے عمر میں قرآن پاک پڑھا تھا اور فقہ حنفی کی کتاب قدوری زبانی یاد کی تھی اسکے بعد تزکیۂ باطن و اصلاح باطن میں مشغول ہو گئے، زندگی کے آخری ایام میں دمشق میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۶۳۱ھ میں وفات پائی، جبل قاسیون کے دامن میں ان کا مزار ہے، ان کے بہت سے عمدہ واقعات منقول ہیں، ازانجملہ ایک واقعہ یہ ہے کہ سیاحی کے زمانہ میں ایک دفعہ ان کا گذر ایک شہر کے پاس سے ہوا تو ان کے نفس میں خواہش پیدا ہوئی کہ شہر کے اندر داخل ہوں، یہ شہر کیطرف چلے مگر قسم کھالی کہ شہر میں کھانا نہ کھاؤں گا، جب شہر میں داخل ہوئے تو ایک دھوبی ملا اس نے ان کی طرف ایسی تیز نظروں سے دیکھا کہ یہ ڈر گئے اور وہاں سے نکل بھاگے جب شہر سے باہر ہو گئے تو دیکھا کہ وہی دھوبی کھانا لئے ہوئے ان کے پاس موجود ہے، انھوں نے کہا آپ کا یہ پایہ ہے اور کپڑا دھو رہے ہیں، دھوبی نے جواب دیا، اپنا سر اونچا نہ کرو، اور اپنے کسی عمل کو نہ دیکھو اور اللہ کے بندہ بنے رہو پس اگر وہ تمکو پاخانہ میں بھی کسی کام پر لگادے تو بخوشی لگ جاؤ، اسکے بعد یہ شعر پڑھا ؎

ولو قیل لی مت قلت سمعاً و طاعۃً	وقلت للداعی الموت اھلاً و مرحبا
مجھ سے کہا جائے کہ مرجا تو میں کہوں گا کہ بسر و چشم	اور موت کے داعی سے کہوں گا مرحبا مرحبا

ایک اور واقعہ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ اسی زمانۂ سیاحی میں ایک گرجا کے پاس سے میرا گذر ہوا ایک راہب (دنیا سے کنارہ کش پادری) نے کھڑکی سے سر نکالکر مجھ سے پوچھا کہ اے مسلمان! اللہ تک پہونچنے

کا سب سے قریب ترین راستہ تمہارے مذہب میں کیا ہے؟ میں نے کہا نفس کی مخالفت، یہ سنکر اس نے سر اندر کر لیا، اسکے بعد جب میں حج کے زمانہ میں مکہ پہونچا تو ایکدن میں نے ایک شخص کو کعبہ کے پاس دیکھا کہ وہ مجھکو سلام کر رہا ہے، میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہی راہب ہوں، میں نے کہا تم یہاں تک کیسے پہونچے، اس نے کہا جیسے تم نے بتایا تھا، میں نے اپنے نفس پر اسلام کو پیش کیا اس نے ماننے سے انکار کیا تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی دین حق ہے، پس میں نے نفس کی مخالفت کی اور مسلمان ہو گیا، سبط ابن الجوزی نے بیت المقدس میں ان کی زیارت کی تھی اور ان کی کرامت کا مشاہدہ کیا تھا، (ابن کثیر)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ

آپ اصلاً اندلسی ہیں، مختلف امصار و بلاد کی سیاحت کے بعد ایک زمانہ تک مکہ میں مقیم رہے، پھر دمشق میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات ہوئی، آپ کی شخصیت اور تصانیف علماء و صوفیہ دونوں میں نہایت مشہور ہیں اور ان دونوں کے رد و قبول میں بڑی بڑی بحثیں ہو چکی ہیں، ہم اس بحث میں خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں، امام یافعی مرآۃ الجنان میں فرماتے ہیں ان کل من اختلف فی تکفیرہ فمذھبی فیہ التوقف و وکول امرہ الی اللہ تعالیٰ (ص۱۰۱) جسکی تکفیر کے باب میں علماء مختلف ہوں اسکے حق میں میرا مذہب توقف ہے اور اسکے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے امام شعرانی ان کے بڑے حامیوں میں ہیں ان کا طویل الذیل کلام شذرات میں منقول ہے،

آپ کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی۔

ابو العباس قسطلانی مالکیؒ

احمد بن علی نام، اور مصر وطن تھا، مصر میں مدتوں درس و افتاء کی خدمت انجام دینے کے بعد مکہ مکرمہ میں مجاور ہو گئے، شیخ ابو عبداللہ قرشی کی صحبت میں باطنی مدارج طے کئے تھے، شیخ کی وفات

کے بعد ان کی زوجہ محترمہ سے نکاح کر لیا انھیں کے بطن سے ان کے لڑکے قطب الدین قسطلانی پیدا ہوئے۔ مدینہ میں ایک سال بارش نہیں ہوئی تو اہل مدینہ نے رائے کی کہ ایک دن یہاں کے اصلی باشندے اور ایک دن آفاقی مجاورین پانی کی دعا مانگیں، چنانچہ پہلے دن مقامی لوگ دعا کو نکلے مگر پانی نہیں برسا، دوسرے دن قسطلانی نے محتاجوں کو کھانا کھلایا اور سب مجاورں کو ساتھ لیکر دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوگئی، آپکی وفات مکہ میں ۶۳۶ھ میں ہوئی (شذرات)

شیخ الاسلام مفتی و محدث شام شیخ تقی الدین ابن الصلاح

اصلاً کردی تھے، ان کے والد مدرسہ اسدیہ حلب کے مدرس تھے، آپ شام آئے اور پہلے قدس میں اقامت کرکے مدرسہ صلاحیہ میں درس دیا پھر دمشق منتقل ہو کر بیک وقت تین مدارس میں درس دیتے تھے اور ہر ایک کا کام پوری تندہی سے انجام دیتے تھے، دار الحدیث اشرفیہ (دمشق) کے پہلے شیخ الحدیث آپ ہیں، تفسیر، حدیث، فقہ، اسماء رجال اور دیگر علوم حدیث اور لغت کے بے نظیر جید عالم تھے، انکے بعد کے علماء حدیث صرف الشیخ بولکر انھیں کو مراد لیتے تھے، عراقی الفیہ میں لکھتے ہیں ؎

وکلما اطلقت لفظ الشیخ ما　　　ارید الا ابن الصلاح مبہما

آپ نے بہت سی مفید کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، از انجملہ آپکا مقدمہ ابن الصلاح اصول حدیث میں نہایت مشہور اور بیحد مفید رسالہ ہے، اسکے ساتھ نہایت دیندار، زاہد، متقی، عبادت گذار اور سلف صالحین کی روش کے پابند تھے، آپ کی وفات ۶۴۳ھ میں ان دنوں میں ہوئی جب خوارزمیوں نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور گرانی اور گندگی پھیل جانے کے سبب سے نہایت کثرت سے لوگ مر رہے تھے (ابن کثیر وغیرہ)

۶۱۵ھ سے لیکر ۶۱۷ھ تک خارجی و داخلی حملوں کے خوف کی وجہ سے ملک شام سے حج کیلئے کوئی نہیں جا سکا، ۶۱۸ھ میں کچھ امن کی صورت نظر آئی تو شام سے حجاج روانہ ہوئے انھیں میں شیخ تقی الدین ابن الصلاح بھی تھے، اسکے بعد لگاتار لڑائیوں کیوجہ سے پھر کئی سال تک شام سے حج کرنے کی ہمت کوئی نہ کر سکا (ابن کثیر ص ۲۹ ج ۱۳) شیخ نہایت خوش پوشاک اور با ہیبت تھے سلطان اور امراء ان کا احترام کرتے تھے (تذکرہ)

امام الیمن شیخ اسمٰعیل بن محمد بن اسمٰعیل حضرمی

آپ علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے، نہایت متبحر فقیہ اور یمن کے قاضی القضاۃ بھی تھے اور عارف باللہ و ولی کامل بھی تھے، یمن کے مشہور ولی ابو الغیث بن جمیل کے صحبت یافتہ تھے، اس عہد کے دوسرے یمنی ولی و فقیہ احمد بن عجیل ان کا بہت احترام کرتے تھے حالانکہ وہ ان کے معاصر تھے، فرماتے تھے کہ ہم لوگ مُحِب ہیں اور یہ محبوب ہیں۔ ایکدفعہ ابن عجیل سفر حج میں انکے رفیق تھے تو یہ سواری پر راستہ طے کرتے تھے اور ابن عجیل ان کی سواری کے ساتھ پیدل چلتے تھے، انھیں بزرگوں کے ساتھ یمن کا پورا قافلہ بھی تھا، جب مکہ کے قریب پہونچے تو حاکم مکہ شریف ابونمی نے آگے بڑھکر ان کا استقبال کیا، ابن عجیل کو تو مکہ کا ہر چھوٹا بڑا پہچانتا تھا اس لئے کہ ان کی آمد و رفت مکہ و مدینہ میں بہت تھی، فقیہ اسمٰعیل کو کم لوگ پہچانتے تھے، اس دن شریف ابونمی کے جسم پر ریشمی لباس تھا فقیہ اسمٰعیل جس طرح باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اس طرح جھپٹے اور ابونمی کا گریبان پکڑکر کہا کہ یہ لباس پہنتے ہو جسکو وہی پہن سکتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، ابونمی مبہوت ہوکر ابن عجیل کی طرف دیکھنے لگا، ابونمی اسوقت مکہ کا مستقل فرمانروا تھا، ابن عجیل نے شریف کو مخاطب کرکے کہا کہ اے شریف یہ وہ فقیہ اسمٰعیل ہیں کہ اپنے پروردگار سے بھی ناز و دلال کی باتیں کرتے ہیں یہ ہم سے بگڑ جائیں تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے، ابونمی یہ سنکر خاموش رہ گیا اور کچھ نہ بولا۔ فقیہ اسمٰعیل کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی (مرآۃ)، اور صاحب شذرات نے ۶۷۰ھ میں وفات لکھی ہے۔

شیخ شرف الدین مرسی

محمد بن ابی الفضل نام تھا، نہایت محقق و پختہ کار و فاضل شیخ تھے، اکابر ان کا احترام کرتے تھے کتابوں کے بڑے شائق تھے، حج بکثرت کرتے تھے اور اکثر حجاز میں ان کا قیام رہتا تھا، جہاں رہتے تھے وہاں کے رؤسا انکی تعظیم بجالاتے تھے، سارے کاموں میں اعتدال پسند تھے ۶۵۵ھ میں انکا انتقال ہوا، (ابن کثیر)

شیخ الاسلام امام نوویؒ

یحیی بن شرف نام اور شام کا ایک گاؤں نویٰ وطن تھا، شافعی مذہب کے فقیہ نہیں بلکہ بقول ابن کثیر کبیر الفقہا اور شیخ المذہب تھے ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۴۹ھ میں دمشق آکر مدرسہ رواحیہ میں مقیم ہوئے، اور اسکا انتخاب اس لئے کیا کہ وہ ایک تاجر کا بنوایا ہوا تھا کسی امیر یا حاکم (جنکا مال اس لئے قابل اطمینان نہیں ہوتا کہ عموماً ظلم و زیادتی سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے) کا بنوایا ہوا نہ تھا۔ وہاں تقریباً دو سال رہے اور اس مدت میں جیسا کہ خود انکا بیان ہے کبھی زمین پر اپنا پہلو نہیں رکھا۔ دن میں بارہ اسباق میں شرکت کرتے تھے اور اساتذہ سے جو تحقیقات و فوائد سنتے تھے ان کو لکھتے بھی تھے، وہ کبھی حمام میں غسل نہیں کرتے تھے۔ دمشق کا کوئی پھل نہیں کھاتے تھے اس لئے کہ وہاں کے باغوں کی بیع ان کی تحقیق میں شرعاً درست طریقہ پر نہیں ہوتی تھی، دن رات میں صرف ایکبار عشا کے بعد کھانا کھاتے تھے اور سحر کے وقت ایک بار پانی پیتے تھے، صائم الدہر تھے، رات کو بہت کم سوتے تھے، زیادہ تر عبادت یا تلاوت یا تصنیف میں لگے رہتے تھے، ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، انکی خوراک کعک اور انجیر تھی، بھدے قسم کے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔

شیخ شہاب الدین ابو شامہ کے بعد وہ دار الحدیث اشرفیہ کے شیخ الحدیث منتخب ہوئے مگر شیخ الحدیث کیلئے جو وظیفہ مقرر تھا وہ انھوں نے کبھی نہیں لیا، انکے والد نویٰ سے جو کچھ بھیجدیتے تھے اسی میں کسی طرح بسر کر لیتے تھے ۶۵۱ھ میں انھوں نے اپنے والد کی معیت میں حج کیا، رجب کے مہینہ میں روانہ ہو کر تقریباً ڈیڑھ ماہ مدینہ میں رہے اس سال جمعہ کو حج ہوا تھا ان کے والد کا بیان ہے، کہ جب ہم گھر سے نکلے تو اسوقت سے جو ہمارے بیٹے یحییٰ (امام نووی) کو بخار شروع ہوا تو عرفہ کے دن تک کبھی نہیں اترا مگر اس پانچ سوا پانچ مہینے کی مدت میں ہم نے کبھی ان کو کراہتے نہیں سنا۔

حافظ ذہبی نے انکا تذکرہ حفاظ حدیث میں کیا ہے اور دل کھول کر ان کے علمی و روحانی کمالات کا اعتراف کیا ہے، لکھا ہے کہ وہ مجاہدہ و ریاضت، تزکیۂ نفس اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کے ساتھ حدیث

کے حافظ اور اس کے فنون و رجال اور صحیح و سقیم کے بڑے عالم تھے، یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان میں تین کمال ایسے اکٹھے تھے کہ ان میں سے ایک کمال بھی کسی میں ہو تو اس سے استفادہ کیلئے دور دراز کو سفر کرکے آنا زیبا ہے، ایک علم، دوسرے زہد، تیسرے امر بالمعروف و نہی عن المنکر، امام نووی نے ایک دفعہ الملک الظاہر کو نہایت سختی سے ٹوک دیا، جسکی اسکو بڑی ناگواری ہوئی مگر بعد میں اسکی ناگواری دور ہو گئی، پھر جب کبھی امام نووی کا سامنا ہو جاتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ مجکو ان سے ڈر لگتا ہے ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جلدی کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے، ہاں ایک درویش فقیر نے ایک لوٹا ہدیہ کیا تو اسکو قبول کر لیا تھا۔ ایکبار شیخ برہان الدین اسکندرانی نے افطار کی دعوت کی تو فرمایا کہ یہیں لائیے سب ایک ساتھ کر لیں گے

امام یافعی نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زہد و ورع اور دوسرے محاسن میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، ان کے بعد ان کے قریب زمانے میں احمد بن عجیل یمنی کے سوا کسی دوسرے میں وہ خوبیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ بیس برس تک شب و روز طلب علم میں انھوں نے ایسی محنت و مشقت برداشت کی اور اپنے تمام ہمسروں سے فائق ہو گئے۔

اس علمی امتیاز کے باوجود اس عہد کے ولی کامل شیخ یاسین حجام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے روحانی اکتساب فیض میں وہ کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

امام نووی نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی علم کی بڑی خدمت کی ہے، شرح صحیح مسلم، تہذیب الاسماء واللغات، ریاض الصالحین، کتاب الاذکار اور کتاب الاشارات چھپکر شائع ہو چکی ہیں، اور اہل علم کو ان سے بہت فائدہ پہونچا ہے، بالخصوص شرح صحیح مسلم کہ اس سے ہندوستان کے تمام اہل درس و تدریس نے فائدہ اٹھایا ہے اور اس بنا پر سب امام نووی کے مرہون منت ہیں، امام نووی نے صرف ۴۵ برس کی عمر میں ۶۷۶ھ میں انتقال کیا (مرآۃ، تذکرہ، شذرات)

عثمان بن موسیٰ طائی اربلی

حنبلی مذہب کے فقیہ کامل، اور حرم مکہ میں حنبلیوں کے امام تھے، علم و فضل میں کمال کیساتھ تقویٰ و تدین اور زہد و ورع میں نہایت ممتاز تھے، ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے کسی وقت خدا سے غافل نہیں رہتے تھے، آپنے مکہ میں پچاس برس قیام کیا قطب یونینی کا بیان ہے کہ مجھکو انکی زیارت کا بیحد شوق تھا جب میں نے ۶۷۲ھ میں حج کیا تو میری دیرینہ تمنا برآئی میں نے شرف زیارت حاصل کیا اور مجھکو ان کی توجہ و دعا کا وافر حصہ نصیب ہوا، حافظ ذہبی کتابت کے ذریعہ ان سے روایت کرتے تھے، آپکی وفات ۶۷۴ھ میں ہوئی۔

عارف باللہ سید احمد بدوی مصری

آپکے والد سید علی نے ملک مغرب میں اقامت اختیار کرلی تھی، وہیں شہر فاس میں آپ کی ولادت ہوئی، ذرا بڑے ہوئے تو قرآن پاک یاد کیا، اور کچھ فقہ شافعی کی تعلیم پائی، دس برس کے تھے تو آپکے والد آپ کو اور آپکے دو بھائیوں کو لیکر حج کے ارادہ سے مکہ آئے اور وہیں مقیم ہوگئے، جب آپکی عمر ۳۱ برس کی ہوئی تو والد کا انتقال ہوگیا، اسکے بعد غیبی اشارہ کی بناپر آپ پہلے بغداد وہاں سے مصر چلے آئے اور آخر تک وہیں رہے، جب مصر پہونچے سلطان الظاہر بیبرس شاہ مصر و شام نے اپنے لشکر کے ساتھ آپکا استقبال کیا اور ان کا بڑا اکرام بجالایا، ۶۳۴ھ میں آپ مصر پہونچے تھے، آپ ہر وقت منہ پر دوہری نقاب ڈالے ہوئے رہتے تھے، اس لئے مکہ ہی میں آپ بدوی کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے بہت سے خوارق مشہور ہیں، شیخ تقی الدین بن دقیق العید آپ سے ملنے کے لئے گئے تھے، ۶۷۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی طنتدا (مصر) میں آپکا مزار ہے (شذرات) آج تک وہاں بڑا اجتماع ہوتا ہے، اور اس اجتماع میں عوام شریعت کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔

قاضی القضاۃ صدر الدین سلیمان اذرعی

اپنے عہد میں شیخ الحنفیہ تھے، شیخ جمال الدین حصیری کے آخری ممتاز شاگرد تھے، قاضی ابن العدیم کے بعد مصر و شام و دیگر بلاد اسلامیہ کے قاضی القضاۃ تھے، حکومت کی طرف سے انکو اجازت تھی کہ وہ جہاں کہیں بھی وارد ہوں وہاں اپنا حکم نافذ کر سکتے ہیں۔

آپ الملک الظاہر بیبرس کے سفر حج میں بادشاہ کے ہمرکاب تھے، آپکی وفات ۶۷۷ھ میں ہوئی۔

عز الدین بن غانم واعظ

عبد السلام بن احمد نام تھا، بیت المقدس وطن تھا، بڑے فصیح و بلیغ شاعر اور جادو بیان واعظ تھے، ان کا وعظ ابن الجوزی کے ٹکر کا ہوتا تھا، بڑے بڑے ائمہ علم و تقویٰ ان کے وعظ میں شریک ہوتے تھے، ایک دفعہ حج کو گئے تھے تو کعبہ شریف کے سامنے انھوں نے نہایت عالمانہ اور مؤثر وعظ کہا، جسکو سامعین نے نہایت مفید، اور نہایت بلیغ وعظ قرار دیا، اس وعظ میں شیخ تاج الدین ابن الفزاری، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور شیخ احمد بن عجیل جیسے اکابر اولیا اور ائمہ علم بھی شریک تھے، یہ واقعہ ۶۶۷ھ کا ہے، شیخ عز الدین کی وفات ۶۷۸ھ میں ہوئی (ابن کثیر)

حافظ ابن نقطہ

محمد بن عبد الغنی نام اور بغداد وطن تھا، طلب علم کیلئے انھوں نے بکثرت سفر کئے تھے جب مکہ پہونچے تو حج کے ساتھ انھوں نے یحیی بن یاقوت سے حدیثیں بھی سنیں، فنون حدیث میں انھوں نے بڑا کمال پیدا کیا اور نہایت عمدہ کتابیں لکھیں، وہ پڑھتے بھی بہت خوب تھے اور خط بھی نہایت پاکیزہ تھا، ان خوبیوں کے ساتھ نہایت متقی اور زاہد بھی تھے، حافظ ضیا مقدسی و برزالی وغیرہما ان کے علم و دیانت و ثقاہت کے بڑے مداح ہیں، حافظ منذری وغیرہ نے ان سے

حدیثیں روایت کی ہیں، ابن ماکولا کی کتاب الاکمال کا دو جلدوں میں انھوں نے ذیل لکھا، انکی ایک عمدہ تصنیف کتاب التقیید بمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید بھی ہے، ۶۲۹ھ میں انکی وفات ہوئی،

ابن شداد حلبی

یوسف بن رافع نام تھا، قرارت، عربیہ اور فقہ وغیرہ کے بڑے ماہر عالم تھے، پہلے درس وتدریس کا مشغلہ تھا، ۵۸۳ھ میں حج کرنے کے بعد شام کے مقامات مقدسہ کی زیارت کیلئے شام آئے، یہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دربار میں ان کی بہت قدر ومنزلت ہوئی اور سلطان نے ان کو لشکر اور بیت المقدس کا قاضی مقرر کر لیا، سلطان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ظاہر کے پاس حلب چلے گئے، ظاہر نے ان کو حلب کا قاضی اور اوقاف کا ناظر مقرر کیا اور بہت سی جاگیریں ان کو عطا کیں، اس طرح ان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، اور ان کا اتنا رسوخ بڑھا کہ حلب کی حکومت گویا وہی چلاتے تھے مورخین کا خیال ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے قاضی ابو یوسف تھے، چونکہ لاولد تھے اس لئے ساری دولت نیک کاموں میں صرف کی حلب میں ایک مدرسہ اور اس کے پہلو میں ایک دار الحدیث تعمیر کرایا ۶۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ابو الیمن ابن عساکر

عبد الصمد بن عبد الوہاب نام تھا، زین الامنار کے پوتے تھے، اپنے دادا اور شیخ موفق الدین کے شاگرد تھے، نہایت صالح، خوش اخلاق اور جید عالم تھے، شعر بھی خوب کہتے تھے، چالیس یا تیس برس مکہ میں مجاور رہے، وزیر ابن حنا نے ان کو منصب تدریس سپرد کرنے کیلئے دمشق آنے کی دعوت دی تو انھوں نے جواب میں یہ نظم لکھ کر بھیجدی ؎

یامن دعانی الی ابوابہ کرما ۔۔۔ انی الی باب بیت اللہ ادعوکا

اے وزیر تم نے مجھکو اپنے دروازہ پر از راہ کرم بلایا ہے۔ میں تم کو اللہ کے دروازہ پر بلاتا ہوں

ومن حدا نی الی تدریس ملا سة | انی الی السعی والطواف احداو کا

آپ نے مجھے مدرسہ میں درس دینے کیلئے دعوت دی ہے۔ میں آپ کو سعی وطواف کے لئے دعوت دیتا ہوں

ابیت الله جارا لا الوذ بما | سواہ وھذا القدر یکفیکا

میں خدا کا ہمسایہ ہو کر رات گذارتا ہوں اس کے سوا کسی دوسری کی پناہ نہیں لیتا ہوں، بس تم کو اتنا ہی کافی ہے

وانثنی طائفا من حول کعبته | اری ملوك الدنیا عندی ممالیکا

میں اس کے کعبہ کا طواف کر کے لوٹتا ہوں .... تو مجھکو دنیا کے سلاطین غلام نظر آتے ہیں،

آپکی وفات ۶۸۲ھ میں ہوئی، مدینہ منورہ میں مدفون ہیں، شامی و مصری حجاج انکے بڑے معتقد تھے۔

قطب الدین ابن القسطلانی مالکی

محمد بن احمد بن علی نام تھا، ان کے والد کا ذکر آچکا ہے، انھوں نے شیخ شہاب الدین کی صحبت اٹھائی ہے اوران سے حدیثیں سنی ہیں، ان کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے، اللہ نے ان کو علم وعمل دونوں سے نوازا تھا، تقوی وخشیت الٰہی ان کا امتیازی وصف تھا، نہایت دلیر، کریم النفس وایثار پیشہ تھے، مکہ ہی میں پیدا ہوئے تھے اور مدتوں وہیں رہے لیکن چونکہ مشہور وجودی صوفی ابن سبعین کے خیالات اوران کے اقوال سے ان کو سخت اختلاف تھا اور ابن سبعین کے رد میں انھوں نے کتاب بھی لکھی تھی اور حاکم مکہ ابن سبعین کا طرفدار تھا، اس لئے حاکم کی طرف سے یہ مطمئن نہیں تھے، ادھر مصر میں دارالحدیث کاملیہ کے شیخ الحدیث کی جگہ خالی تھی، لوگوں کی نظر انتخاب ان پر پڑی اور آپکو وہاں مدعو کر لیا گیا، آخر تک آپ کاملیہ کے شیخ الحدیث رہے تا آنکہ ۶۸۶ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا، آپ کے یہ دو شعر یاد کرنے کے قابل ہیں ؎

اذا طاب اصل المرء طابت فروعه | ومن غلط جاءت ید الشوك بالورد

وقد یخبث الفرع الذی طاب اصله | لیظهر صنع الله فی العکس والطرد

(ابن کثیر، شذرات ومرآة)

الحاج یاسین مغربی حجام

اوپر گذر چکا ہے کہ امام نووی جیسے علم وفن کے امام اور ولی کامل آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور ان سے فیض وبرکت حاصل کرتے تھے اور ان کی شاگردی اختیار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے، امام یافعی نے ان کو السید الجلیل.... الشیخ یاسین کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور حافظ پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے نہایت معمولی اور ان کے رتبہ سے کمتر الفاظ میں محض الحاج یاسین المغربی الحجام الاسود کہکر ذکر کیا ہے جو ان کے نیز نووی کے احترام کے نامناسب ہے وہ بہت تعظیم وتفخیم وتبجیل وتکریم کے مستحق تھے، آپ کی وفات ۶۸۰ھ میں ہوئی (مرآۃ) آپ جراحی کرتے تھے، اور چونکہ متعدد مقامات پر آپ کا وصف مزین بھی مذکور ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ حجامت بھی بناتے تھے، ابن کثیر ان کے اوصاف میں الشیخ الصالح اور شیخ الشیخ محی الدین النواوی کے الفاظ لکھے ہیں اور فرمایا ہے کہ انھوں نے بیس حج کئے تھے۔

ابوالفضائل رضی الدین حسن صغانی لاہوری

حسن بن محمد نام تھا، لاہور میں ۵۷۷ھ میں ولادت ہوئی، غزنہ (غزنی) میں نشو ونما پائی ۶۱۰ھ میں عدن آئے اور وہاں حدیثیں سنیں اور معالم السنن (خطابی) کا درس دیا یہ کتاب انکو بیحد پسند تھی کہتے تھے کہ خطابی نے خوب تیار ہوکر اسکو لکھا ہے، یہ یاقوت کی روایت ہے، یاقوت سے انکی پہلی ملاقات عدن میں ہوئی، عدن سے یمن اور وہاں سے حج کیلئے ۶۱۳ھ میں مکہ آئے، یاقوت نے اس سال مکہ میں ان سے ملاقات کی تھی اور یہی انکی آخری ملاقات ہے، اسکے بعد ۶۱۵ھ میں بغداد آئے اور ۶۱۷ھ میں خلیفہ بغداد کی طرف سے بادشاہ ہندوستان (شمس الدین التمش) کے پاس سفیر ہوکر آئے اور ہندوستان میں تقریباً سات برس رہ کر ۶۲۴ھ میں بغداد واپس ہوئے پھر اسی سال دوبارہ سفیر ہوکر ان کو ہندوستان آنا پڑا، اس دفعہ غالباً بارہ سال کے بعد ۶۳۷ھ میں پھر بغداد واپس آئے اور

یہیں ۶۵۰ھ میں وفات پائی — صغانی علم نحو اور لغت اور حدیث کے امام تھے، ذہبی کا قول ہے

کان الیہ المنتھی فی معرفۃ اللغۃ یعنی لغت دانی ان پر ختم تھی، یاقوت اور سیوطی نے ان کو

ائمہ ادب و نحو میں شمار کیا ہے، ذہبی وغیرہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ دیانت و امانت کے ساتھ

ان کو فقہ و حدیث میں بھی بڑی بصیرت تھی،

اب سنئے کہ لغت میں ان کا پایہ یہ تھا کہ صاحب قاموس جن کی کتاب پر آج عموماً حل لغات کا دارمدار ہے ان کا اکثر سرمایہ صغانی کی تصنیفات عباب وغیرہ ہیں، عباب کے علاوہ لغت میں ان کی دوسری تصانیف بھی ہیں مثلاً مجمع البحرین، التکملہ علی الصحاح، الشوارد فی اللغات اور الاضداد وغیرہ۔

اور فن حدیث میں انکی سب سے زیادہ مقبول کتاب مشارق الانوار ہے، اسکے سوا بخاری کی شرح، اور در السحابۃ فی وفیات الصحابہ اور مصباح الدجی اور الشمس المنیرہ وغیرہ انکی تصنیفات میں ہیں

مشارق الانوار کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ حاجی خلیفہ نے تقریباً انکی بیس شروح و حواشی کے نام کشف الظنون میں گنائے ہیں، اردو میں اس کا نہایت مستند ترجمہ مع فوائد کے مولانا خرم علی بلہوری نے لکھا ہے جو بار بار طبع ہو چکا ہے

یاقوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صغانی نے کم از کم دوبار حج کیا ہے، ایک یمن جانے سے پہلے اور دوسرا یمن جانے کے بعد، یاقوت نے مناسک حج کے باب میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو اپنے ان شعروں پر ختم کیا ہے، انکو آپ بھی پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ ان کو حج کا کیسا بے پایاں شوق اور کعبہ کے ساتھ کس درجہ کا عشق تھا ؎

شوقی الی الکعبۃ الغراء قد زادا — فاستحمل القلص الوخادۃ الزادا

اراقک الحنظل العاقی منجعا — وغیرک انتجع السعدان وارتادا

اتعبت سرحلہ حتی آض عن کثب — نیا قها ارزحا والصعب منقادا

فاقطع علائق ما ترجوه من نشب — واستودع الله اموالا واولادا

امام صغانی نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ میری نعش مکہ معظمہ میں دفن کی جائے، اور جو شخص نعش لیجانے کو آمادہ ہو اسکے لئے پچاس دینار کی وصیت بھی کی، اس لئے بروقت تو بغداد میں دفن کر دیئے گئے مگر بعد میں ان کی وصیت کے مطابق ان کی نعش کو مکہ لیجا کر دفن کیا گیا (جواہر، یاقوت مرآۃ، بغیہ وغیرہ)

نواب صدیق حسن خاں نے نقل کیا ہے کہ وہ ایک عرصہ تک مکہ میں مجاورت کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انھوں نے مشارق الانوار کے دیباجہ میں اپنے کو الملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ (اللہ کے حرم میں پناہ لینے والا) لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مکہ میں مجاور تھے اور اسی زمانہ میں یہ کتاب انھوں نے لکھی ہے۔

فقیہ یمن، ولی کبیر، عارف باللہ ابن عجیل

آپ کا نام احمد بن موسیٰ تھا، آپ کا خاندان اہل علم وصلاح کا خاندان تھا، آپکے والد فقہ واصول کے بڑے عالم اور مفتی تھے، ابن عجیل بچپن ہی سے نہایت نیک اور علم کے دلدادہ تھے کبھی کسی نے کھیل کود میں انکو نہیں پایا، اپنے چچا ابراہیم کی خدمت میں بارہ برس رہکر تمام فنون میں مہارت پیدا کی اسکے بعد دوسرے اساتذہ سے علم حاصل کیا مثلاً مکہ میں ابن مسدی (مغربی) اور اسحٰق بن ابی بکر طبری وغیرہما سے، ابن عجیل سے جن لوگوں نے علم ظاہر و باطن میں استفادہ کیا انکی فہرست بہت طویل ہے جن میں علی ابن ابراہیم بجلی، ابن الصریدح، علی بن عبداللہ حیرتی اور رضی الدین طبری وغیرہ بہت ممتاز ہیں۔

ابن عجیل یمنی کو حج وزیارت سے بڑا شغف وعشق تھا، اس لئے وہ بکثرت مکہ ومدینہ جایا کرتے تھے اسی وجہ سے حجاز کے خواص وعوام ان کے شناسا تھے جیسا کہ اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں، اور اوپر یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ ابن عجیل نے ایک شیخ اسمٰعیل کی معیت میں حج کیا تھا اور ایک دفعہ ۶۷۵ھ میں وہ ابن غانم کے وعظ میں شریک ہوئے تھے، اس میں شیخ تقی الدین ابن دقیق العید بھی شریک تھے، وہ وعظ کعبہ شریف کے سامنے ہوا اور اس کو تاج الدین فزاری نے قلم بند کیا تھا۔

اہل مکہ ان کی بزرگی وولایت کے معتقد تھے اس لئے ان کی دعائیں لیا کرتے تھے ایک دفعہ کسی نے دعا کی درخواست کی تو انھوں نے رضی الدین طبری کا نام لیکر فرمایا کہ تمہارے یہاں تو ابراہیم موجود ہی ہیں، رضی الدین طبری مسجد حرام میں مقام ابراہیم کے امام تھے امام یافعی کے شیخ الحدیث تھے اور اس فن میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔

یافعی نے ابن عجیل کے علم وتحقیق، زہد وورع اور ان کی سیرت کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کا خیال ہے کہ تقویٰ، تورع اور سادگی میں وہ امام نووی سے آگے تھے، ان کی بزرگی کی شہرت ان کی زندگی ہی میں دور دور پہونچ چکی تھی، یافعی کا بیان ہے کہ ان کی زندگی ایسی سادہ تھی کہ ہمیشہ سرخ باجرا اور مٹھا ان کی خوراک تھی اور بس۔

باطنی مشاغل کے ساتھ شب وروز طلبہ کو علم ظاہر کی تعلیم دینے میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ کوئی مقامات حریری لیکر آجاتا تو اسکو بھی پڑھا دیتے تھے۔ آپ کی وفات ۶۹۰ھ میں ہوئی۔

فقیہ الشام شیخ الاسلام تاج الدین فزاری

آپ کا نام عبدالرحمٰن بن ابراہیم تھا اور ابن سباغ عرف تھا، آپکو لوگ فرکاح بھی کہتے تھے فقہ شافعی میں امامت کا درجہ ان کو حاصل تھا، بقول مورخین اپنے زمانہ میں شیخ المذہب علی الاطلاق تھے، برہان الدین ابن الفرکاح جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے معاصر تھے، آپ ہی کے بیٹے تھے،

تاج الدین فزاری عزالدین بن عبدالسلام اور ابن الصلاح کے شاگرد تھے، اور شیخ الاسلام

ابن تیمیہ اور ابوالحجاج مزی اور قاضی القضاۃ ابن صصری وغیرہم کے استاد تھے، الحاصل علوم وفنون میں انکا پایہ بہت بلند تھا مصنف بھی تھے اور انکی تصنیفات نادرۂ روزگار تھیں،

آپ نے ۶۷۵ھ میں حج کیا تھا، اس سال ابن دقیق العید وابن عجیل وغیرہ بھی حجاج میں تھے اور ان سب حضرات نے کعبہ کے سامنے ابن غانم کا تاریخی وعظ سنا تھا اور اسکو تاج الدین فزاری ہی نے قلم بند کیا تھا۔ تاج الدین کی وفات بھی ۶۹۰ھ میں ہوئی۔

ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ اذکیار عالم میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو اجتہاد کے مرتبہ کو پہونچے تھے، اور قطب یونینی نے کہا کہ ملک شام اور اسکے اطراف کے تمام قاضی ان کے شاگرد تھے اور اسکے ساتھ وہ قناعت وایثار پیشہ بھی تھے، بڑے صاحب کرم، نرم اخلاق اور صاحب وقار تھے۔

(شذرات، ابن کثیر، مرآۃ)

علی بن ابراہیم بجلی یمنی

آپ شیخ ابن عجیل یمنی کے ممتاز شاگردوں میں تھے، اعلی درجہ کے فقیہ ہونے کے ساتھ ولی کامل بھی تھے، مہذب (فقہ شافعی کی کتاب) کے مسائل نوک زبان تھے، ان کے حلقہ درس سے (۸۰) سے زیادہ مدرس پیدا ہوئے، جب انکے استاذ وشیخ زندہ تھے تو وہ یمنی قافلوں کو گویا اپنی نگرانی میں لیکر حج کے لئے جایا کرتے تھے، ان کے بعد علی بن ابراہیم کا یہی معمول تھا، ان کی معیت میں امام یافعی نے بھی سفر حج کیا ہے، جوانی میں انھوں نے سالہا سال پیدل سفر کر کے حج کئے ہیں اسی زمانہ میں ایک بار وہ مدینہ منورہ کے قریب پہونچے تو ابن عجیل (جو اس سال مدینہ میں تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منامی اشارہ کی بنا پر ان کے استقبال کو نکلے تو دیکھا کہ سات آدمیوں کے مختصر سے قافلہ میں علی اپنی پیٹھ پر مشک باندھے چلے آرہے ہیں۔

ان کے بیٹے ابراہیم بھی اپنے باپ کے سچے خلف اور مقبول حق تھے، ایک دفعہ وہ اپنے والد کے ساتھ مدینہ میں مساجد فتح کی زیارت کرنے گئے تھے، راستہ میں ایک کتا بھونکنے لگا اور تنگ کیا تو ابراہیم نے اسکے منہ پر تھوک دیا، تھوکتے ہی کتا مر گیا تو ان کے والد بہت غضبناک ہوئے کہ بلاضرورت

شدید کرامت کا اظہار کیوں کیا (مرآۃ ص۲۱۱/۲)

قاضی القضاۃ شہاب الدین ابن الخوی[۱]

آپ کا نام محمد بن احمد بن خلیل تھا (ابن کثیر) یا احمد تھا (شذرات) آپ کے والد بھی قاضی القضاۃ تھے بہت سے علوم وفنون کے جامع تھے مصنف بھی تھے، ایک ایسی کتاب بھی لکھی ہے جو بیس فنون پر مشتمل ہے، بکثرت حدیثوں کا سماع بھی ان کو حاصل تھا اور اس فن سے انکو محبت تھی، قضا کا محکمہ سنبھالنے کے ساتھ عادلیہ اور غزالیہ میں درس بھی دیتے تھے ابن کثیر نے لکھا ہے

کان من حسنات الزمان واکابر العلماء الاعلام،

آپ نے ۶۸۹ھ میں امیر بدر الدین بکتوت (شامی امیر الحج) اور وزیر ابن سلعوس وغیرہ کی معیت میں حج کیا تھا، اس سال امیر عقبہ اور ابونمی حاکم مکہ کے آدمیوں میں جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے حجاج کو بڑی پریشانی پیش آگئی تھی تو آپ ہی نے درمیان میں پڑکر مصالحت کرائی اور لوگ اطمینان سے حج کر سکے (ابن کثیر ص۳۱۱/۱۳) سباعی نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں فریقین کے چار ہزار آدمیوں کی جانیں ضائع ہوئیں، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب صلح ہوگئی تو سب لوگ چل دیئے اور قاضی خوی حرم میں تنہا رہ گئے ابونمی نے انکو تعظیم واکرام کے خیال سے اپنا آدمی ساتھ کر کے پہونچوایا۔ آپکی وفات ۶۹۳ھ میں ہوئی

شیخ العراق عز الدین فاروثی[۲]

آپ کا نام احمد بن ابراہیم تھا، آپ نہایت محقق اور جامع فنون عالم، واعظ، قاری مفسر اور خطیب تھے، نیز بہت بڑے شیخ طریقت بھی تھے، مریدوں کی تربیت خوب فرماتے تھے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاتھ سے خرقہ پہنا تھا، حرمین وعراق ودمشق میں بکثرت حدیثیں سنی تھیں، آپنے ایک مدت تک مکہ معظمہ میں مجاورت کی سعادت حاصل کی اسی زمانہ میں

---

[۱] خوی بضم الخاء وفتح الواو بعدہا یاء (شذرات) [۲] فاروث لب دریائے دجلہ ایک گاؤں ہے (شذرات)

قاضی حرم نجم الدین محمد طبری نے آپ سے حاوی صغیر کا درس لیا، ۶۹۱ھ میں شام چلے آئے اور دار الحدیث ظاہریہ کے شیخ الحدیث قرار دیئے گئے، پھر خطابت کیلئے بھی انھیں کا انتخاب ہوا لیکن ایک سال کے بعد ان کی جگہ پر موفق حموی خطیب مقرر ہوئے اس لئے وہ حجاج کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے مگر واسط پہونچکر ان کا انتقال ہوگیا، کتابوں کے بڑے شایق تھے ان کے کتب خانہ میں دو ہزار جلدیں تھیں، بڑے عبادت گذار بھی تھے، ۶۹۴ھ میں وفات ہوئی (مرآة) برزالی نے ان سے بخاری و ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ کی سماعت کی ہے (ابن کثیر)

شیخ الاسلام ابوالفرج ابن قدامہ مقدسی

عبد الرحمٰن بن محمد نام تھا، شیخ الاسلام موفق مصنف مغنی کے بھتیجے اور شاگرد تھے، اپنے زمانہ میں رئیس الحنابلہ بلکہ رئیس العلماء تھے، ان کے درس و افتاء سے لوگوں کو بہت نفع پہونچا، عوام و خواص میں ان کی عظمت اور بادشاہوں کے دلوں میں ان کی ہیبت تھی، بڑی ٹھوس دیانت اور تقویٰ کے مالک تھے، ذہبی نے ان کو "عبادت گذاروں کا پیشوا اور اپنے وقت کا یکتا" کہا ہے۔ امام نووی کا قول ہے کہ وہ میرے استادوں میں سب سے بڑے ہیں، یہ بھی فرمایا ہے کہ انکی امامت و جلالت پر اتفاق تھا، انھوں نے تین حج کئے، آخری حج کا یہ قصہ ہے کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو طلب فرما رہے ہیں چنانچہ بلا تاخیر اسی سال حج کیا اور انکو بہت کچھ روحانی فتوحات حاصل ہوئے، نماز تہجد اور نماز چاشت پر مداومت کرتے تھے، مغرب و عشا کے درمیان بھی جتنا ممکن ہوتا ضرور پڑھتے، بادشاہوں کے عطیے جو انکو ملتے تھے وہ دوسروں کو دیدیتے تھے، عام آدمیوں سے تواضع کیساتھ پیش آتے اور بادشاہوں سے خودداری برتتے تھے، جنکو بیمار سُن پاتے انکی عیادت کرتے، اسی طرح عموماً جنازوں میں بھی شرکت فرماتے تھے، بارہ برس قاضی رہے مگر تنخواہ نہیں لی، ابن تیمیہ بھی انکے شاگرد تھے اور ابن تیمیہ انکے بجید مداح تھے، انکی وفات پر اپنے شدید تاثرات کا اظہار کیا تھا، ۶۸۲ھ میں انکی وفات ہوئی (شذرات)

امام علامہ جلال الدین خبازی

عمر بن محمد نام تھا خجندی الاصل تھے، دمشق میں سکونت تھی، بہت بڑے فقیہ، بڑے زاہد و متقی اور نہایت عبادت گذار تھے، فقہ و اصول میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، مفتی و مدرس تھے پہلے معزیہ برانیہ (دمشق) میں مدرس تھے پھر ایک سال مکہ میں مجاورت کے بعد دمشق آکر مدرسہ خاتونیہ میں درس دینا شروع کیا ۶۹۱ھ میں وفات پائی، ذہبی و برزالی نے انکے فضل و زہد کی تعریف کی ہے۔
(شذرات و جواہر)

فخر بعلبکی

عبد الرحمن بن یوسف نام تھا، ابو محمد کنیت تھی، حنبلی المذہب فقیہ و مفتی اور محدث تھے فقیہ یونینی اور نووی وغیرہما کی صحبت میں رہے تھے، یونینی انکو اپنی اولاد سے بڑھکر مانتے تھے، اور انھیں کو امام مقرر کر کے ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، ان کا معمول تھا کہ رات کے آخری تہائی حصہ میں التزاماً تہجد پڑھتے تھے اور مغرب و عشا کے درمیان قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے اور ایام بیض (ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) اور شوال کے چھ دن، اور عشرہ ذی الحجہ و محرم میں روزہ ضرور رکھتے تھے، اس میں خلل نہیں واقع ہونے دیتے تھے، قطب الدین یونینی کا بیان ہے کہ میں مکہ کے راستہ میں انکا رفیق سفر رہا ہوں میں نے ان کی دیانت و عبادت اور حسن اوصاف کی مثال شاذ و نادر ہی دیکھی ہوگی، آپ کی وفات ۶۸۸ھ میں ہوئی (شذرات)

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

شرف الدین نام مصلح لقب اور سعدی تخلص تھا، ۵۸۹ھ میں یا اسکے قبل پیدا ہوئے بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں شیخ ابو الفرج ابن الجوزی کی خدمت میں تحصیل علم کی، اسکے بعد ایک مدت دراز تک سیر و سیاحت میں رہے، انھوں نے ایشیاے کوچک، بربر، حبش، مصر، شام، فلسطین

آرمینیا، کاشغر، ہندوستان وغیرہ کا سفر کیا، اور سیاحت کے سلسلہ میں بکثرت علما وصلحا اور اولیا کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے، غالباً شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت تھے جیسا کہ گلستاں کے ایک قطعہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ شیخ کی تصنیفات گلستاں اور بوستاں پند ونصائح اور حکمت وسیاست کے موضوع پر اس قدر مقبول ہوئیں کہ ایسی مقبولیت معدودے چند ہی کتابوں کو نصیب ہوئی ہوگی، ان کتابوں میں شیخ کا انداز بیان اس قدر شیریں اور اتنا دلفریب ہے کہ اس قسم کی دوسری کسی کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

شیخ کو حج سے بڑا شغف اور اس پاک سرزمین سے انکو والہانہ عقیدت تھی، اکثر تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے چودہ حج پاپیادہ کئے ہیں، اور خود شیخ کے کلام سے تعداد کی تو نہیں مگر پاپیادہ حج کرنے کی تصدیق ہوتی ہے، شیخ گلستاں میں فرماتے ہیں کہ مکہ کے بیاباں میں ایک رات جاگتے جاگتے چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تو میں زمین پر سر رکھکر پڑ رہا اور شتربان جو قافلہ میں تھا اس سے میں نے کہا بس اب ہم سے ہاتھ اٹھالے ؎

پائے مسکیں پیادہ چند رود — کز تحمل ستوہ شد بختی

تا شود جسم فربہے لاغر — لاغرے مردہ باشد از سختی

یعنی پیدل چلنے والے مسکین کے پیر کب تک چلیں، کہ اب تو بختی اونٹ کے برداشت سے بھی باہر ہو گیا جب تک کسی موٹے کا جسم لاغر ہوگا، اتنے دنوں میں دبلا آدمی سختی کی وجہ سے مرجائے گا،

شتربان نے کہا کہ بھائی! حرم مکہ سامنے ہے اور ڈاکو چور پیچھے ہیں اگر ہمت کر کے تھوڑا اور چلو تو میدان مارلوگے اور اگر پڑ کے سو گئے تو ہلاکت کے سوا دوسرا کوئی نتیجہ نہیں ہے، کہا گیا ہے کہ ؎

خوش است زیر مغیلاں براہ بادیہ خفت — شب رحیل و لے ترک جاں بباید گفت

یعنی ببول کے درخت کے نیچے میدان میں سوتے ہوئے تو بہت اچھا لگتا ہے مگر اسکے لئے جان دینے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے (گلستاں ب۲) بوستاں میں بھی اسی طرح کا ایک قصہ لکھا ہے جو بیابان فید میں ان کو پیش آیا تھا۔ شیخ نے اپنے سفر حج کے متعدد واقعات خود بیان کئے ہیں جو سننے کے قابل ہیں

گلستاں میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص ننگے پیر اور ننگے سر پیادہ پا حج کرنے کا ارادہ کرکے کوفہ سے حجاز جانے والے قافلہ کے ساتھ ہوا، میں نے جو معلوم کیا تو اسکے پاس روپیہ پیسہ بھی نہیں تھا، باایں ہمہ بالکل مستانہ چال سے قافلہ کے ساتھ یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا ؎

نہ بر اشتر بر سوارم نہ چو اشتر زیر بارم | نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم
غم موجود و پریشانیِ معدوم ندارم | نفسے میزنم آسودہ و عمرے بسر آرم

یعنی میں نہ اونٹ پر سوار ہوں نہ اونٹ کیطرح بوجھ سے دبا ہوں نہ رعایا کا مالک ہوں نہ بادشاہ کا غلام ہوں نہ حاضر کا غم ہے نہ غائب کی پریشانی ہے، آرام سے سانس لے رہا ہوں اور عمر پوری کر رہا ہوں،

ایک شتر سوار نے اس سے کہا کہ اے درویش کہاں جا رہا ہے، لوٹ جا ورنہ تکلیف سے مر جائےگا اس نے ایک نہ سنی اور چلتا رہا، جب نخلہ بنی محمود میں قافلہ پہونچا تو اتفاق دیکھئے کہ وہ شتر سوار مالدار مر گیا، اسوقت اس درویش نے اسکے سرہانے جا کر کہا کہ، ما بسختی نمردیم وتو بر بختی بمردی، یعنی ہم تو سختی سے نہیں مرے مگر تم بختی (اونٹ) پر مر گئے! (گلستاں ۲ؒ)

ایک دوسرا واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سفر حجاز میں چند ہمدم و ہمقدم اور صاحب دل جوانوں کا ساتھ ہو گیا تھا وہ کبھی کبھی جوش میں آ کر کوئی محققانہ شعر ترنم کے ساتھ پڑھ دیا کرتے تھے، قافلہ میں ایک عارف و متقی بزرگ بھی تھے وہ ٹوکا اور ڈانٹا کرتے تھے، جب ہم نخیل بنی ہلال میں پہونچے تو وہاں کی آبادی سے ایک حبشی بچے نے نکلکر ایسی پر درد اور دل ہلا دینے والی آواز سے ایک شعر پڑھا کہ اڑتی ہوئی چڑیاں فضا میں رک گئیں اور ان بزرگ کا اونٹ ناچنے لگا وہ دھم سے زمین پر آ گئے اور اونٹ جنگل کی طرف نکل گیا (گلستاں ۲ؒ)

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ حجاز جانے والے قافلہ میں ایک خرقہ پوش بزرگ بھی تھے، انکو عرب کے ایک امیر نے منیٰ میں قربانی کرنے کیلئے سو دینار دئے تھے، جاتے جاتے ایک مقام پر قبیلہ بنو خفاجہ کے چوروں نے ہم پر چھاپہ مارا اور جتنا کچھ تھا سب لوٹ لے گئے، دوسرے تمام لوگوں نے تو رونا دھونا چیخنا چلانا اور بے کار واویلا مچانا شروع کیا مگر اس خرقہ پوش پر کوئی اثر نہ تھا

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ ہوا ہی نہیں، میں نے اس سے کہا شاید وہ رقم (جو امیر عرب نے دی تھی) چور نہیں لے گئے، فرمایا لے کیوں نہیں گئے، لیکن مجھکو اس سے ایسی الفت نہیں تھی کہ اس کے جانے کا قلق ہو ؎

نبا ید بستن اندر چیز و کس دل　　　که دل برداشتن کاریست مشکل

ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بدو کو دیکھا جو اپنے لڑکے سے کہہ رہا تھا یا بنیَ انک مسئول یوم القیمۃ ماذا اکتسبت ولا یقال بمن انتسبت یعنی قیامت میں تم سے یہ سوال ہوگا کہ تمہارے پاس ہنر کیا ہے، یہ سوال نہ ہوگا کہ تمہارا پدر کون تھا ؎

جامۂ کعبہ را کہ می بوسند　　　او نہ از کرم پیلہ نامی شد

با عزیزے نشست روزے چند　　　لاجرم ہمچو او گرامی شد

یعنی کعبہ کے غلاف کو جو بوسہ دیتے ہیں تو اسکو یہ عزت ریشم کے کیڑے کی وجہ سے نہیں ملی ہے بلکہ ایک قابل عزت واحترام شی (کعبہ) کے ساتھ اسکو چند دن صحبت کا شرف حاصل ہوا اس لئے وہ بھی معظم ومحترم ہوگیا (گلستاں ب)

ساتویں باب میں فرماتے ہیں کہ ایک سال پیدل جانے والے حاجیوں میں جھگڑا ہوگیا، اس سفر میں میں بھی پیدل تھا، حق بات ہے کہ ہم خوب لڑے اور فسوق وجدال کی اچھی طرح داد دی، ہمارا یہ حال دیکھکر ایک حاجی جو کجاوہ میں سوار تھا اپنے ساتھی سے بولا کہ عاج (ہاتھی دانت) کا پیادہ تو شطرنج کی بساط میں مسافت طے کرکے فرزین (یعنی پہلے سے بہتر) ہوجاتا ہے اور حاج (حاجیوں) کا پیادہ اپنا راستہ قطع کرکے پہلے سے بدتر ہوگیا ؎

از من بگوئے حاجی مردم گزا را　　　کو پوستین خلق بآزار می درد

حاجی تو نیستی شتر ست از برائے آنکہ　　　بیچارہ خار می خورد و بار می برد

یعنی آدمیوں کو کاٹ کھانے والے حاجی سے جو مخلوق خدا کو آزار دیتا ہے میری طرف سے کہدے کہ تو حاجی نہیں ہے، بلکہ اونٹ حاجی ہے کہ وہ بیچارہ کانٹے کھاتا ہے اور بوجھ ڈھوتا ہے،

اور سب سے زیادہ مؤثر اور رقت خیز و درد انگیز یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ آستان کعبہ پر اپنا سر رگڑ رہا تھا اور رو رو کر کہہ رہا تھا کہ اے غفور رحیم تو جانتا ہے کہ ظلوم

وجہول انسان سے ظلم و نادانی کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے ؎

عذر تقصیر خدمت آوردم　　　که ندارم بطاعت استظہار
عاصیاں از گناہ توبہ کنند　　　عارفاں از عبادت استغفار

یعنی میرے پاس طاعت وعبادت نہیں ہے کہ اس سے مجھ کو تقویت حاصل ہو اس لئے میں خدمت میں کوتاہی کی صرف معذرت لایا ہوں، گناہگار گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور عارف لوگ اپنی عبادتوں کی خامیوں سے استغفار کرتے ہیں۔

عبادت گذار بندے عبادتوں کا ثواب مانگتے ہیں اور تاجر لوگ سودے کی قیمت، لیکن میں ایک بیکس غلام ہوں امید لایا ہوں نہ طاعت، اور بھیک مانگنے آیا ہوں نہ تجارت کے لئے، اصنع بی ما انت اھلہ ولا تفعل بنا ما نحن اھلہ (تو ہمارے ساتھ وہ کر جو تیرے لئے سزاوار ہے وہ نہ کر جس کے ہم مستحق ہیں ؎

گر کشی ور جرم بخشی روے و سر بر آستانم　　　بندہ را فرماں نباشد ہرچہ فرمائی برانم

تو چاہے تو ہلاک کردے چاہے تو بخشدے ہمارا منہ اور سر تیرے آستانہ پر ہے، بندہ حکم نہیں دے سکتا جو تیرا حکم اور مرضی ہو ہم اس پر راضی ہیں (قطعہ)

بر در کعبہ سائلے دیدم　　　کہ ہمی گفت و می گریستی خوش
من نگویم کہ طاعتم بپذیر،　　　قلم عفو بر گناہم کش

کعبہ کے دروازہ پر ایک سائل کو دیکھا کہ خوب رو رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت وعبادت قبول فرما، بلکہ میری عرض صرف یہ ہے کہ میرے گناہوں پر معافی کا خط کھینچ دے

شیخ نے اپنی کتاب بوستاں میں بھی بعض واقعات حج لکھے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

مرا حاجیے شانۂ عاج داد　　　کہ رحمت بر اخلاق حجاج باد
شنیدم کہ بارے سگم خواندہ بود　　　کہ از من بنوعی دلش ماندہ بود
بینداختم شانہ کیں استخواں　　　نمی بایدم دیگرم سگ مخواں

پندار چوں سرکہ خود خورم — کہ جور خداوند حلوا برم

یعنی ایک حاجی نے مجھ کو ہاتھی دانت کی ایک کنگھی دی (حجاج کے اخلاق پر خدا کی رحمت ہو) میں نے سنا تھا کہ کبھی اسکو مجھ سے کچھ شکایت ہوگئی تھی اور اس نے مجھکو کتا کہدیا تھا اس لئے میں نے کنگھی اسکی طرف پھینک دی اور کہا مجھکو یہ ہڈی نہیں چاہئے ہاں آیندہ آپ مجھکو کتا نہ کہئے، جب میں اپنے سرکہ پر قناعت کرتا ہوں تو یہ نہ سمجھئے کہ حلوے والے کا ستم برداشت کرونگا (ب)

شیخ نے بوستاں کے دسویں باب میں ایک شوریدہ سر حاجی کی درد و سوز سے بھری ہوئی مناجات نقل کی ہے جسکو پڑھکر ممکن نہیں کہ کوئی آنکھوں پر قابو رکھ سکے، اسکو ہم انشاء اللہ کتاب کے آخر میں نقل کریں گے اور اسی کو خاتمۃ الکتاب قرار دینگے، شیخ کا سال وفات ۶۹۱ھ ہے، شیراز میں مزار ہے۔

سر حلقۂ شاذلیہ شیخ ابو الحسن شاذلی قدس سرہٗ

علی بن عبد اللہ نام تھا، دیار مغرب (شمالی افریقہ) میں اصل وطن تھا، اسکندریہ میں سکونت تھی پہلے اپنے وطن میں علوم شرعیہ کی تحصیل کرکے ایسی مہارت بہم پہونچائی کہ باوجودیکہ بصارت ظاہری نہ تھی مسائل علمیہ میں علماء سے بحثیں کرتے تھے، اسکے بعد انکا میلان تصوف کی طرف ہوگیا اور تزکیۂ باطن کے لئے بڑے بڑے ریاضات و مجاہدات کئے، تاآنکہ غیر معمولی صلاح کا ظہور ہوا، اور اس راہ میں انکی روش کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، پھر سیاحت کا خیال پیدا ہوا اور بہت سے ملکوں کی سیر کے بعد اسکندریہ پہونچے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید جیسے یگانۂ روزگار امام علم و فن اور عارف باللہ نے انکے حق میں فرمایا ہے کہ مَارَأیتُ اَعْرَفَ بِاللّٰہِ مِنْہُ (میں نے ان سے بڑا عارف باللہ نہیں دیکھا) اسکے باوجود انکو اذیت پہونچائی گئی اور دیار مغرب سے انکو مع انکی جماعت کے جلاوطن کیا گیا، اسکندریہ آئے تو ان کے اہل وطن نے یہاں بھی انکی شکایت لکھ بھیجی، یہاں بھی لوگ درپے ایذا ہوئے مگر انکی کرامات کے مشاہدہ کے بعد انکے معتقد ہوگئے، اور ایسے معتقد ہوئے کہ جب انکی سواری نکلتی تھی تو اکابر فقراء کے

علاوہ بڑے بڑے رؤسا و امرا انکی سواری کے ساتھ پیدل چلتے تھے۔

امام شاذلی نے متعدد حج کئے ہیں، بلکہ سفر حج ہی میں انکا انتقال بھی ہوا ہے ۶۵۶ھ میں مکہ جاتے ہوئے صحرائے عیذاب میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔

حافظ عبد العظیم منذری

اکابر مشاہیر حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہے، بیس برس تک مدرسۂ کاملیہ کے شیخ رہے اور نہایت انہماک کے ساتھ علم کے افادہ و افاضہ میں مصروف رہے، انکے کمال علمی کی اس سے بڑی اور کیا شہادت چاہیئے کہ حافظ دمیاطی، ابن دقیق العید اور شریف عز الدین علم حدیث میں اپنی فنی مہارت کیلئے انھیں کے مرہون منت ہیں، انکی کتاب التکملہ لوفیات النقلہ سے اکابر محدثین نے فائدہ اٹھایا ہے اور الترغیب والترہیب سے آج تک علماء فائدہ اٹھا رہے ہیں جو مصر اور ہندوستان سے شائع ہو چکی ہے۔ حافظ منذری کی ایک بہترین تالیف سنن ابوداؤد کی تلخیص بھی ہے جو جلد ہی مصر میں چھپی ہے۔

منذری نے حج کے ساتھ مکہ میں حدیثیں بھی سنی ہیں۔ انکی وفات بھی ۶۵۶ھ میں ہوئی۔

عارف باللہ کواشی مفسر

احمد بن یوسف نام تھا، بڑے محقق مفسر اور ماہر فن قاری، اور زہد و ورع میں بہت ممتاز تھے، حج کے ساتھ بیت المقدس کی زیارت بھی کی تھی، ذہبی نے لکھا ہے کہ زہد و صلاح میں انکی مثال نہیں تھی بادشاہ و امرائے دولت انکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور انکی حاضری کو کوئی اہمیت نہیں دیتے نہ انکے لئے کھڑے ہوتے تھے، بلکہ ان کے آنے سے انکو انقباض ہوتا، انکی کوئی چیز لیتے بھی نہ تھے، انھوں نے دو تفسیریں لکھی ہیں ایک کبیر۔ ایک صغیر، ۶۸۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

امۃ العزیز خدیجہ بنت یوسف

ابن اللتی اور دوسرے محدثین سے بکثرت احادیث روایت کرتی تھیں، خوش نویس تھیں، اور بقول عماد کے عالمہ فاضلہ تھیں، حج بھی کیا تھا ۶۹۹ھ میں انکی وفات ہوئی (شذرات)

حاجّہ زینب

بعلبک کی رہنے والی تھیں، ان کے متعدد اوقاف ہیں، موید طوسی سے اجازۃً روایت احادیث کرتی تھیں، ان کی وفات بھی ۶۹۹ھ میں ہوئی (شذرات)

امیر الحاج ابن السفاری

یوسف بن ابی السفر نام تھا دمشق وطن تھا۔ انھوں نے کئی بار صحیح بخاری سنائی، ناصح اور اربلی وغیرہ سے انکو روایت کا حق حاصل تھا، انھوں نے متعدد بار حج کیا تھا، ۶۹۹ھ میں تاتاریوں کے حملہ کے وقت وفات ہوئی اس لئے ایک صندوق میں ان کی لاش محفوظ کر دی گئی، جب امن ہوا تو یثرب میں لیجا کر ان کو دفن کیا گیا۔ (شذرات)

شیخ جلال الدین تبریزی ہندی

آپ ہندوستان کے اولیائے کبار اور مشہور مشائخ طریقت میں سے ہیں پہلے شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے، پیر کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں آگئے، اور بقول سلطان الاولیار جان و دل سے انکی ایسی خدمتیں کیں کہ دوسرے کسی کو ایسی خدمتیں میسر نہیں آ سکتیں، شیخ شہاب الدین ہر سال حج کرتے تھے، کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے جب تک کھانے کی چیز گرم نہ ہو ان کے مزاج کے موافق نہیں ہوتی تھی، شیخ جلال الدین راستہ بھر ان کے لئے ہر وقت

گرم کھانا ساتھ لئے ہوئے چلتے تھے، جہاں شیخ نے گرم کھانا طلب کیا انھوں نے فوراً حاضر کردیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ شیخ جلال الدین نے بار بار حضرت شیخ کی معیت میں حج کیا ہے آپ حضرت خواجہ قطب الدین کاکی (المتوفی ۶۳۳ھ) کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے، لیکن دہلی کے شیخ الاسلام سے کسی بات میں رنجش ہوئی ہوگی اس لئے آپ کو بنگالہ چلے جانا پڑا، شیخ کا مزار بنگالہ ہی میں ہے (اخبار الاخیار ص ۴۳)

مولانا مجدالدین حاجی

آپ بھی شیخ المشائخ سہروردی کے مرید تھے، آپ نے بارہ حج کئے تھے، شمس الدین التمش کے زمانہ (از ۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ) میں دہلی آئے، التمش نے آپ کو اپنی سلطنت کا صدر مقرر کرنا چاہا آپ راضی نہ تھے مگر مجبور کرنے کی وجہ سے دو سال تک یہ خدمت انجام دی، اور اس مدت میں تمام نظم ونسق درست کرکے مستعفی ہوگئے، شیخ عبدالحق فرماتے ہیں، عید اضحیٰ کے بعد ایام تشریق میں باشندگان دہلی شہر سے نکل کر آپ کے مزار کے پاس جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو مولانا محمد حاجی کا ختم کہتے ہیں

(اخبار الاخیار ص ۴۹)

۷۰۰ھ

امین الدین محمد بن عبدالولی العلی

فقیہ ومحدث وقاری تھے، ذہبی نے کہا ہے کہ وہ بہترین لوگوں میں تھے، میں نے ان سے مدینہ منورہ اور تبوک میں حدیث سنی ہے ۷۰۱ھ میں وفات ہوئی

شیخ الاسلام قاضی القضاۃ حافظ تقی الدین بن دقیق العید

محمد بن علی نام تھا مصر وطن تھا، علم و عمل میں بے نظیر تھے، اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم متبحر اور سب سے بڑے متدین و پرہیزگار تھے، بہت سے علوم میں انکو کمال حاصل تھا خصوصیت سے علم حدیث میں سب سے فائق سمجھے جاتے تھے، آٹھویں صدی کی ابتدار کا مجدد بھی انکو کہا گیا ہے، دیار مصر کے قاضی تھے اور دار الحدیث کاملیہ کے شیخ تھے، شیخ عزالدین بن عبد السلام فرماتے تھے کہ مصر دو شخصوں پر فخر کرتا ہے اسکے ایک طرف (اسکندریہ میں) ابن منیر ہیں اور دوسری طرف (قوص میں) ابن دقیق العید الامام اور اسکی شرح امام، اقتراح اور شرح عمدۃ الاحکام شیخ کی تصنیفات میں بہت بلند پایہ اور انکے علمی کمالات کی آئینہ دار ہیں۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ شیخ نے ۶۹۰ھ میں حج کیا تھا اور مکہ میں آپ ابن غانم کے وعظ میں شریک تھے، شیخ کی وفات ۷۰۲ھ میں ہوئی۔

ابو عبد اللہ محمد بن مطرف اندلسی

آپ نے ساٹھ برس مکہ میں مجاورت و قیام کیا، دن رات میں پچاس طواف کرتے تھے، رمضان ۷۰۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی، حاکم مکہ حمیضہ نے آپ کے جنازہ کو کاندھا دیا تھا، یافعی نے آپ کو شیخ مکہ و عارف باللہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ شیخ ابو محمد شکری نے مکہ سے زیارت نبوی کے ارادہ سے مدینہ جانے کا قصد کیا تو وہ شیخ محمد بن مطرف سے رخصت ہونے کیلئے آئے، شیخ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ فقیر (راستہ کی ایک منزل کا نام ہے) میں پانی نہیں ہے، تم لوگ پیاس کی سخت تکلیف اٹھاؤگے لیکن پھر بارش ہوگی، شیخ ابو محمد چار آدمیوں کے قافلہ میں روانہ ہوئے فقیر پہونچے تو واقعی وہی حال تھا جو شیخ نے بتایا تھا اس لئے وہ لوگ براءین کی طرف ہو لئے مگر پانی کی نایابی اور گرمی کی شدت کا وہی حال رہا لطف یہ کہ کہیں سایہ بھی نہیں تھا غرضیکہ انتہائی تکلیف و پریشانی کی حالت تھی کہ قدرت حق

کا ظہور ہوا، بادل اٹھا اور خوب برسا، پھر توان لوگوں نے خوب نہایا، وضو کیا، پانی پیا اور مشکوں میں بھر کر آگے کو چلے تو چند قدموں کے بعد پانی کا کوئی نشان نہ تھا (شذرات ویافعی)

شیخ الحرم ظہیر الدین محمد بن عبداللہ بغدادی

آپ چالیس برس مکہ میں مجاور رہے، آپ کی وفات ۷۰۸ھ میں ہوئی۔

مسند دمشق وشام محمد بن علی عباسی

ابن الموازینی کے نام سے ان کی شہرت تھی، نہایت دیندار اور زاہد تھے، سماع حدیث کیلئے دور دور سے لوگ انکے پاس آتے تھے، متعدد حج کئے تھے ۷۰۸ھ میں انکی وفات ہوئی۔

(شذرات)

ابو عبداللہ دباہی بغدادی

عارف باللہ اور نہایت صالح و متقی تھے، ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے دنیا کے کاموں سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے، دس برس تک مکہ میں مجاور رہے ۷۱۱ھ میں انکی وفات ہوئی۔

ابو حفص عمر بن عبدالنصیر اسکندرانی

آپ زاہد مشہور تھے امام ذہبی نے ان سے حدیثیں سنی ہیں کئی بار حج کی سعادت حاصل کی تھی ۷۱۱ھ میں وفات ہوئی۔

قاضی الحنابلہ سعد الدین حارثی

مسعود بن احمد نام تھا مشہور حافظ حدیث اور حنبلی مذہب کے قاضی القضاۃ تھے، مفتی و مصنف تھے، مزی و برزالی جیسے ائمہ حدیث نے ان سے حدیثیں سنی ہیں، انھوں نے کئی بار حج کیا تھا ۷۱۱ھ میں وفات ہوئی (شذرات) طوفی جو اپنے کو اشعری حنبلی رافضی کہتا تھا اور صحابہ کی شان میں گستاخیاں

کیا کرتا تھا، اس کو سعد الدین حارثی ہی نے پٹوایا پھر اسکی تشہیر کرا کے قید کرا دیا تھا۔

صفی الدین ہندی

اپنے وقت کے نہایت نامور محقق عالم تھے، ان کا علمی پایہ سمجھنے کیلئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حریف اور مدمقابل تھے ۶۶۷ھ میں دہلی سے چلکر یمن آئے پھر حج کیا اور تین مہینے مکہ میں مجاور رہے مکہ سے پھر یمن آئے ملک مظفر نے انکو چار سو دینار عطا کئے اسکے بعد چار برس مصر میں رہے، گیارہ برس قونیہ وغیرہ (ایشیائے کوچک) میں تحصیل علم کرتے رہے اسکے بعد ۶۸۵ھ میں دمشق آکر وہاں کے مختلف مدارس مثلاً ظاہریہ و اتابکیہ وغیرہ میں درس دیا، علم اصول فقہ، کلام اور ادب میں ان کو بڑا کمال حاصل تھا ۷۱۵ھ میں وفات ہوئی (شذرات و ابن کثیر)

عزالدین ابو حفص مدلجی مصری

عمر بن احمد نام تھا فقہ کے امام تھے، نحو و حساب کے بھی محقق عالم اور نہایت دیندار و زاہد و پرہیزگار تھے ۷۱۶ھ میں عیذاب سے براہ دریا سفر کر کے مکہ آئے اور حج کے بعد یا پہلے انتقال کر گئے (شذرات)

ام محمد زینب بنت احمد مقدسیہ

طلبائے حدیث دور دور سے حدیثیں سننے انکے پاس آتے تھے، انھوں نے مصر اور مدینہ منورہ میں بھی لوگوں کو حدیثیں سنائی تھیں ظاہر ہے کہ مدینہ کا سفر بسلسلۂ حج ہی ہوا ہوگا انکی وفات ۷۲۲ھ میں ہوئی

علامہ ابو عبد اللہ بلنسی مالکی

محمد بن محمد بن علی نام تھا، اندلس وطن تھا تیس برس تک سبتہ میں خطیب رہے وہاں ان لوگوں سے فقہ کا علم حاصل کیا اسکے بعد حج کیلئے آئے اور سات برس مکہ میں رہکر وہیں ۷۲۲ھ میں انتقال کیا۔

ولی کبیر عارف باللہ نجم الدین عبداللہ بن محمد اصبہانی

عارف باللہ ابو العباس مرسی کے مرید و شاگرد تھے، بہت بڑے عارف و ولی تھے، مدتوں مکہ معظمہ میں مجاور رہے، یافعی نے اپنے پہلے اور دوسرے حج میں انکی زیارت کی تھی، یافعی کا بیان ہے کہ پہلی دفعہ میں نے انکو دیکھا تھا تو وہ تندرست و توانا تھے، ہفتہ میں دو بار عمرہ کرتے تھے، اور طواف بکثرت کرتے تھے میں سمجھتا ہوں کہ سات طواف فجر کے بعد، ایک مغرب کے بعد، اور ایک عشا کے بعد کرتے، عشا کے بعد جو طواف کرتے تھے اس میں سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت بھی کرتے جاتے تھے، نیز فجر سے پہلے بھی ایک طواف کرتے تھے، لیکن جب دوسری مرتبہ میں مکہ حاضر ہوا تو وہ اسوقت بیمار تھے گھر سے باہر نکلنے کی سکت نہ تھی۔ یافعی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ان کے ساتھ عمرہ کیا ہے، اور ان کا کلام بھی سنا ہے۔ بعض لوگ ان پر معترض تھے، کہ زیارت نبوی کو نہیں جاتے، اس اعتراض کی اطلاع ان کو ہوئی تو اسکا جواب صوفیہ کے مذاق کے مطابق یہ دیا کہ غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر سفر جائز نہیں ہے انھوں نے جب سے مکہ میں مجاورت کی عرفات سے آگے کبھی نہیں گئے، ۷۲۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی (مرآۃ) یافعی نے آپ کی متعدد کرامتیں نقل کی ہیں۔

شیخ القراء شیخ ابو محمد عبداللہ دلاوی

آپ کتاب اللہ کے بڑے محقق وجید قاری تھے، حرم میں قرارت کی تعلیم دیتے تھے امام یافعی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ دن چڑھنے کے بعد جب طلبہ کو پڑھا کر فارغ ہوتے تھے تو ایک طواف خانہ کعبہ کا کرتے تھے، بڑھاپے سے ان کی کمر جھک گئی تھی مگر جب حجر اسود کے پاس پہونچتے تو کمر سیدھی ہو جاتی تھی اور وہ حجر اسود کا بوسہ لے لیتے تھے، یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے اپنے سلام کا جواب سنا تھا، آپ کی وفات بھی ۷۲۱ھ میں ہوئی۔

قاضی القضاۃ شمس الدین محمد بن مسلم صالحی

یتیمی کی حالت میں علم حاصل کیا، تحصیل علم و درس وافادہ میں مشغول ہوئے، دیانت وتقویٰ اور قناعت وایثار میں ممتاز مقام حاصل کیا، ۷۱۶ھ میں عہدۂ قضا کے لئے انکے نام کا قرعہ نکلا تو پہلے انھوں نے منظور نہیں کیا پھر استخارہ کے بعد اس شرط پر اسکو قبول کر لیا، کہ ریشمی خلعت نہ پہنیں گے، نہ سرکاری اجتماعات میں سواری پر سوار ہونگے، انھوں نے تین حج کئے تھے، چوتھے حج کیلئے روانہ ہوئے تو راستہ میں بیمار ہو گئے مگر سفر جاری رکھا جب حج کے بعد مدینہ پہونچے تو اسی بیماری وکمزوری کی حالت میں مسجد نبوی میں حاضر ہو کر نماز پڑھی پھر مزار انور پر صلوٰۃ وسلام پڑھا کیونکہ بیماری کے بعد سے انکو یہی دھن لگی ہوئی تھی پھر اسی دن انکا انتقال ہو گیا، یہ ذی قعدہ ۷۲۶ھ کا واقعہ ہے۔

وہ بھی ان حضرات میں تھے جنھوں نے ابن ابی نجیح شاگرد وخادم ابن تیمیہ کی وفات کیوقت تمنا کی تھی کہ ہم کو بھی ایسی ہی موت نصیب ہو، چنانچہ تین سال کے بعد انکی وہ تمنا پوری ہوئی، یہ حنبلی المذہب تھے اور انھیں نے ابن تیمیہ کے خلاف یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ حنبلی مذہب کے خلاف مسئلہ طلاق وغیرہ میں انکی جو الگ رائے ہے اسکے مطابق فتویٰ نہ دیا کریں (شذرات وابن کثیر)

مصنف تلخیص المفتاح

محمد بن عبد الرحمن نام اور جلال الدین لقب تھا پہلے شام میں خطیب و قاضی تھے اور انکے آباء واجداد قزوین کے رہنے والے تھے اس لئے خطیب قزوینی کے ساتھ معروف تھے، شام کے بعد وہ مصر کے اور پھر شام کے قاضی مقرر ہوئے، الملک الناصر محمد بن قلاوون (سلطان شام ومصر) کے دربار میں انکا بڑا رسوخ تھا، انکی سفارش رد نہیں ہو سکتی تھی، انکی زبان نہایت فصیح اور گفتگو نہایت شیریں تھی، ادب اور معانی وبیان میں انکو بڑا دخل تھا، معانی وبیان میں انکے رسالہ تلخیص المفتاح کی مقبولیت محتاج بیان نہیں وہ آج بھی داخل درس ہے۔

وہ عوام واہل علم میں بہت مقبول تھے، نہایت فیاض ودریا دل تھے۔
انھوں نے الملک الناصر کی معیت میں حج کیا تھا، سلطان نے انکی شاہانہ مالی اعانت
کی تھی اور انھوں نے مصریوں اور شامیوں پر دل کھولکر احسانات کئے تھے ۷۳۹ھ میں انکی وفات ہوئی۔

شیخ تاج الدین فاکہانی

عمر بن علی بن سالم نام تھا اسکندریہ کے رہنے والے تھے، مالکی المذہب تھے، ابن المنیر مالکی
اور ابن دقیق العید کے ممتاز شاگردوں میں انکا شمار ہے، عربیت اور دیگر فنون میں بڑے ماہر تھے
انکی تصنیفات میں شرح العمدہ، المورد فی المولد، اور اللمعہ فی وقفۃ الجمعہ وغیرہ کے نام ابن حجر نے
لئے ہیں، مروجہ میلاد کے منکرین میں انکا شمار ہے، انھوں نے ۷۳۰ھ میں براہ دمشق حج کیا اور
واپسی کے بعد ۷۳۱ھ میں انتقال کر گئے۔ ناچیز کہتا ہے کہ درر کامنہ میں اسیطرح ہے مگر یہ صحیح
نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ رمضان ۷۳۱ھ میں دمشق آئے اور وہاں قیام کیا جب شامی قافلہ روانہ
ہوا تو اسکے ساتھ وہ حج کو گئے، یہ ابن کثیر کا بیان ہے اور ابن کثیر حج میں انکے رفیق سفر تھے، نیز انھوں
نے تاج الدین سے اس موقع پر دمشق میں پڑھا ہے اور سفر میں حدیثیں سنی ہیں، اسی طرح انکی وفات
بھی ۷۳۱ھ میں نہیں بلکہ ۷۳۴ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ ابن کثیر کے علاوہ ابن فرحون نے بھی لکھا ہے۔
ان کا بیان ہے کہ میں نے شیخ ابو العباس دمنہوری کے مزار کے قریب اللہ تعالیٰ سے دعا
کی کہ مجھے حج کی سعادت نصیب ہو، مصارف حج میں ایک ہزار درہم کی کمی تھی، اس دعا کے بعد مجھے
خواب میں شیخ کی زیارت نصیب ہوئی، شیخ نے فرمایا کہ فلاں تاجر ایک ہزار درہم تمہارے پاس لیکر
آئے گا کہ اسکو مکہ میں میرے لڑکے کو دیدیجئے گا، تم اسکو قرض کہہ کے لے لینا اور اپنی ضروریات میں صرف
کرنا، خدا نے چاہا تو مکہ میں داخل ہونے نہ پاؤ گے کہ یہ رقم تمکو خدا دلوا دیگا، تاج الدین کہتے ہیں کہ وہ
تاجر آیا اور میں قرض لیکر روانہ ہو گیا، مکہ قبرستان معلی تک تو وہ رقم حاصل نہ ہوئی لیکن جب اس سے
آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص مجھ کو پوچھ رہا ہے، لوگوں نے جب اسکو بتایا تو وہ میرے پاس آیا،

اور اس نے مجھ کو ایک ہزار درہم دیئے، اور کہا کہ میں نے ابھی رات خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ایک ہزار درہم ساتھ لو اور جاکر فلاں کو دیدو، میں اسی بنا پر یہ رقم آپکے پاس لایا ہوں۔

تاج الدین کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس تاجر کے لڑکے کے پاس میں گیا کہ اسکا روپیہ دیدوں، لیکن جب روپئے پیش کئے تو اس نے یہ کہکر لینے سے انکار کردیا کہ میں نے تیس ہزار درہم میں ایک سامان تجارت خریدا تھا خریدنے کے بعد اسکا دام آدھا ہوگیا، دوسرے دن میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص جسکے جسم پر سبز کپڑے اور سر پر سفید ٹوپی ہے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تمہارے باپ نے جو رقم شیخ تاج الدین کے ہاتھ بھیجی ہے اسکو نہ لینا، منیٰ کے ایام میں تمہارا سامان تجارت پینتالیس ہزار کو بک جائیگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا (درر کامنۂ ابن حجر)

ابن فرحون نے انکی تصنیفات میں چند اور کتابوں کے نام بھی لئے ہیں اور فن حدیث میں انکی شرح العمدہ کو بہت کثیر الفوائد بتایا ہے نیز لکھا ہے کہ جسوقت فاکہانی دمشق گئے ہیں تو انھوں نے دار الحدیث اشرفیہ میں حاضر ہوکر نعل مبارک نبوی کی زیارت کی، نعل مبارک پر جب نظر پڑی تو انھوں نے سر سے عمامہ اتار دیا اور اسکو بوسے دئے اور اس پر اپنا منہ ملا، اسوقت انکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور یہ شعر انکی زبان پر تھے ؎

فلو قیل للمجنون لیلیٰ ووصلها　　ترید ام الدنیا وما فی طوایاها

اگر مجنوں سے کہا جائے کہ تو لیلیٰ کا وصل چاہتا ہے یا ساری دنیا

لقال غبار من تراب نعالها　　احب الی نفسی واشفی لبلواها

تو وہ کہے گا کہ لیلیٰ کی جوتیوں کا غبار مجھے زیادہ پیارا اور میرے درد کا درمان ہے،

جب انکی وفات کا وقت قریب آیا تو کسی رشتہ دار نے کلمہ کی تلقین شروع کی، انھوں نے آنکھیں کھولدیں اور یہ شعر پڑھا ؎

وغدا ایذکرنی عهود ابالحمی　　ومتی نسیت العهد حتی اذکرا

وہ مجھے حمی کی ملاقاتوں کی یاد دلا رہا ہے لیکن میں ان ملاقاتوں کو بھولا کب ہوں کہ یاد کروں

شیخ خلیل مالقی مکی

ان کا اصل وطن مالقہ (اندلس کا ایک شہر) تھا، مکہ میں مجاور ہو گئے تھے، مالکی مذہب کے نہایت جید فقیہ اور حرم شریف کے امام و خطیب تھے، انکی بزرگی و ولایت پر اتفاق تھا، حجاج کو ان سے علمی و روحانی اور مادی ہر قسم کے بیشمار فائدے پہونچتے تھے، وہ نہایت خوشدلی سے افادہ وامداد فرماتے تھے، بہت سے لوگ زمانۂ حج میں ان سے مناسک حج کا علم درس کے طور پر اور زبانی بھی حاصل کرتے تھے، خالد بلوی کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے ان سے سبقاً بھی مناسک حج سیکھے اور ادائے مناسک میں انکے ساتھ رہکر عملی تعلیم بھی حاصل کی، ابو عبداللہ مقری کا بیان ہے کہ (ہمارے زمانہ میں) وقوف عرفات کے امام شیخ خلیل تھے اور میں نے مناسک حج کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا جس نے روایت و درایت کے علاوہ ادائے مناسک کے مقامات کا عینی مشاہدہ ان سے زیادہ کیا ہو اور جس نے انکی خوب تحقیق کی ہو، چنانچہ جب میں مزدلفہ سے روانہ ہوا تو میں نے انکے پاس آدمی بھیجکر دریافت کرایا کہ بطن محسر ٹھیک ٹھیک کہاں سے کہاں تک ہے، انھوں نے فرمایا کہ سالہاسال سے لگاتار اس سنت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ جگہ مجہول ہو گئی ہے لیکن (انھوں نے اشارہ کرکے بتایا کہ) ظناً یہاں سے وہاں تک ہے، لہذا جس مقام کی انھوں نے نشاندہی کی ہے اس جگہ اپنی سواری کی رفتار کو تیز کرکے سنت پر عمل کرنا چاہئے ایسا نہو کہ اس عمل کے ترک سے یہ ظنی مقام بھی بھول بھلا جائے جس طرح کہ اسکا یقینی علم جاتا رہا۔

اسی طرح مقری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ عہد نبوی میں مسجد حرام کے حدود کیا تھے انھوں نے کہا لکڑی کے اس گول دائرہ تک جو بیت اللہ، مقام ابراہیم اور چاہ زمزم کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہے (اب لکڑی کا یہ گول دائرہ نہیں ہے) مقری نے کہا کہ پھر آپ اسکے باہر کیوں پڑھتے ہیں حالانکہ بعد کے اضافوں کا اصل مسجد کے حکم میں ہونا مختلف فیہ مسئلہ ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ اہل مکہ پورے حرم کو مسجد کہتے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے، مقری کہتے ہیں کہ لیکن شیخ

کی یہ بات میرے دل میں نہیں اتری اور میں انکو ائمہ مسجد میں سب سے افضل مانتے ہوئے بھی مقام ابراہیم میں امامت کرنے والے کے پیچھے پڑھا کرتا تھا۔ میں نے عرفہ کے دن وقوف کے باب میں بھی یہی کیا کہ تھوڑی دیر صخرات (چٹانوں) کے پاس وقوف کرکے پھر جہاں امام وقوف کرتا ہے وہاں امام کے ساتھ وقوف کیا، شیخ خلیل کی وفات ۷۶۰ھ میں ہوئی (نیل الابتہاج ص۱۱۲)

شیخ خلیل مالکی صاحب مختصر

پہلے شیخ خلیل سے کچھ متاخر ایک دوسرے خلیل ہیں وہ بھی مالکی مذہب ہیں مگر وہ اسکندریہ کے باشندہ تھے وہ فقہ مالکی میں ایک متن کے مصنف ہیں جو مختصر خلیل کے نام سے مشہور رہے اور مالکی مذہب والوں میں وہ بیحد مقبول ہے، ساٹھ سے زیادہ اسکی شرحیں اور حاشئے لکھے گئے ہیں اور بقول تنبکتی مشرق و مغرب میں ہر جگہ علما و طلبہ کے درمیان اسی کا سکہ رواں ہے، اور شیخ خلیل پر متاخرین کا اس قدر اعتماد ہے کہ اگر انکے خلاف کوئی قول کوئی نقل کرتا تو شیخ ناصر الدین لقانی جیسے محقق بھی بول اٹھتے تھے کہ بھائی ہم تو خلیلی ہیں اگر ان سے غلطی ہوئی تو ہم بھی غلطی کرینگے، کہتے ہیں کہ شیخ خلیل نے پچیس برس میں اس مختصر کو لکھا تھا، شیخ خلیل کا خاندان فوجی تھا، انھوں نے علم و فضل میں یہ اونچا مقام حاصل ہونے کے بعد بھی اپنا فوجی لباس تبدیل نہیں کیا، انکے والد حنفی المذہب تھے مگر چونکہ وہ شیخ ابو عبداللہ منوفی مالکی کے مرید تھے اس لئے اپنے لڑکے کو اپنے پیر کی خدمت میں مالکی فقہ کی تعلیم دلوائی، شیخ خلیل نہایت دیندار و صالح اور علم کی خدمت میں نہایت جفاکش تھے بعض اوقات رات رات بھر سوتے نہ تھے صرف فجر کے بعد ذرا دیر کیلئے سو جاتے تھے تاکہ تکان دور ہو جائے، مصر کے سب سے بڑے مالکی مدرسہ شیخونیہ میں مذہب مالکی کے مدرس تھے، کہتے ہیں کہ وہ بیس برس مصر میں رہے لیکن اس مدت میں انھوں نے کبھی دریائے نیل نہیں دیکھا۔

انھوں نے حج بھی کیا تھا اور مکہ میں مجاورت بھی کی تھی تنبکتی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے کسی استاد کے گھر گئے، معلوم ہوا وہ نہیں ہیں انھوں نے پوچھا کہاں گئے ہیں تو معلوم ہوا کہ پاخانہ

بہت گندا ہو گیا ہے اسکی وجہ سے سخت تکلیف ہے اس لئے وہ باہر نکلے ہیں کہ کوئی مزدور مل جائے تو اس سے صاف کرائیں، شیخ خلیل بولے یہ کام ہمارے کرنے کا ہے چنانچہ فوراً آستین سرکائی دامن سمیٹے اور پاخانہ صاف کرنا شروع کر دیا اور لوگ تماشا دیکھنے لگے اتنے میں انکے استاد واپس آئے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا خلیل ہیں، استاد پر خلیل کی اس بے نفسی، سچی محبت اور پر خلوص خدمت کا بڑا عظیم اثر ہوا، اور انھوں نے سچے دل سے گڑ گڑا کر انکے حق میں دعائے نیک کی، اسی دعا کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے علم میں انکو یہ مقام عطا کیا اور انکی عمر میں برکت ارزانی فرمائی۔ شیخ خلیل کی وفات ۷۶۷ھ میں ہوئی (ذیل الابتہاج)

عبداللہ بن محمد بن فرحون

اصلاً تونسی ہیں مگر مولد و مسکن مدینہ منورہ تھا، وہاں اپنے عہد کے رئیس المالکیہ اور نائب قاضی تھے، پچاس برس سے زیادہ حرم نبوی میں مشغول درس و تدریس رہے، فقہ و حدیث اور عربیہ کے زبردست عالم تھے، ابوحیان نحوی نے انکا ایک رسالہ دیکھکر کہا تھا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ حجاز میں عربیہ کا ایسا ماہر آدمی موجود ہے، کلام پاک کی تلاوت بکثرت کرتے تھے یہاں تک کہ حج کے زمانہ میں جب دوسرے حجاج نقل و حرکت و ادائے مناسک کے انتظامات میں پریشان رہتے تھے تو اسوقت بھی یہ اطمینان سے تلاوت کرتے رہتے تھے، نوعمری ہی سے انکی عادت تھی کہ رات کے آخری تہائی حصہ میں سوتے نہ تھے بلکہ نماز یا تلاوت میں مشغول رہتے تھے، ساٹھ برس تک انکا برابر یہ معمول رہا کہ ہر نماز کے وقت روضۂ جنت کے اندر پہلی صف میں شریک جماعت ہوتے۔

انھوں نے پچپن حج کئے تھے اور سوائے حج کے کبھی مدینہ سے باہر نہیں گئے۔ انکا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اسوقت مدینہ منورہ میں شیعوں کی حکومت تھی اور انکو وہاں شوکت و غلبہ حاصل تھا اور سنی مظلوم و مقہور تھے لیکن جب ابن فرحون نائب قاضی ہوئے تو انھوں نے کوشش کر کے شیعہ قاضیوں کو برطرف کرا دیا اور مدینہ کی گلیوں میں انکی برطرفی اور انکے احکام او فیصلوں کے بطلان کا اعلان کرا دیا، اسی طرح سنت کی سربلندی اور بدعت تشیع کے ازالہ کیلئے انھوں نے اور بھی کارہائے نمایاں کئے، انھوں نے اہل سنت کی

پشت پناہی کیلئے اپنے کو وقف کر دیا تھا اور کھل کر انکی حمایت اور انکی طرف سے مدافعت کرتے تھے، جس کی وجہ سے امراء و حکام مدینہ انکے دشمن ہو گئے اور انھوں نے ایک دفعہ مکہ کے راستہ میں ایک جگہ انکو قید بھی کر دیا اور وہاں ان پر سخت قسم کا قاتلانہ حملہ بھی ہوا مگر اللہ نے اس کے شر سے انکو محفوظ رکھا اور وہ جاں بر ہو گئے۔ انھوں نے اپنے آخری حج کے موقع پر کہا کہ یہ حجۃ الوداع (رخصتی حج) ہے انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے ایک خادم کو مزار انور کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ انھوں نے کئی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ وہ ابن فرحون مصنف دیباج کے چچا تھے ۷۶۹ھ میں انکی وفات ہوئی (دیباج)

ابراہیم بن یخلف تنسی

بلاد مغرب کے جلیل القدر عالم اور ولی کامل تھے، ابن الحاج مالکی کے استاذ تھے، انکے عہد میں شمالی افریقہ کے لوگ صرف انکے فتوی پر اعتماد کرتے تھے، ابن الحاج مالکی نے علم کی طرف باشندگان مغرب کی بے توجہی و بے رغبتی کی شکایت کی تو ابن المنیر نے فرمایا کہ جن بلاد میں ابو اسحٰق (ابراہیم تنسی) جیسا عالم موجود ہو وہ علم سے خالی نہیں کہلا جا سکتا۔

ابراہیم تنسی فرماتے تھے کہ جب میں مکہ حاضر ہوا تو طواف کے درمیان مجھے آیت وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (جو اس میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا) یاد پڑی اور میں سوچنے لگا کہ اس میں تو بڑا اختلاف ہے کہ کس چیز سے مامون ہونا مراد ہے میں یہی سوچ رہا تھا اور زور زور سے آمنا آمنا کہہ رہا تھا کہ میرے پیچھے سے تین بار یہ آواز آئی کہ آگ سے مامون اے ابراہیم۔

ابن الحاج مالکی کا بیان ہے کہ ہم ایک دفعہ انکے ساتھ مصر کے دیہات میں سفر کر رہے تھے کہ بڑے زوروں کی پیاس لگی، انکے ایک شاگرد نے یہ محسوس کر کے شکر ڈالا ہوا دودھ انکے سامنے پیش کیا، مگر انھوں نے قبول نہیں کیا میں نے پوچھا کہ حضرت اتنی شدید مجبوری کے وقت آپ اسکو کیوں رد کر رہے ہیں فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جو اسکو پڑھایا ہے کہیں اسکا عوض نہ ہو جائے تو میں ثواب آخرت سے محروم رہ جاؤں گا،

ابراہیم تنسی کی وفات تلمسان میں ہوئی (نیل الابتہاج)

برادر ابن تیمیہ شیخ شرف الدین

عبداللہ بن عبدالحلیم نام تھا شیخ الاسلام کے بھائی اور حنبلی مذہب کے پختہ کار فقیہ و امام اور فرائض و حساب و علم ہیئت وغیرہ میں بھی فائق تھے، راستی و اخلاص، زہد و عبادت اور شجاعت و دلیری نیز قناعت انکے نمایاں اوصاف تھے۔ انکی عادت تھی کہ شہر کے باہر کسی غیر آباد مسجد میں رات بھر نماز و ذکر میں مشغول رہتے اور دن کو گھر آجاتے، صدقات و خیرات بھی بہت کرتے تھے، بالخصوص سفر حج میں، حالانکہ جو شخص انکے ساتھ محمل میں سوار ہوتا تھا وہ ان کے کجاوہ میں تلاش کرتا تھا تو کوئی چیز نہ ملتی تھی، پھر بھی معلوم نہیں کہاں سے وہ سونے کے بکثرت سکے خیرات میں بانٹا کرتے تھے، انھوں نے متعدد حج کئے تھے اپنے بھائی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کیوجہ سے کئی بار انکو تنہا مناظرہ کی دعوت قبول کرنا پڑی اور انھوں نے فریق مخالف کو بند کردیا، انکی وفات کے وقت شیخ الاسلام قید خانہ میں تھے، جیل خانہ کے باہر انکی نماز پڑھی گئی اور چونکہ تکبیر کی آواز جیل خانہ میں پہونچتی تھی اس لئے شیخ الاسلام کو بھی نماز جنازہ میں شرکت کا موقع مل گیا، ان کی وفات ۷۲۷ھ میں ہوئی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم حنبلی کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے، بظاہر اگرچہ ان کی وفات ہوچکی ہے لیکن درحقیقت اپنے علمی و عملی کارناموں کی وجہ سے وہ آج بھی زندہ ہیں، تفسیر و حدیث اور فقہ و اختلاف مذاہب اور دوسرے فنون میں انکو جو حیرت انگیز وسعت نظر اور کثرت اطلاع و استحضار حاصل تھا وہ انکے بعد بہت کم کسی کے حصہ میں آیا ہوگا۔

اسکے علاوہ تاتاریوں کے حملہ کے وقت انکی مجاہدانہ سرگرمیاں، ان کے امیر غازان کے سامنے انکی جرأت و بے باکی، درروزیت کے استیصال کیلئے انکی بہادرانہ پیشقدمی مشرکانہ عادات کے ازالہ میں انکے عملی اقدامات کی مثال بھی خال خال ہی نظر آسکتی ہے اور ان دونوں کمالات کا ظہور اس زور و

قوت اور جوش وخروش کے ساتھ اجتماعی طور پر انکے بعد شاید ہی کبھی ہوا ہو۔ بہرحال ابن تیمیہ اپنے علم وعمل کے لحاظ سے ہماری تاریخ کے یگانہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں اور وہ بجا طور پر اسکے مستحق ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل میں علمائے اسلام کی اکثریت بلکہ خود انکے ممتاز تلامذہ (مثلاً ابن رجب و ابن کثیر و ذہبی) ان سے متفق نہیں ہیں، اور ہم بھی ان مسائل میں انکے ہمنوا نہیں ہیں لیکن اس سے انکے علمی کمالات پر کوئی حرف نہیں آتا، انبیا علیہم السلام کے سوا کسی بڑے سے بڑے عالم کی نظر کا چوک جانا اور کسی چیز کا اسکی علمی گرفت سے باہر رہ جانا نہ کوئی حیرت انگیز بات ہے نہ اس سے اسکے دامن فضل وکمال پر کوئی دھبہ آتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حالات میں پہلے بھی کئی مستقل کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور اس زمانہ میں بھی ایک مصری فاضل شیخ ابوزہرہ نے عربی میں ایک کتاب لکھی ہے، نواب صدیق حسن خاں نے اتحاف النبلاء میں بہت شرح وبسط سے ان کا تذکرہ لکھا ہے

شیخ الاسلام نے ۶۹۱ھ میں حج کیا تھا اور اسکے بعد بھی انھوں نے حج کیا ہے اس لئے کہ ابن حجر کا بیان ہے کہ ابن المطہر حلی جب حج کو گیا ہے تو شیخ الاسلام سے اسکی ملاقات ہوئی جب اس نے ان سے گفتگو کی تو انکو اسکی گفتگو پسند آئی پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے کہا جس کو آپ ابن المنجس کہتے ہیں اسکے بعد دونوں میں اچھا خاصا انس اور بے تکلفی پیدا ہوگئی، یہ واقعہ ۶۹۱ھ کا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ابن حجر ہی نے اسکی بھی تصریح کی ہے کہ ابن المطہر حلی نے اپنی عمر کے آخر میں حج کیا تھا، ابن المطہر کی وفات ۷۲۶ھ میں ہوئی ہے۔ شیخ الاسلام کی وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی (درر)

حافظ علم الدین برزالی

قاسم بن محمد بن یوسف نام تھا نہایت مشہور حافظ حدیث و امام فن ہیں، حافظ ذہبی نے انکو اپنا معلم و رفیق طلب علم کہا ہے اور صحت و فصاحت کے ساتھ انکی حدیث خوانی اور تواضع وخوش اخلاقی، راستی و امانتداری، اتباع سنت والتزام فرائض نیز خوش نویسی وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ جن مشائخ نے انکو حدیث کی اجازت دی ہے ادر جن سے انکو حدیث کا سماع حاصل ہے انکی تعداد

تین ہزار سے زائد ہے، انکا ثبت جس میں انھوں نے اپنے شیوخ کے نام واسناد اور ان سے سنی ہوئی حدیثیں درج کی ہیں بیس جلدوں سے زیادہ میں پورا ہوا ہے اسکے علاوہ سات جلدوں میں انھوں نے ابو شامہ کی تاریخ کا ذیل (تکملہ) لکھا ہے، انکے پاس کتابوں کے چار خزانے تھے، مرنے سے پہلے ایک تہائی کی وصیت کرکے باقی ساری کتابوں کو وقف کر گئے تھے، بعد میں آنے والے مورخین نے انکی تصنیفات سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

انھوں نے پانچ حج کئے تھے، از انجملہ ایک حج ۷۰۰ھ میں کیا تھا اس میں داؤد بن محمد دمشقی انکے رفیق تھے (درر ص۹۹) ایک حج ۷۲۱ھ میں کیا اس سال انکے رفقاء میں جلال قزوینی عزالدین بن القلانسی، ابن العز حنفی، جلال بن حسام حنفی وغیرہم تھے (ابن کثیر ص۱۴/۱۰۱) ایک حج انھوں نے ابن جہبل اور فخر مصری وغیرہما کی معیت میں ۷۲۵ھ میں کیا تھا، چھٹے حج کیلئے مکہ جارہے تھے کہ راستہ میں انتقال ہوگیا اور خلیص میں مدفون ہوئے، ان میں بڑی خوبی یہ تھی کہ دو آدمی جن میں باہم عداوت ہو وہ دونوں ان پر اعتماد کرتے تھے اور دونوں سے انکی دوستی رہتی تھی، چنانچہ ابن تیمیہ اور ابن الزملکانی دونوں سے انکی گہری دوستی تھی اور دونوں اپنا راز ان سے ظاہر کر دیتے تھے، انھوں نے دونوں کو ملانے کی کوشش بھی کی مگر کامیابی نہیں ہوئی، برزالی دمشق کے مدرسہ نوریہ اور نفیسیہ کے شیخ الحدیث تھے، ابن تیمیہ بھی انکے مداح تھے، برزالی کی وفات ۷۳۹ھ میں ہوئی۔

حافظ جمال الدین مزی

یوسف بن عبدالرحمن بن یوسف نام تھا، دمشق میں سکونت تھی، اپنے وقت کے ان چار حفاظ حدیث میں سے تھے جن کی مثال دنیا میں نہیں تھی، ذہبی نے کہا ہے کہ میں نے ان سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا، نیز ذہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے انکی مثال نہیں دیکھی اور خود انھوں نے بھی اپنی مثال نہیں دیکھی ہوگی، رجال حدیث کی معرفت میں یکتائے روزگار تھے، صحاح ستہ کے رجال کی تحقیق کا دارومدار پانچ چھ صدیوں سے صرف انکی کتاب تہذیب الکمال اور اسکے مختصرات پر ہے، سارے عالم اسلامی کے علمائے حدیث

اسی کے خوشہ چیں ہیں، آج بھی ان رجال کی تحقیق کیلئے ہمارے پاس تہذیب التہذیب خلاصہ اور تقریب کے سوا کچھ نہیں ہے اور یہ سب بواسطہ یا بلاواسطہ تہذیب الکمال کے مختصرات ہیں، مزی نے انکو پانچ دفعہ اپنے شاگردوں کو سنایا تھا مزی کے اخلاق وعادات بھی بہت بلند تھے، وہ کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے نہ اپنے فضائل کا اظہار کرتے تھے، جب تک کوئی ان سے سوال نہ کرتا از خود علمی مسائل میں بھی بولتے نہ تھے، تقریباً نوے برس کی عمر میں بھی صالحیہ پیدل جاتے تھے، فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے یہاں تک کہ تنگی سے مجبور ہو کر ایک دفعہ تہذیب الکمال کا اصل مسودہ بھی انکو فروخت کردینا پڑا۔

ایک زمانۂ دراز کے بعد پہلے پہل مدرسہ ناصریہ میں تدریس کی خدمت انکو سپرد ہوئی، پھر ابن الشریشی کے بعد دار الحدیث اشرفیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، جب یہ شیخ الحدیث ہوئے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا کہ دار الحدیث اشرفیہ کو اسکے واقف کی شرط کے مطابق آج شیخ الحدیث نصیب ہوا ہے، مزی ابن تیمیہ کے حمایتی تھے، انھوں نے ۷۲۳ھ میں حج کیا تھا، اور اسی سال بدر الدین ابن جماعہ اور انکے لڑکے عز الدین اور شہاب الدین اذرعی اور قاضی القضاۃ ابن مسلم حنبلی وغیرہم نے بھی حج کیا تھا، مزی کی وفات ۷۴۲ھ میں ہوئی (درر، شذرات، ابن کثیر)

شہابُ الدّینْ احمدبْن یحییٰ المعروف ابنُ جہبل

شافعی مذہب کے فقیہ ومفتی اور بادرائیہ وصلاحیہ کے مدرس نیز مدرسہ ظاہریہ کے شیخ تھے علمی کمالات ومحاسن اخلاق میں ممتاز تھے، ابن کثیر کہتے ہیں کہ انھوں نے ظاہریہ یا بادرائیہ کہیں سے کوئی تنخواہ نہیں لی۔ انھوں نے متعدد حج کئے تھے، از انجملہ ایک حج انھوں نے ۷۲۵ھ میں علم الدین برزالی کی معیت میں کیا تھا پھر ۷۳۱ھ میں ابن کثیر وغیرہ کی رفاقت میں بھی وہ حج کو گئے تھے۔

ایک سفر حج میں یہ اور امام یافعی مدینہ کے مدرسہ شہابیہ میں ایک ساتھ مقیم تھے، اور آپس میں علمی مکالمہ بھی ہوا تھا، ان کی وفات ۷۳۳ھ میں ہوئی۔

ولی کبیر شیخ علی طوسی

علی بن الحسن نام تھا، نہایت بلند ہمت ولی تھے، انھوں نے بکثرت حج کئے تھے، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک ہزار بلکہ اس سے زیادہ عمرے کئے تھے، چار ہزار بار قرآن پاک کا ختم کیا تھا نہ معلوم کتنی دفعہ انھوں نے ایک رات میں ستر طواف کئے، طواف کی حالت میں بہت تیز چلتے تھے جسطرح رمل کیا جاتا ہے، اس پر کسی نے ان پر اعتراض کیا، تو اسکو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل ہوئی اس نے انکے تیز چلنے کی شکایت آپ سے کی تو آپ نے فرمایا کہ ان سے کہدو کہ قدرت ہو تو اور تیز چلیں یافعی فرماتے ہیں کہ وہ وجد اور بیخودی کی حالت میں تیز چلتے تھے اور فہمایش اسوقت مناسب ہے جب کوئی اختیار سے اتنا تیز چلے، اسکی دلیل یہ ہے کہ میں نے انکو نہایت سخت دھوپ اور گرمی میں طواف کرتے ہوئے دیکھکر کہا کہ اتنی تیز دھوپ اور شدید گرمی میں آپ کیوں طواف کرتے ہیں تو فرمایا کہ مجھکو دھوپ اور گرمی کا بالکل احساس نہیں ہوا

یافعی فرماتے ہیں کہ علی طوسی نہایت سخت مجاہدہ کرتے تھے، چنانچہ وہ کڑکڑاتے جاڑوں میں بھی ہر نماز کیلئے غسل کرتے تھے، لوگ کہتے تھے کہ وہ بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں، چنانچہ میں نے خود ان سے پوچھا تو انھوں نے اسکی تصدیق کی۔

یافعی فرماتے ہیں کہ میری پہلی ملاقات ان سے رمضان کی ایک رات میں مسجد حرام میں ہوئی انھوں نے فرمایا مجھکو تجھ سے محبت ہے، اور اپنی بچی ہوئی روٹی کا ایک ٹکڑا مجھے کھلایا اسکے بعد انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ تراویح نہ پڑھو گے؟ میں نے کہا چلئے جماعت تراویح ہو رہی ہے ہم بھی اسی میں شریک ہو جائیں، فرمایا اس بڑے مجمع میں مجھے دل جمعی حاصل نہیں ہوتی۔

یافعی فرماتے ہیں کہ عرب قبائل کا سردار مہنا ان سے بہت محبت کرتا تھا اور بیحد تعظیم کرتا تھا، شیخ علی طوسی کی وفات ۷۳۳ھ میں بحالت احرام ہوئی (یافعی)

ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ بہت بلند حال تھے انکا شاید ہی کوئی ہمسر ہو انکی بزرگی اور صاحب کشف و کرامت ہونے پر اتفاق ہے۔ انکے عقائد سلف کے مطابق تھے وہ تنہائی پسند اور تہجد و تلاوت اور

روزوں کے بڑے پابند تھے، انھوں نے ساٹھ حج کئے تھے (درر)

ذہبی کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھ سے خود بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حج کے ارادہ سے میں تن تنہا عراق سے مدینہ گیا ہوں میں ایک اونٹنی پر سوار تھا اونٹنی کو جہاں گھاس مل جاتی چرلیتی اور میں اسکے دودھ پر بسر کرلیتا تھا نیز ذہبی کہتے ہیں کہ وہ عشا کے بعد سے صبح تک تلاوت کرتے رہتے تھے۔

(حاشیۂ درر)

اُم محمد دمشقیہ

اسمار بنت محمد بن سالم نام تھا، مکی بن غیلان سے انھوں نے حدیثیں سنی تھیں، انھوں نے متعدد بار حج کیا تھا، صدقہ وخیرات میں ممتاز تھیں انکی وفات بھی ۷۴۳ھ میں ہوئی (یافعی)

شیخ الاسلام برہان الدین بن فرکاح

شیخ تاج الدین بن فرکاح کے خلف وخلیفہ، انکے علم کے وارث اور استاذ العلماء تھے، فقہ شافعی کی مشہور کتاب تنبیہ کی بہت بڑی شرح انھوں نے لکھی ہے، جب وہ حج کو گئے تھے تو امام یافعی نے مسجد خیف میں ان سے ملاقات کی تھی، ایک صحبت میں ایک فقہی مسئلہ پر دونوں حضرات میں گفتگو بھی ہوئی تھی، جامع اموی میں طلبہ کو درس دیتے تھے، اور اسی پر خوش تھے، بڑے بڑے منصب پیش کئے گئے مگر انھوں نے قبول نہیں کیا، ابن کثیر نے انکے حلقہ درس میں صحیح مسلم وغیرہ کی سماعت کی ہے اور کہا ہے کہ ہم نے اپنے شافعی المذہب اساتذہ میں انکی نظیر نہیں دیکھی (ابن کثیر و یافعی)

ان کی وفات ۷۲۹ھ میں ہوئی۔

شیخ الصوفیہ کبیر العلما عفیف الدین یافعی

عبد اللہ بن اسعد نام تھا، اصلاً یمنی تھے مگر مکہ میں مجاور ہوگئے تھے اور وہیں پیوند خاک ہوئے شریعت وطریقت دونوں کے امام تھے، بچپن ہی سے رشد وصلاح کے آثار نمایاں تھے، چنانچہ اپنے ہم عمر

لڑکوں کے ساتھ کبھی کھیلتے کودتے دیکھے نہیں گئے یہ دیکھکر انکے والد نے پہلے تحصیل علم کیلئے انکو عدن بھیجدیا ۷۱۲ھ میں وہ پہلی بار حج کیلئے آئے اور اسی سال عثمان توزری کی مجلس سماع حدیث میں شریک ہوکر حدیثیں سنیں (مرآۃ ص ـ) اور اسی سال انھوں نے الملک الناصر (سلطان مصر و شام) کو طواف کرتے ہوئے دیکھا، اسکے بعد یمن چلے گئے پھر ۷۱۸ھ میں حج کیلئے آئے تو اسوقت سے مکہ میں مجاور ہو گئے یہیں شادی بھی کرلی، اور فقہ و حدیث کے اساتذہ و مشائخ سے تحصیل و تکمیل علم میں مصروف رہے چنانچہ فقیہ نجم الدین طبری کے پاس فقہ اور رضی الدین طبری کی خدمت میں حدیث کی تحصیل کی، کچھ زمانہ کے بعد تجرد کی زندگی اختیار کی اور سیاحت شروع کردی مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ آتے جاتے رہے اور اس درمیان میں قدس، دمشق اور مصر و یمن کا سفر بھی کیا پھر کچھ دنوں مدینہ میں مجاورت کے بعد دوبارہ مکہ میں اقامت اختیار کی اور دوسرا نکاح بھی کرلیا، ہرچند کہ وہ اس حال میں دس برس رہے مگر کسی سال ان کا حج فوت نہیں ہوا۔

شیخ علی طواشی انکے پیر تھے انکے علاوہ متعدد بزرگوں نے انکو خرقہ تصوف پہنایا تھا، وہ بہت بڑے عارف باللہ ہونے کے ساتھ زبردست عالم اور فقیہ بھی تھے، تاریخ میں انکی کتاب مرآۃ الجنان طبع ہوچکی ہے، اور بھی بہت سی کتابوں کے وہ مصنف ہیں۔ اسنوی نے طبقات شافعیہ میں لکھا ہے توفی وھو اذ ذاک فضیل مکۃ و فاضلھا و عالم الابطح و عاملھا (جسوقت انکی وفات ہوئی اسوقت وہی مکہ فضیل و فاضل اور ابطح کے عالم و عامل تھے) انکی وفات ۷۶۸ھ میں ہوئی (درر و شذرات)

علامہ شمس الدین ابن القیم

محمد بن ابی بکر نام تھا، مختلف علوم و فنون کے یگانہ عالم تھے، اپنے وقت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے فقہ، حدیث، تفسیر، کلام، اصول، اور نحو میں انکا پایہ بہت بلند تھا، حتی کہ بعض لوگوں نے انکو مجتہد مطلق تک لکھ دیا ہے ہرچند کہ یہ بات مبالغہ سے خالی نہیں ہے تاہم اس سے انکی وسعت نظر اور رسوخ فی العلم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ان علوم کے ساتھ علم سلوک اور معارف صوفیہ سے بھی انکو بہرۂ وافر حاصل تھا۔ عمل کو

لیجئے تو ابن رجب (جو ایک سال سے زیادہ نہایت پابندی سے انکی مجلسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں) کی شہادت ہے کہ وہ نہایت عابد اور تہجد گذار تھے، نماز بہت زیادہ لمبی پڑھتے تھے، رکوع و سجدہ بہت دیر دیر تک کرتے تھے، محبت و انابت، افتقار و انکسار، آستانۂ عبدیت پر سر افگنی اور ذکر اللہ کے ساتھ انکو ایسا عشق و شغف تھا، کہ اس وقت کے دوسرے کسی عالم میں یہ باتیں نظر نہیں آتیں، ابن رجب نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے ان سے زیادہ وسیع علم والا، اور معانی قرآن و حدیث و سنت اور حقائق ایمان کا ان سے زیادہ واقف نہیں دیکھا، ہر چند کہ وہ معصوم نہیں تھے پھر بھی جو کمالات اور علمی و عملی محاسن ان میں تھے انکی نظیر مجھے کسی میں نظر نہیں آئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ وہ بھی بار بار جیلخانہ گئے، آخری دفعہ جب انکے استاد مربی قلعہ میں محبوس تھے تو یہ بھی اسی قلعہ میں ان سے الگ مقید تھے اس مدت میں وہ شب و روز تلاوت قرآن اور غور و فکر میں مشغول رہتے تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں نہایت پاکیزہ ذوقی کیفیات اور نہایت بلند اور صحیح احوال پیدا ہوئے جنھوں نے ان پر معارف و اشارات صوفیہ کی راہ کھول دی۔

ابن القیم مدرسہ صدریہ کے مدرس اور جوزیہ میں امام تھے، علم کے ساتھ انکو بڑا شغف تھا انھوں نے مختلف علوم میں بکثرت کتابیں تصنیف کی ہیں از انجملہ اعلام الموقعین، زاد المعاد، تہذیب السنن، اغاثۃ اللہفان الطرق الحکمیہ، بدائع الفوائد، التبیان فی اقسام القرآن، شرح منازل السائرین، حادی الارواح الصواعق المرسلہ، الشافیہ، الکافیہ وغیرہ طبع ہو چکی ہیں، جنکے مطالعہ سے معلوم نہیں کتنوں کے معلومات میں بیش قیمت اضافہ اور علم میں گہرائی پیدا ہوئی۔

ابن القیم نے بکثرت حج کئے ہیں اور مکہ میں قیام بھی کیا ہے، ابن رجب کا بیان ہے کہ اہل مکہ انکی شدت عبادت اور کثرت طواف کا ایسا حال بیان کرتے تھے جو حیرت انگیز تھا، یہ تو حج و مجاورت کے زمانہ کا حال تھا، انکا روزانہ کا معمول یہ تھا کہ فجر کی نماز کے بعد مصلے سے اٹھتے نہیں تھے بلکہ وہیں بیٹھے بیٹھے ذکر کرتے رہتے تھے جب خوب دن چڑھ آتا تو اٹھتے، فرماتے تھے کہ یہی میرے جسم کی غذا ہے، یہ نہ کروں تو میری قوت گر جائیگی، فرماتے تھے کہ دین کی امامت صبر اور فقر سے حاصل ہوتی ہے، نیز فرماتے

تھے کہ سالک کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک ہمت وعزم جو اسکو چلنے اور طلب ترقی پر مجبور کرے، دوسرے علم جو اسکو سوجھائے اور رہنمائی کرے، انکو کتابوں کا بڑا شوق تھا چنانچہ انھوں نے اتنی کتابیں فراہم کی تھیں کہ انکی وفات کے بعد انکی اولاد نے اپنی ضرورت کی کتابیں الگ کر کے باقی کو مدتوں بیچ بیچکر کام چلایا - ان کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی -

حافظ شمس الدین ذہبی

محمد بن احمد بن عثمان نام تھا، دمشق مسکن تھا، اپنے زمانہ میں بعض حیثیتوں سے فن حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، سبکی نے سچ کہا ہے کہ وہ امام وجود (ہفت اقلیم کے تنہا امام) اور اس دور کے زر خالص تھے معرفت رجال کے باب میں انکا یہ حال تھا کہ حدیث کے سارے راوی گویا ایک میدان میں جمع ہیں اور وہ سب انکی نگاہوں کے سامنے ہیں، اور ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ اپنے عصر کے سب سے بڑے مصنف تھے، انھوں نے ۲۱ جلدوں میں تاریخ الاسلام لکھی ہے (جو اسوقت مصر سے شائع ہو رہی ہے) اور میزان الاعتدال (۳ جلدوں میں) اور تذکرۃ الحفاظ (۴ جلدوں میں)، مشتبہ النسبۃ، تجرید اسماء الصحابہ تلخیص المستدرک اور دول الاسلام چھپ چکی ہیں، انکے علاوہ تذہیب التہذیب، کاشف، مغنی، سیر النبلاء العبر اور طبقات مشاہیر القراء وغیرہ انکی بہت سی تصنیفات ہیں، جن سے چوٹی کے علمائے اسلام نے استفادہ کیا ہے، اس علمی جلالت کے ساتھ عمل میں بھی انکا مقام بہت بلند تھا، سبکی کا بیان ہے کہ جس دن انکی وفات ہوئی ہے اسی دن قبیل مغرب ہمارے والد انکی عیادت کو گئے، ذہبی نے والد سے پوچھا کیا مغرب کا وقت ہو گیا؟ والد نے کہا کیا آپنے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے، فرمایا عصر تو پڑھ چکا ہوں، مغرب نہیں پڑھی ہے، اسکے بعد انھوں نے والد سے پوچھا کہ کیا مغرب ہی کے وقت عشا بھی پڑھ لوں، والد نے فتویٰ دیا کہ ہاں پھر انھوں نے اسی طرح دونوں نمازیں پڑھیں اور عشا کے بعد آدھی رات سے پہلے وہ اللہ کو پیارے ہو گئے، ابن تغری بردی نے لکھا ہے کہ انکے اوراد و وظائف کی تفصیل حیرت انگیز ہے، امام ذہبی نے اپنے حج کے موقع پر توزری وغیرہ محدثین مکہ سے حدیثیں سنی ہیں، ذہبی کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی -

قاضی القضاۃ بدرالدین ابن جماعہ

محمد بن ابراہیم نام تھا فقہ و حدیث کے نہایت جید عالم تھے، تقویٰ و تورع اور کثرت عبادت و اوراد میں ممتاز تھے، مصر کے متعدد مدارس میں تدریس کی خدمت کے علاوہ قدس و مصر کے قاضی بلکہ قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، جب دوسری بار قاضی ہوئے تو چونکہ انکے پاس خدا کا دیا بہت کچھ تھا اس لئے تنخواہ نہیں لیتے تھے، صوفیہ کے طریقوں سے خوب واقف تھے، انکا خاندان علم و زہد کا خاندان تھا جب مدرسہ کاملیہ میں مدرس ہوئے تو اسکے وقف نامہ میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ جس طالب علم کو مدرسہ کے وقف سے وظیفہ دیا جائے گا اسکو مدرسہ میں رات کو قیام کرنا پڑے گا چونکہ یہ اپنی طالب علمی میں اس مدرسہ سے وظیفہ لیتے تھے مگر وہاں سوتے نہ تھے اس لئے وظیفہ کی مجموعی رقم جو زمانۂ طالب علمی میں لی تھی انھوں نے سب واپس کر دی۔ انھوں نے متعدد بار حج کئے تھے اور عمرے بھی بکثرت کئے تھے، ۷۳۳ھ میں انکی وفات ہوئی۔

قاضی القضاۃ عزالدین بن جماعہ

عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم بدرالدین بن جماعہ کے خلف ارشد اور خاندان ابن جماعہ کے چشم و چراغ تھے، انھوں نے حدیثیں بکثرت سنی اور پڑھی تھیں، حدیث میں انکے شیوخ کی تعداد تیرہ سو بتائی جاتی ہے، بکثرت محدثین نے ان سے حدیثیں سنیں، ۷۳۸ھ میں مصر کے قاضی ہوئے، انکی نسبت مذکور ہے کہ کان کثیر الحج والزیادۃ یعنی حج و زیارت بکثرت کرتے تھے، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری تمنا ہے کہ عہدۂ قضا سے الگ ہو کر میری موت مکہ یا مدینہ میں آئے، چنانچہ انکی تمنا یوں پوری ہوئی کہ وہ ۷۶۶ھ میں عہدۂ قضا سے معزول ہوئے اور اسی سال حج کیلئے گئے، فراغت کے بعد مکہ میں مجاور ہو گئے ۷۶۷ھ میں زیارت مدینہ کیلئے گئے واپس آکر بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے۔ انھوں نے مناسک حج میں دو کتابیں لکھی ہیں، ان میں ہر چہار مذاہب کے مطابق حج کے مناسک بیان کئے ہیں، نواب صدیق حسن نے لکھا ہے کہ ان کی کتاب منسک صغیر میرے سفر حج میں میرے ساتھ تھی، اختصار کے باوجود وہ بہت

عمدہ ہے (اتحاف، درر، شذرات) انکے مناسک (کبیر) کا قلمی نسخہ میں نے بھی حیدرآباد میں دیکھا ہے۔

حافظ ابن کثیر مفسّر و مؤرخ

اسمٰعیل بن عمر نام تھا، نہایت مشہور مصنف ہیں، تفسیر میں انکی کتاب بہت مشہور و مقبول ہے، تاریخ میں البدایہ والنہایہ بہترین کتاب ہے، فقہ و حدیث میں بھی انکا پایہ بہت بلند تھا، ذہبی نے ان کو محدث بارع، فقیہ متفنن محدث متقن مفسر کثیر النقل کہا ہے اور انکی تصانیف کی افادیت کی تعریف کی ہے، ابن تیمیہ کے شاگرد اور بعض مسائل میں انکے ہمنوا تھے، حافظ جمال الدین مزی کے داماد تھے انکی صحبت میں زیادہ رہے ہیں اور ان سے بہت استفادہ کیا ہے، انھوں نے مزی کی تہذیب الکمال کو مختصر کر کے میزان سے کچھ راویوں کا اضافہ کیا ہے اور اپنی کتاب کا نام التکمیل رکھا ہے،

ابن کثیر نے ۷۳۱ھ میں حج کیا تھا، خود انکا بیان ہے کہ اس سال حافظ ابن القیم، تاج الدین فاکہانی تقی الدین اخنائی، فخر الدین نویری، شیخ الشیوخ محمد مرشدی، شہاب الدین ابن جہبل وغیرہم مصر و شام و عراق کے بہت سے فقہاء و علماء حج کیلئے آئے تھے، حتی کہ شیخ بدر الدین جو شریک قافلہ تھے فرماتے تھے کہ ہمارے اس شامی قافلہ میں چار سو فقیہ اور چار مدرسے اور ایک خانقاہ اور ایک دار الحدیث چل رہے ہیں، ابن کثیر کا کہنا ہے کہ ہمارے ساتھ تیرہ مسندی اور مسلم الکل مفتی تھے، نیز انھیں کا بیان ہے کہ اس سال جمعہ کو حج ہوا تھا اور طواف کی حالت میں بارش بھی ہوئی تھی اور یہ سال نہایت امن اور ارزانی کا تھا،

ابن کثیر کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی، (ابن کثیر ص ۱۵۵/۱۴)

حافظ صلاح الدین علائی

خلیل بن کیکلدی نام تھا اور دمشق وطن، حافظ عراقی وغیرہ کے استاذ اور مشہور و معروف حافظ حدیث تھے، فقہ و اصول و حدیث میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، انکی ساری تصنیفات بہت نافع اور محققانہ ہیں، انھوں نے مدرسہ ناصریہ پھر اسدیہ اور سب سے آخر میں مدرسہ صلاحیہ میں حدیث کا درس دیا،

ذہبی نے انکو حدیث کا حافظ اور حسینی نے فقہ واصول ونحو کا امام قرار دیا ہے، انھوں نے متعدد حج کئے تھے اور مکہ میں مجاورت بھی کی تھی، ۷۶۱ھ میں وفات پائی (درر وشذرات)

سُلیمان بن سنید شیبی

محمد بن عبد الحمید نے انکا ایک عجیب خواب نقل کیا ہے، وہ یہ کہ انھوں نے چالیس حج کئے تھے چالیسویں حج میں جب وہ مدینہ گئے تو ایک دن روضۂ انور کے پاس انکی آنکھ لگ گئی، انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں کہ اے فلاں تو کب تک اسطرح آئیگا کہ ہم سے تجھکو کچھ نہ ملے، اپنا ہاتھ لا، اسکے بعد آپنے انکے ہاتھ پر بخار کا ایک تعویذ لکھدیا کہ جو اسکو چاٹ لے اسکا بخار جاتا رہیگا، وہ تعویذ یہ ہے استجرت بامام ماحکم فظلم، لا تبع من هزم، اخرجي يا حمى من هذا الجسد لايلحقه الم يخرج بجاح

(درر)

اقضی القضاۃ شمس الدین ابن العز حنفی

محمد بن محمد بن ابی العز بن صالح نام تھا انکا خاندان کئی پشتوں سے علم وفضل کا گہوارہ تھا، یہ خود مشائخ حنفیہ میں سے تھے اور متعدد علوم وفنون میں فاضل یگانہ تھے، جامع اخرم کے خطیب اور مدرسہ معظمیہ ولغموریہ وقلیجیہ وظاہریہ میں درس دیتے تھے بہت صاحب عظمت وہیبت تھے، ۷۲۱ھ میں برزالی وغیرہ کی رفاقت میں حج کیا اور واپسی کے چند ہی دن بعد ۷۲۲ھ میں انکا انتقال ہوگیا، انکے جنازہ میں بڑا اجتماع ہوا تھا، لوگوں نے انکی اسطرح کی موت پر رشک کیا (صلحا اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ کسی نیک کام کے بعد موت آئے)

ابو جعفر موازینی

محمد بن علی بن الحسین بن سالم نام تھا، محدث تھے، انکے والد بڑے دولتمند وصاحب جائداد تھے انکے انتقال کے بعد انکی ساری دولت وجائداد کے وارث یہی ہوئے، جسکو انھوں نے مصارف خیر میں خوب صرف کیا، مدتوں مکہ معظمہ میں مجاور رہے، پھر زاہدانہ زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر کے اپنی

جائداد کا مالک اپنی لڑکی کو بنادیا اور لڑکی سے طے کرلیا کہ انکو روزانہ دو درہم دے دیا کرے۔
انھوں نے تیئس ۲۳ حج کئے تھے، ۷۰۸ھ میں انتقال کیا (درر)

سُلیمان بن عسکر حورانی

انھوں نے ابن عساکر و ابن القواس و یونینی وغیرہم سے حدیثیں سنی تھیں اور ابن رافع وغیرہ نے ان سے حدیثوں کی سماعت کی تھی، محدث تھے، اور ہر سال حج کی سعادت حاصل کرتے تھے قافلہ میں یہی اذان دیا کرتے تھے، محدث حسینی کا بیان ہے کہ میں نے ۷۵۵ھ میں خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلیمان بن عسکر وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی تلاوت کر رہے ہیں، اسکے بعد میں روتا ہوا جاگ اٹھا، سلیمان کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی (درر)

بدرالدین بن محمود بن احمد حنفی

قلعۂ روم کے قاضی تھے، اور نہایت بزرگ تھے، انھوں نے بکثرت حج کئے تھے کئی بار قلعۂ روم سے احرام باندھ کر آئے اور کبھی کبھی بیت المقدس سے احرام باندھا، ۷۲۳ھ میں ابن تیمیہ کے ایک جاں نثار شاگرد ابن ابی نجیح کی وفات حج کے بعد مدینہ کے راستہ میں ہوئی تھی اسوقت متعدد اہل صلاح نے تمنا کی تھی کہ ہماری موت بھی یونہی آئے، انھیں میں بدرالدین بھی تھے چنانچہ حج سے فراغت کے بعد حجاز کے راستہ میں انکی وفات ہوئی ۔ انھیں تمنا کرنے والوں میں شیخ شرف الدین محمد بن ابی العز حنفی بھی تھے اسی سال انکی وفات بھی مدینہ میں ہوئی (ابن کثیر)

رضی الدین منطقی حنفی

ٹرکی کے باشندہ تھے مگر پھر حماۃ میں اسکے بعد دمشق میں سکونت اختیار کرلی تھی، علم منطق و مناظرہ میں بہت فاضل تھے، ایک جماعت نے ان سے استفادہ کیا، انھوں نے سات حج کئے اور چھیاسی برس عمر پائی

۷۳۲ھ میں انتقال کیا (ابن کثیر)

ان کا نام ابراہیم بن سلیمان تھا منطق و مناظرہ کے سوا ان کو فقہ، تفسیر اور نحو میں کمال حاصل تھا، انھوں نے جامع کبیر کی شرح چھ جلدوں میں لکھی ہے (جواہر)

فخر الدین نویری

عثمان بن یوسف نام تھا، مالکی مذہب کے نہایت صالح فقیہ و محدث تھے، حافظ ذہبی کے شیوخ حدیث میں سے تھے، افتاء و تدریس انکا مشغلہ تھا، جاہ و منصب سے کنارہ کش تھے، بہت حق گو تھے۔ حج بکثرت کرتے تھے اور مکہ میں مجاور بھی ہو جاتے تھے، اور یہ سب کچھ اخلاص، تقوی اور نہایت پختہ دینداری کے ساتھ کرتے تھے، فرماتے تھے کہ میرے نامۂ اعمال میں فرشتہ نے کوئی کبیرہ گناہ نہیں لکھا ہے، ۷۳۱ھ میں جب مصر و شام کے علما کا ایک جم غفیر حج کو گیا تھا اس سال بھی یہ حج کو گئے تھے، ۷۵۶ھ یا ۷۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (ابن کثیر)

فخر مصری

محمد بن علی بن ابراہیم نام تھا، شام کے مفتی و فقیہ و شیخ تھے، ابن الزملکانی کے مایۂ ناز شاگرد تھے مجامع و محافل میں وہ انکی مدح سرائی کرتے تھے، بہت سی کتابیں انکو برزباں یاد تھیں، ابن الحاجب کا مختصر انھوں نے انیس دن میں یاد کر ڈالا تھا، تدریس و افتاء انکا مشغلہ تھا، تجارت بھی کرتے تھے، انھوں نے بار بار حج کیا ہے، اور کسی کسی دفعہ مجاور بھی ہوئے ہیں ۷۳۱ھ میں ابن کثیر وغیرہ کی معیت میں بھی یہ حج کو گئے تھے اور اس سے پہلے ۷۱۵ھ میں بھی انھوں نے حج کیا تھا (ابن کثیر) انکی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی۔

امام حافظ قطب الدین حنفی مصریؒ

عبد الکریم بن عبد النور حلبی ثم المصری جو قطب الدین مصری کے لقب سے مشہور ہیں اکابر حفاظ حدیث میں سے

تھے، ذہبی نے انکے حق میں فرمایا ہے کہ آخر من جرد العنایۃ وتعب وحصل یعنی وہ ان لوگوں میں آخری شخص ہیں جنھوں نے علم حدیث کی طرف بالکلیہ توجہ کی اور پوری مشقت برداشت کرکے اسکی تحصیل کی، ابن حجر وغیرہ نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، ذہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں ان سے للہ فی اللہ محبت کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ بڑے باوقار، دیندار، نیک سیرت، کثیر المحاسن، مطالعہ اور فائدہ رسانی سے نہ تھکنے والے، فہیم، نقادرجال اور فقیہ تھے، نیز نہایت متواضع، بیدار مغز، طلبہ کے محبوب، کثیر المعلومات اور پختہ بات کہنے والے تھے۔

انکے مشائخ حدیث کی تعداد تیرہ سو سے زیادہ ہے، انھوں نے مصر کی نہایت ضخیم تاریخ لکھنا شروع کی تھی اگر پوری ہوجاتی تو بیس جلدوں میں ہوتی، اسکا ایک قطعہ جس میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنکا نام محمد تھا چار جلدوں میں ہے، بخاری کی نہایت مبسوط شرح لکھنا شروع کی تھی، اسکے علاوہ شرح سیرۃ عبد الغنی اور الالمام کا مختصر ان کی تصنیفات میں ہے،

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے انکے ساتھ مصر اور عرفات میں حدیث کی سماعت کی ہے نیز خود ان سے منیٰ میں حدیثیں سنی ہیں، ذہبی نے کہا ہے کہ انھوں نے متعدد بار حج کی سعادت حاصل کی ہے،

۷۳۵ھ میں انکی وفات ہوئی (یافعی، شذرات، درر، ابن کثیر)

قاضی شرف الدین بارزی

ہبۃ اللہ بن عبد الرحیم بن ابراہیم شافعی قاضی حماۃ بہت سی مفید کتابوں کے مصنف اور اپنے عہد کے استاذ الفقہا تھے، حدیث میں مختصر جامع الاصول، تفسیر میں روضات الجنان، (۱۰ جلدوں میں) اور فقہ میں حاوی کی شرح وغیرہ انکی تصنیفات میں ہیں، ذہبی نے شیخ العلماء و بقیۃ الاعلام کے اوصاف کے ساتھ انکا ذکر کیا ہے اور انکے تواضع وانکسار، حسن اخلاق دینداری و عبادت گذاری کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ اولیاء وصلحاء سے انکو بیحد عقیدت تھی، بزرگوں کی زیارت کو اکثر جاتے تھے اور نہایت تواضع اور ادب وتعظیم سے ملتے تھے تکبر ان میں ذرہ برابر بھی نہ تھا، مذہب شافعیہ کی امامت وسیادت ان پر ختم تھی، دور دور سے لوگ استفادہ کیلئے انکے پاس حاضر ہوتے تھے

حتی کہ شیخ الاسلام برہان الدین ابن الفرکاح فرماتے تھے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حماۃ کا سفر کروں اور قاضی شرف الدین سے تنبیہ پڑھوں، کتابوں کا ایسا شوق تھا کہ اس زمانہ میں جہاں کسی نے کوئی کتاب لکھی اور ان کو علم ہوا فوراً اسکے پاس کتابت ونقل کی اجرت بھجوا کر باصرار تاکید کرتے کہ جلد نقل کراکے بھجوائے۔

چالیس برس تک وہ حماۃ کے قاضی رہے مگر کبھی تنخواہ نہیں لی، نہ کبھی اپنے پاس درہ رکھا نہ کسی کو سزا دی، انکے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں ایک بڑی تعداد ان فقہا کی ہے جنکو انھوں نے فتوی دینے کی اجازت دی ہے، ذہبی وبرزالی وغیرہ نے ان سے حدیثیں سنی ہیں۔

انھوں نے متعدد حج کئے تھے ازانجملہ ایک حج ۶۸۰ھ میں اور ایک ۷۱۵ھ میں اور ایک ۷۲۰ھ میں انھوں نے کیا تھا (ابن کثیر) اور آخر میں تو حرم کی مجاورت کے باب میں بھی یافعی سے مشورہ لیا تھا مگر اس مشورہ کے بعد جلد ہی ان کا انتقال ہوگیا (یافعی، شذرات، درر)

انکے تفردات میں سے یہ مسئلہ ہے کہ عورت کو طواف افاضہ سے پہلے اگر حیض آنا شروع ہو جائے تو ایک اونٹ (یا گائے) کی قربانی کرکے وہ بغیر طواف افاضہ کئے اپنے وطن واپس ہو سکتی ہے، یافعی نے بارزی کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے اور انکی علمی جلالت وعظمت کے اعتراف کے ساتھ انکے اس فتوی کی پرزور تردید کی ہے اور اسکو حدیث کے خلاف ثابت کیا ہے، نیز اسکو مذہب شافعی کے خلاف بھی بتایا ہے، لیکن یہاں پر یافعی سے بھی ایک چوک ہوگئی ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے بارزی کے فتوی کو مذہب حنفیہ کے موافق بتایا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، مذہب حنفیہ میں حائض عورت کو طواف افاضہ کئے بغیر اونٹ یا گائے ذبح کرکے وطن واپس ہونیکی اجازت نہیں ہے، نہ صورت مذکورہ میں ذبح بدنہ طواف افاضہ کے بجائے کفایت کرسکتا ہے۔ بارزی کی وفات ۷۳۸ھ میں ہوئی۔

القاضی الامام جلال الدین رومی

احمد بن الحسن نام تھا، شام کے قاضی القضاۃ تھے، انکے والد حسام الدین احمد بھی قاضی القضاۃ تھے، بڑی

محنت وتندہی سے علم حاصل کیا تھا، پڑھنے کے زمانہ میں روزانہ تین سو سطریں یاد کرتے تھے، جامع الاصول کا بہت سا حصہ انکو یاد تھا، شام کے تین بہترین حنفی مدارس میں انھوں نے درس دیا تھا، قطب الدین یونینی نے کہا ہے کہ وہ جامع الفضائل تھے، سخاوت اور تواضع ومدارات کے ساتھ اہل علم سے محبت کرتے تھے، برزالی کہتے ہیں کہ وہ بہت محبوب ومقبول اور نہایت فیاض تھے، وہ جب بیمار پڑتے تھے تو کہتے تھے کہ مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بتایا ہے کہ میں بہت دنوں تک زندہ رہوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انھوں نے نوے برس سے زیادہ عمر پائی، ابن فضل اللہ کا بیان ہے کہ انھوں نے دمشق میں ستر سال سے زائد علم کا درس دیا، دمشق کے اکثر حنفی حکام وقضاۃ اور مدرسین انھیں کے شاگرد وفیض یافتہ تھے، اور انکی تحریری تصدیق کے بغیر شاید ہی کوئی مفتی ومدرس مقرر ہوا ہو۔

انھوں نے متعدد حج کئے تھے از انجملہ ۷۱۱ھ میں ابن تیمیہ کے بھائی شیخ شرف الدین کی معیت میں اور ایک دفعہ ۷۲۱ھ میں حافظ برزالی ومصنف تلخیص کی معیت میں انھوں نے حج کیا تھا۔ (ابن کثیر)

۷۴۵ھ میں ان کی وفات ہوئی (ابن کثیر ودرر)

فخر الدین بعلبکی

عبد الرحمن بن محمد بن عبد الرحمن بن یوسف نام تھا، بڑے نامی فقیہ ومحدث تھے، علم حدیث کی طلب وتحصیل میں بڑی محنت کی تھی اور اسکے لئے بار بار سفر کیا تھا مدرسہ صدریہ کے شیخ تھے، افتار کا مشغلہ بھی تھا ان سے امام ذہبی وغیرہ نے حدیثیں سنی تھیں، ذہبی کا بیان ہے کہ وہ فقیہ ومحدث تھے علم کے ساتھ ان کو بہت اشتغال تھا وہ نہایت عفیف ودیندار تھے، انھوں نے کئی بار حج کیا اور کئی مہینے مکہ میں قیام کیا، وہ روزانہ تہجد میں دو پارے پڑھتے تھے یہ انکا دائمی معمول تھا، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انھوں نے ۷۲۳ھ میں پھر ۷۲۶ھ میں پھر ۷۳۱ھ میں ابن القیم وابن کثیر وغیرہ علما کی ایک جماعت کے ساتھ حج کیا تھا، ان کی وفات ۷۳۲ھ میں ہوئی۔

شمس الدین حارثی مصری

عبدالرحمن بن مسعود بن احمد نام تھا مصر میں حنبلی علمار کے رئیس تھے، حدیث کی سماعت اپنے والد کے طفیل میں اور انکی توجہ سے بہت کی تھی حنبلی مذہب کے فقہ میں انکو بڑی مہارت تھی، اور اس باب میں انکو نمایاں تفوق حاصل تھا، ابن دقیق العید کے شاگرد تھے، اپنے مذہب کے مفتی و مناظر تھے، اپنے والد کی نیابت میں قضا کی خدمت بھی انجام دی تھی، مدرسہ منصوریہ اور جامع طولون میں درس بھی دیتے تھے، انکا شمار علماے عاملین میں تھا، تدین و تقوی میں ان کو امتیاز حاصل تھا، ابن کثیر کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ ۷۲۳ھ میں اور ایک دفعہ ۷۳۱ھ میں حج کیا تھا ۷۳۲ھ میں انکی وفات ہوئی (شذرات و درر)

قاضی القضاۃ شمس الدین ابن الحریری

محمد بن عثمان بن ابی الحسن انصاری نام تھا، دمشق کے قاضی القضاۃ تھے، مصر میں بھی قضا کے عہدہ پر رہے ہیں، فقیہ و محدث تھے نحو اور فقہ میں کئی کتابیں انکو ازبر تھیں، انھیں میں ہدایہ بھی تھی، قاہرہ کے مدرسہ صالحیہ اور ناصریہ اور جامع حاکم میں اور دمشق کے ظاہریہ وغیرہ میں انھوں نے درس دیا، ذہبی و ابن حجر وغیرہ نے انکی اس بات کی بہت تعریف کی ہے کہ انھوں نے منصب قضا کے فرائض پوری ذمہ داری اور دیانت داری سے انجام دئے، اور کبھی کسی کا کوئی ہدیہ قبول نہیں کیا، ذہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ نہایت کھرے اور حقگو تھے، انکے فیصلے محمود و قابل تعریف تھے، انکی دیانت بہت ٹھوس تھی اور انکی نظیر کمیاب، اور اپنے احکام میں بہت سخت کسی صاحب وجاہت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے، ایک بار الملک الناصر کے ساقی بکتمر نے خود سلطان کو درمیان میں ڈالکر اپنے ایک اصطبل کے بدلہ میں وقف کی ایک زمین حاصل کرنا چاہی تو انھوں نے سلطان سے صاف کہدیا کہ جواز استبدال کی ایک روایت امام ابو یوسف سے ہے مگر میں اس پر عمل نہیں کرتا، بادشاہ نے خفا ہو کر انکو معزول کر دیا مگر انھوں نے اسکی کوئی پروا نہ کی، حافظ عبد القادر قرشی الجواہر المضیۃ

کے مصنف انکے شاگردہیں انکا بیان ہے کہ ابن الحریری کو بہت مقبولیت حاصل تھی، قاضی القضاۃ ابوالحسن مارونی نے ان کی مدح میں اکتالیس شعر کا ایک قصیدہ لکھاہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

دع عنك ذکر شقائق النعمان | واذکر شقیق امامنا النعمان

ابن کثیر نے لکھاہے کہ ابن الحریری نے ۷۲۰ھ میں حج کیا تھا، انکی وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی (درر وجواہر)

قاضی القضاۃ نجم الدین بن صصری

احمد بن محمد بن سالم نام تھا، سبعہ کے قاری تھے، ہفت قلم خطاط تھے، نہایت زود نویس تھے ایک دن میں پانچ جزو تک انھوں نے لکھاہے، ان کمالات کے ساتھ حدیث وفقہ میں بھی انکو امتیاز حاصل تھا، مدرسۂ عادلیہ اور امینیہ اور غزالیہ میں تدریس کی خدمت انجام دی، لشکر کے قاضی، اور شیخ المشائخی کے عہدہ پر تھے، ۷۰۲ھ سے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، بڑے بااخلاق اور فیاض طبیعت تھے، ہر آنے والے کی اسکے مرتبہ کے لحاظ خاطر داری کرتے جو امیر یا عالم یا اور کوئی آتا اسکو تحفہ پیش کرتے، مصر و شام کے نمایاں اشخاص کے پاس انکے ہدیے برابر پہنچتے رہتے تھے، حد سے بڑھا ہوا تواضع، بردباری وچشم پوشی، اور انتقام کے بجائے عفو ودرگذر انکے امتیازی اوصاف تھے ایک شاعر انکی مدح اور ہجو دونوں لکھکر لایا اسکا ارادہ تھا کہ پہلے مدحیہ قصیدہ پیش کروں گا اگر خاطر خواہ انعام ملا تو خیر ورنہ ہجو پیش کردونگا مگر پیش کرنے کے وقت غلطی سے اس نے ہجو ہی پہلے انکے ہاتھ میں دیدی انھوں نے پوری نظم پڑھکر اسکو خاطر خواہ انعام دیا تمام حاضرین نے یہی سمجھا کہ شاعر نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا ہے، مگر جب شاعر نے باہر جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مدحیہ قصیدہ تو اسکے پاس ہی رہ گیا ہے اس لئے وہ لوٹ کر آیا اور بڑی شرمندگی کے ساتھ معذرت خواہی کی، مگر انھوں نے اسکی کچھ بھی سرزنش نہیں کی،

انھوں نے کئی حج کئے تھے از انجملہ ایک حج ۷۱۱ھ میں کیا۔

انکی وفات ۷۲۳ھ میں ہوئی۔ (درر، شذرات، ابن کثیر)

علامہ محمد بن محمد بن احمد مَقَّری

مَقَّر (جگّر کے وزن پر یا گمُر کے وزن پر) شمالی افریقہ کا ایک قریہ ہے، وہیں ان کے آباو اجداد کا وطن تھا، پھر ان کا خاندان تلمسان منتقل ہوگیا، اس لئے وہ مقری تلمسانی کہے جاتے ہیں علم کی تحصیل واشاعت میں انتہائی جانفشانی کی، کثرت اطلاع و یادداشت میں اپنے وقت کے یکتا تھے فقہ، تفسیر اور عربیت کی انھوں نے خوب خدمت کی، حدیث اور تاریخ کے حافظ تھے، دوسرے فنون میں بھی اچھا دخل تھا، اہل تصوف کے معارف سے بھی خوب آشنا تھے، فقہ اور تصوف میں صاحب تصنیفات بھی ہیں، انکے ہم مذہب (مالکی حضرات) کہتے ہیں کہ انکو ملکۂ اجتہاد حاصل تھا، مورخ ابن خلدون وغیرہ ان کے ممتاز شاگردوں میں ہیں۔

انھوں نے حج کیلئے مشرق کا سفر کیا تو اسی سلسلہ میں ابوحیان نحوی، شمس اصبہانی اور ابن عدلان سے مصر میں اور ابن القیم سے دمشق میں اور رضی الدین طبری امام حرم سے مکہ میں ملاقات کی اور ان حضرات سے استفادہ کیا، سفر سے واپسی کے بعد سلطان فاس نے انکو قضا کا محکمہ سپرد کیا، اس محکمہ کے فرائض انھوں نے پوری واقفیت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ انجام دئیے جسکے عام طور پر لوگ مداح تھے، اس باب میں انھوں نے کسی کی ناراضی یا ملامت کی پروا نہیں کی۔

خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ۷۴۴ھ میں حج کیا، اس سال جمعہ کے دن حجاج عرفات میں اکٹھا ہوئے تھے اور مسجد حرام کے خطیب نے بیان کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بعد سے (جو جمعہ کو ہوا تھا) اب تک ننانوے بار جمعہ کے دن حج ادا کیا جاچکا ہے اور اس سال جمعہ کے دن والے سو حج پورے ہورہے ہیں، مقری کہتے ہیں یہ بات مکہ والوں کے نزدیک گویا متواتر ہے جسکو اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے چلے آرہے تھے، لیکن اسی کے ساتھ مکہ میں عام طور پر یہ بات بھی مشہور ہے کہ ہر پانچویں سال جمعہ کو حج ہوا کرتا ہے، لہذا اگر یہ صحیح ہے تو خطیب صاحب کی بات ٹھیک نہیں بیٹھتی اس لئے کہ اس حساب سے تو ۷۴۴ھ میں ان حجوں کی تعداد ایکسو اڑتالیس ہوتی ہے، پھر پانچ سال والی بات کو بھی بہت

سے اہل مکہ مطرد نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ کبھی پانچ سال سے زیادہ بھی ہوجاتے ہیں۔

مقری ہی نے اپنا یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ میں فاس کے بادشاہ سلطان ابوعنان کی بارگاہ میں علمی باتیں سنانے کیلئے جایا کرتا تھا، ایک بہت بڑے رئیس جو سادات میں سے تھے وہ جب آتے تھے تو بادشاہ اور تمام اہل مجلس انکی تعظیم کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے مگر میں نہیں کھڑا ہوتا تھا، انھوں نے کئی بار جب مجھکو ایسا کرتے دیکھا تو بادشاہ سے شکایت کی، بادشاہ نے کہا یہ باہر سے آئے ہیں اور جلد ہی واپس چلے جائیں گے لہذا انکو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے لیکن ان رئیس صاحب کی اس سے تشفی نہیں ہوئی اس لئے ایک دوسرے موقع پر جب وہ تشریف لائے اور بادشاہ واہل مجلس سب کھڑے ہوگئے تو انھوں نے مجھ کو مخاطب کرکے کہا کہ جناب فقیہ! جسطرح بادشاہ اور اہل مجلس میرے جد امجد اور میری سیادت کے احترام میں کھڑے ہوتے ہیں اسیطرح آپ بھی کیوں نہیں کھڑے ہوتے، مقری نے کہا سید صاحب! میرا شرف جو علم کی بدولت ہے وہ محقق ویقینی ہے اور آپ کا شرف جو نسب کی بنیاد پر ہے ظنی وغیر یقینی ہے، اس لئے کہ جس محترم ذات کیطرف آپ اپنے کو منسوب کرتے ہیں انکا زمانہ آج سے سات سو برس پہلے ہے اور کوئی بھی اس طویل مدت میں آپ کی اس نسبت کے تسلسل اور اسکی صحت کو کسی ایسی دلیل سے ثابت نہیں کرسکتا جس پر یقین کیا جاسکے، اور اگر ہمکو آپ کی اس نسبت کا قطعی علم حاصل ہوجاتا تو (بادشاہ کیطرف اشارہ کرکے کہا) ہم اسکو اس تخت سے اٹھا کر آپ کو اس پر بٹھا دیتے، سید صاحب یہ جواب سنکر خاموش ہوگئے۔

مقری کی وفات ۷۵۹ھ یا ۷۵۸ھ میں ہوئی (دیباج ص۲۸۸ و نیل الابتہاج ص۲۴۹)

امام ناصرالدین ابن الربوة

محمد بن احمد بن عبدالعزیز نام تھا، انکا خاندان قونیہ سے دمشق منتقل ہوا تھا انکی ولادت دمشق میں ہوئی، فقہ وفرائض واصول وعربیت میں علامہ تھے، رضی الدین منطقی کے شاگرد تھے، شرح فرائض سراجیہ اور شرح منار وغیرہ انکی تصنیفات میں سے ہیں، فقیہ ومفتی تھے، مدرسہ مقدمیہ میں درس

دیتے تھے، جامع بلبغا کے خطیب بھی تھے، ۷۵۹ھ میں وہ قاہرہ گئے وہاں کچھ دن قیام کرنے کے بعد رجب میں جو قافلہ حجاج کا مکہ جاتا ہے اسکے ساتھ مکہ گئے، اور حج کے زمانے تک قیام کرکے اسی سال حج کیا، اسکے بعد شام میں آکر مقیم ہوئے، ۷۶۴ھ میں انتقال کیا (جواہر و درر)

(فائدہ) بغداد و مصر و شام سے عموماً بہت سے لوگ رجب ہی میں مکہ چلے جاتے تھے اور حج کے زمانہ تک وہاں قیام کرتے تھے اور حج کرکے واپس آتے تھے، ایسا کرنے سے ایک لمبی مدت یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے کیلئے مل جاتی تھی۔

شرف الدین امیوطی

محمد بن محمد بن احمد بن ابراہیم نام تھا، شافعی المذہب تھے، فقہ میں بہت ماہر تھے، حدیث کی سماعت بھی کی تھی، نابلس کے قاضی اور جامع ظافری میں مدرس تھے، بعد میں مدینہ منورہ کے قاضی اور مسجد نبوی کے امام و خطیب مقرر ہوئے، شیعوں کے سخت مخالف تھے، نہایت جری اور باہیبت تھے، علمائے شیعہ کو انھوں نے زیر کرلیا تھا، ممبر پر انکے عقائد کی برائیاں بیان کرتے تھے، اور محفلوں میں انکو زجر و توبیخ کرتے تھے، انکو اتباع سنت کا سخت اہتمام تھا، عبادت میں بھی بہت محنت کرتے تھے، حج کے لئے گدھے پر سوار ہو کر جاتے تھے۔

مدینہ میں شعبان کی پندرہویں رات کو (شب برات میں) باجماعت نفل پڑھنے کے مدتوں سے لوگ عادی تھے، مسجد خوب سجائی جاتی تھی اور روشنی خوب کیجاتی تھی، انھوں نے اس رسم کو یک قلم موقوف اور اس بدعت کا بالکلیہ استیصال کردیا، انکی وفات ۷۴۵ھ میں ہوئی (درر)

صاحب کرامات ظاہرہ عارف باللہ محمد مرشدی

محمد بن عبد اللہ بن ابی المجد ابراہیم نام تھا، منیہ بنی مرشد (نواح مصر) میں آپکا قیام تھا، قرأت سبعہ اور علم فقہ کی تحصیل کے بعد آپ اپنے زاویہ میں گوشہ نشین ہوگئے، خدمت خلق اور مہماں نوازی

کا بہت بلند حوصلہ آپ میں تھا، اور اس باب میں بیحد حیرت انگیز واقعات کا ظہور آپ سے ہوا، ہر کس وناکس اور چھوٹا بڑا جو آپکے پاس سے گذرتا تھا سب کو آپ کھلاتے تھے، بلکہ جس کو جس چیز کی خواہش ہوتی تھی اسکو وہی کھلاتے تھے، اس پر لطف یہ کہ کسی سے کوئی ہدیہ یا نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ سلطان وقت نے بہانہ سے انکو کچھ دینا چاہا تو بھی نہیں لیا، اس بے نیازی کیساتھ اس غیر معمولی مہماں نوازی کے واقعات اسدرجہ متواتر ہیں کہ جن حضرات کی تنقیدی نگاہ بہت تیز ہے وہ بھی انکار کی جرأت نہ کرسکے، ابن تیمیہ وذہبی جیسے محقق نقاد بھی واقعات کی صحت کا انکار نہ کرسکے تو ان کی تاویل یہ کی کہ جنات انکے تابع تھے، مگر تذکرہ نویسوں نے واقعات کی جو تفصیل بیان کی ہے اسکو پڑھنے کے بعد اس تاویل کو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

مسالک الابصار کے مصنف ابن فضل اللہ نے لکھا ہے کہ انکی مہماں نوازی کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں پچھلی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی، ایک شخص جو ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم ہو جہاں کی ریتیلی زمین میں کچھ بہت پیداوار بھی نہ ہوتی ہو، پھر وہاں کوئی بازار بھی نہ ہو وہاں ہر وقت انواع و اقسام کی ان چیزوں کا مہیا ہو جانا جو قاہرہ یا دمشق کے سوا کہیں دستیاب ہوسکتی ہوں، پھر لطف یہ کہ نہ کوئی خادم ہو نہ باورچی نہ ہانڈی نہ چولھا، پھر بھی جسوقت جتنے مہمان آجائیں سب کی خاطر خواہ مہماں نوازی حد درجہ حیرت انگیز ہے۔ ابن فضل اللہ کہتے ہیں کہ بیان کرنے والوں نے بہت کچھ مبالغہ سے بھی کام لیا ہو مگر یہ واقعات اس قدر مشہور و متواتر ہیں کہ بالکلیہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ اسکی اصلیت ضرور ہے۔ چنانچہ مجھ سے مختلف جماعتوں نے بیان کیا ہے جنکو بلا واسطہ اسطرح کے واقعات سے سابقہ پڑا ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مریدین و معتقدین کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج کیا تھا اس سفر میں ہر رات کبھی ایک ہزار درہم کبھی اس سے زیادہ لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کرتے تھے، بلکہ ایک دفعہ تین راتوں کا حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک ہزار دینار کی مالیت کا کھانا خرچ ہوا، دوسری دفعہ پانچ راتوں کا حساب لگایا گیا تو پچیس ہزار درہم کی لاگت کا کھانا خرچ ہوا۔

سلطان الاسلام الملک الناصر (بادشاہ مصروشام) سے آپکی ملاقات ہوئی توآپنے اس کی بہت تعظیم کی، مگر کوئی نذرانہ قبول نہیں کیا نہ کسی دوسرے ہی کیلئے کوئی سفارش یا کسی چیز کی درخواست کی اور ارکان دولت میں کسی کے حق میں کوئی کلمہ خیر نہیں کہا، بجز ناظر الجیش کے کہ اسکے حق میں ضرور چند کلمات کہے، چنانچہ الملک الناصر کو اسکی ناگواری ہوئی کہ انھوں نے میری تعظیم تو بہت کی مگر کسی کیلئے نہ کچھ مانگا نہ کچھ کہا، باقی رہا ناظر الجیش تو وہ انکی تعریف کرتا ہے اور وہ اسکی تعریف کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے اس واقعہ پر بہت عمدہ نوٹ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں تو شیخ نے بہت خوب کیا اس لئے کہ ناظر الجیش کے حالات سے جو واقف ہے وہ جانتا ہے کہ وہ بڑا عدل پرور، ظالمانہ احکام ورسوم کو مٹانے والا، اور رعیت کا خیر خواہ اور حمایتی تھا، اسکے بعد فرماتے ہیں کہ انکے معاصرین میں جو جو لوگ دور دور سے حالات سنکر ان پر معترض اور ان سے بدعقیدہ تھے جب انھوں نے انکو نزدیک سے دیکھا ہے تو انکی بدعقیدگی عقیدت مندی میں بدل گئی ہے جیسے علامہ ابن سید الناس اور ابن جنکلی وغیرہما۔

ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ صاحب حال بزرگ تھے، لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتے تھے، نہ انکی زبان سے شطحیات (ایسے کلمات جنکا ظاہر شریعت کے مطابق نہ ہو) کا صدور ہوتا تھا، اور ان کے عقائد درست تھے، ابن حجر نے کہا ہے کہ وہ بہت کثیر التلاوت تھے۔

امام یافعی نے بھی انکی زیارت کی ہے اور انکی کرامات کا مشاہدہ بھی کیا ہے، اپنی ملاقات کا حال انھوں نے مرآۃ الجنان میں تفصیل سے لکھا ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں کہ حکومت وقت ان سے مرعوب تھی وہ بڑے بڑے امیر و وزیر کو جو لکھ بھیجتے تھے کسی کی مجال نہ تھی اسکو رد کر دے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انھوں نے بہت سی دفعہ حج کیا ہے، از انجملہ ۷۳۱ھ میں جس سال ابن کثیر وابن قیم گئے تھے اس سال وہ بھی حج میں تھے، آپ کی وفات ۷۳۸ھ میں ہوئی۔

(درر، مرآۃ، شذرات، ابن کثیر)

ابو عبد اللہ ابن مرزوق عجیسی تلمسانی

محمد بن احمد بن محمد بن محمد نام تھا، تلمسان (بلاد مغرب) وطن تھا، سماع حدیث کا انھوں نے بڑا اہتمام کیا تھا اور اسکے لئے بہت سے شہروں کی خاک چھانی تھی، اور جن مشائخ حدیث سے انھوں نے سماعت کی تھی انکے ذکر میں ایک کتاب لکھی تھی، اسکے علاوہ اصول و فروع کے متعدد فنون میں انکو کمال حاصل تھا، پہلے سلطان فاس کے دربار میں کاتب یا سفیر کے عہدہ پر رہے، پھر اندلس کے سلطان نے انکو خطابت اور ایک مدرسہ میں تدریس کی خدمت تفویض کی سب سے اخیر میں قاہرہ آگئے اور سلطان وقت اشرف شعبان نے انکی قدردانی فرماتے ہوئے متعدد اسباق اور کئی مدرسے انکے سپرد کئے تا آنکہ ۸۱ھ میں انکا انتقال ہوگیا،

انھوں نے اپنے والد کی معیت میں ۷۳۳ھ میں حج کیا تھا اور حج کے طفیل میں انھوں نے جو علمی فیوض حاصل کئے تھے انکی تفصیل بہت طویل ہے، تاہم مختصراً اتنا بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مدینہ منورہ میں مشائخ حدیث کی ایک جماعت کے پاس حاضری دی، اور ان سے حدیثیں سنیں جن میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں، زبیرؒ بن علی اسوانی، عبد اللہؒ بن محمد بن فرحون، خطیبؒ مدینہ الحسن بن علی بن اسمٰعیل، جمالؒ الدین مطری موذن مسجد حرام، احمدؒ بن محمد صنعانی نائب قاضی، شرفؒ الدین امیوطی قاضی مدینہ، منقالؒ بن عبد اللہ مغیثی، موسیٰؒ بن سلامۃ مصری خطیب، ابو فارسؒ ابن ابی رکنون تونسی، اسیطرح مکہ مکرمہ میں عیسیٰؒ بن عبد اللہ حجی، الزینؒ احمد بن محمد طبری، الفخرؒ عثمان توزری نجم الدینؒ محمد طبری، الجلالؒ اقشہری، عبد اللہؒ بن اسعد یافعی، برہانؒ الدین بن الفرکاح، عز الدین بن جماعہ وغیرہ کے پاس حاضر ہوکر حدیثوں کی سماعت کی (درر و دیباج)

اس اجمالی فہرست پر نظر ڈالنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اُس دور کے حجاج و زائرین کیسے نیک عزائم اور کیا ہمت و حوصلہ لیکر حج کیلئے آتے تھے اور حج کی سعادت کے ساتھ کیا کیا فوائد و برکات ساتھ لیکر جاتے تھے، کیا ان واقعات میں ہمارے زمانہ کے حجاج کیلئے بھی کوئی درس عبرت ہے؟

بہاء الدین سبکی

امام تقی الدین سبکی شافعی کے خلف ارشد تھے، احمد بن علی بن عبد الکافی نام تھا، ذہبی کہتے ہیں کہ وہ صاحب فضائل تھے، انکا علم جید تھا، ان میں ادب اور تقوی بھی تھا، بیس ہی برس کی عمر میں انکو سیادت حاصل ہوگئی تھی، اسی عمر میں انھوں نے اپنے والد بزرگوار کی جگہ درس دینا شروع کیا، اور ایسا درس دیا کہ انکے والد نے انکا درس سنکر برجستہ یہ شعر کہا ؎

دروس احمد خیر من دروس علی   وذالک عند علیٍّ غایۃ الامل ؛

احمد کا درس (انکے باپ) علی کے درس سے بہتر ہے   اور علی کی یہی انتہائی آرزو تھی ؛ ؛

وہ دار العدل کے مفتی، اور شام کے قاضی ہونے کے علاوہ لشکر کے قاضی بھی تھے، انکی نسبت مذکور ہے کان کثیر الحج والمجاورۃ والاوراد والمروٗۃ۔ وہ بہت زیادہ حج کرنے والے اور مکہ میں بکثرت مجاورت کرنے والے تھے، وظائف بھی بہت پڑھتے تھے اور بہت بامروت بھی تھے، ۷۷۳ھ میں انکی وفات ہوئی۔

شیخ حسام الدین ملتانی

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ، اور جو لوگ آپکی تربیت سے کامل ہوئے ان میں بہت بلند پایہ تھے، شیخ انکے باب میں فرماتے تھے کہ شہر دہلی انھیں کی حفاظت میں ہے، زہد و تقوی میں سلف صالحین کے طریقہ پر تھے، فقر و طریقت کے ساتھ علم شریعت میں بھی انکا درجہ بہت اونچا تھا، ہدایہ اور بزدوی انکو گویا زبانی یاد تھی، یہی حال علم تصوف میں قوت القلوب و احیاء العلوم کا بھی تھا۔

سلطان المشائخ نے جب انکو خلافت سے سرفراز فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ کوئی وصیت فرمائے، شیخ نے ہاتھ باہر نکالکر انگشت شہادت سے انکی طرف اشارہ کرکے تین بار فرمایا ترک دنیا، ترک دنیا، ترک دنیا۔ پھر فرمایا کہ مریدوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرنا، انھوں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو شہر کے

باہر بیابان میں دریا کے کنارے ایک جھونپڑا ڈال کر رہوں، شہر میں کنووں کے پانی سے وضو کرنا پڑتا ہے جس کی طہارت پر اطمینان نہیں ہے، شیخ نے فرمایا ایسا کروگے تو چرچا ہونے لگے گا کہ فلاں درویش فلاں جگہ بیٹھ گیا ہے پھر شہری اور مسافر پوچھتے پوچھتے وہاں پہونچیں گے اور تمہارا وقت خراب کرینگے رہا کنویں کا مسئلہ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے اور شرعاً اسکے استعمال میں وسعت و رخصت ہے، انھوں نے عرض کیا میرا معمول ہے کہ جب خدا کچھ بھجوا دیتا ہے تو اس میں سے کچھ بچوں کے خرچ کیلئے دیدیتا ہوں اور کچھ مہمانوں کیلئے اٹھا رکھتا ہوں، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہیں سے کچھ نہیں آتا اسوقت بیوی بچے بھی تنگ کرتے ہیں اور مہمان بھی محروم واپس جاتے ہیں، ایسے موقعوں پر قرض لوں یا نہیں؟ فرمایا تب تو تدبیر و انتظام کے چکر میں پھنس جاؤگے، درویش تو وہ ہے کہ پاس ہو تو خرچ کرے ورنہ صبر کرے۔ اور نامرادی کیوجہ سے اسکی پیشانی پر بل نہ آئے۔

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا کہ درویش کو ہرردری (ہرجائی) نہ ہونا چاہیے، ایک ہرردری تو وہ ہوتے ہیں جو دروازے دروازے گھوم کر مانگتے پھرتے ہیں یہ صوری (ظاہری) ہرردری ہیں، دوسرے ہرردری وہ ہیں جو اپنے گھر کے کسی گوشہ میں بیٹھے ہوئے یاد خدا کر رہے ہوں مگر دل میں یہ سوچ رہے ہوں کہ زید و عمر کے یہاں سے میرے گھر کچھ آئیگا۔ پھر فرمایا کہ ظاہری ہرردری اس معنوی (چھپے ہوئے) ہرردری سے اچھا ہے کہ اسکا ظاہر و باطن یکساں ہے اور چھپے ہوئے ہرردری بظاہر تو حق کے ساتھ مشغول ہیں اور باطن میں دربدر گھوم رہے ہیں۔

ایک دفعہ شیخ حسام الدین کندھے پر مصلا ڈالے ہوئے کہیں چلے جارہے تھے، اتفاق سے مصلا گر گیا اور انکو خبر نہیں ہوئی ایک شخص نے کئی بار شیخ شیخ کہکر انکو آواز دی مگر یہ متوجہ نہیں ہوئے اس لئے وہ مصلا لیکر دوڑا ہوا انکے پاس آیا اور کہا میں نے کئی دفعہ آواز دی شیخ اپنا مصلا اٹھا لیجئے مگر آپ نے سنا نہیں، فرمایا بھائی! میں تو ایک فقیر ملا ہوں، میں شیخ نہیں ہوں۔

محمد تغلق کے عہد میں جب اس نے دولت آباد کو بسانے کیلئے دہلی خالی کرادی تھی آپ گجرات کے شہر نہروالہ پٹن چلے گئے تھے، اور جامع مسجد کے ایک حجرہ میں قیام کرکے عبادت و ریاضت میں مصروف

ہو گئے تھے، مگر اپنی درویشی کو چھپاتے تھے، ایک تہمد باندھتے اور ایک کپڑا اوپر کے حصہ پر ڈال لیتے سر پر ایک ٹوپی اس پر رسی کا ایک ٹکڑا لپٹا ہوا رہتا، تمام روز طلبا، کو دینی کتابوں کا درس دیتے تھے۔

شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ آپ جب حج اور زیارت خانہ کعبہ کر کے ہندوستان واپس آئے اور اپنے پیر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے اسکو چاہیئے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی علٰحدہ نیت کر کے مستقل سفر کرے تاکہ طفیل والی زیارت کا شرف حاصل کرنے والا نہ رہے، مولانا حسام الدین نے سننے کے ساتھ زیارت مدینہ کا عزم مصمم کرلیا اور دوسرے دن روانہ ہو گئے (اخبار الاخیار، برکات الاولیا، نزہہ)

آپ کی وفات ۷۳۶ھ میں ہوئی، آپ کا مزار نہر والہ پٹن میں ہے۔

مولانا فخرالدین زرادی

آپ بھی شیخ نظام الدین اولیاء کے ممتاز خلفاء میں ہیں، آپ علم و تقویٰ اور ذوق و عشق کے جامع تھے، دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے، پہلے مولانا فخرالدین ہانسوی کے پاس علم ظاہر کی تحصیل و تکمیل میں مشغول تھے اور اپنی ذکاوت و فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے شہر کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے تھے، بعد میں شیخ المشائخ کے مرید ہو کر درویشی اختیار کرلی، آپ اکثر سفر میں رہتے اور سنسان مقامات میں عبادت کیا کرتے تھے، صوم دوام کے عادی تھے۔

آپ نے شیخ المشائخ سے دریافت کیا کہ ذکر میں مشغول رہنا افضل ہے یا تلاوت کرنا افضل ہے؟ شیخ نے فرمایا ذاکر بہت جلد خدا رسیدہ ہو جاتا ہے مگر زوال کا اندیشہ لگا رہتا ہے، اور تلاوت کرنے والا دیر میں اس مرتبہ کو پہنچتا ہے مگر زوال کا خطرہ نہیں رہتا۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کو مہینہ دو مہینہ میں جو حاصل ہوتا تھا وہ مولانا فخرالدین کو ایک گھڑی میں حاصل ہو جاتا تھا۔

مولانا فخرالدین بھی اسی زمانہ میں جب دولت آباد بسایا جا رہا تھا دہلی سے گجرات چلے گئے تھے

اور وہاں سے خانۂ کعبہ کی زیارت کو گئے، واپسی میں بغداد ٹھہر کر علم حدیث حاصل کیا اسکے بعد دہلی کے شوق میں وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر چلے، راستہ میں کشتی ڈوب گئی اور آپ کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا آپ کی وفات ۷۴۳ھ میں ہوئی۔ (اخبار، ونزہہ)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

سید جلال الدین حسین بن احمد بخاری، ہندوستان کے مشہور و معروف اولیائے کبار میں ہیں، آپ شریعت و طریقت کے جامع تھے، آپ شیخ الاسلام رکن الدین قریشی کے مرید اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی خلیفہ تھے، اور جب حج کیلئے گئے ہیں تو مکہ میں امام عبداللہ یافعی کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے، آپ کے ملفوظات خزانۂ جلالی میں امام یافعی سے بہت سی باتیں منقول ہیں، نیز محدث مدینہ شیخ عفیف الدین مطری نے بھی حرم نبوی میں آپکو خرقۂ تبرک عطا فرمایا، آپ نے انکی خدمت میں دو سال رہ کر عوارف المعارف اور سلوک کی دوسری کتابیں پڑھیں اور طریق تصوف کی تعلیم پائی۔

شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ محمد تغلق کے عہد میں آپ شیخ الاسلام تھے اور سیوستان کی خانقاہ محمدی کی مسند آپکو عطا ہوئی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد سب چھوڑ چھاڑ کر کعبۂ مبارک کا رخ کیا۔

آپ کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی، آپ نے ۷۸ سال کی عمر پائی تھی (اخبار الاخیار)

ابوالبرکات امین بن محمد

چودہ پشتوں تک ان کے آباء واجداد کا نام محمد بیان کیا جاتا ہے تونس (ٹیونس) کے باشندہ تھے وہاں سے قاہرہ آئے اور قاہرہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، شاعر تھے اور ہجو بکثرت لکھتے تھے، مدینہ پہونچکر وہیں کے مجاور ہو گئے اور ہجو گوئی سے توبہ کر کے عہد کیا کہ آیندہ سے صرف نعت لکھوں گا چنانچہ اس عہد کو انھوں نے مدۃ العمر نباہا، ایک دفعہ انھوں نے مدینہ سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونیکا ارادہ کیا تو خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابوالبرکات! تم ہماری جدائی کیسے گوارا کرو گے؟ اس خواب

کے بعد وہ مرتے دم تک مدینہ ہی میں مقیم رہے، انھوں نے اپنا نام عاشق النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا تھا،

ٹیونس کے سلطان نے انکو اپنے وطن واپس چلے آنے کی بہت ترغیب دی مگر انھوں نے یہ کہکر انکار کردیا کہ اگر مغرب و مشرق کی سلطنت بھی مجھے دیدی جائے تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار وہمسائگی کو نہیں چھوڑ سکتا، انھوں نے جس دن یہ جواب دیا اسی دن خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے انکو جو کے دلیے کے تین لقمے کھلائے، اور ایسے کلمات سے انکو نوازا کہ ابو البرکات کہتے تھے کہ میں ان کلمات کو کسی سے بیان نہیں کرسکتا، ہاں اتنا بتا سکتا ہوں کہ آخری بات یہ تھی، واعلم انی عنک راض (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں تم سے خوش ہوں)

ایک بار انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپکے حضور میں اپنا یہ شعر پڑھا،

لولاک لم ادر الھوی　　　لولاک لم ادر الطریق

آپ نہ ہوتے تو مجھکو پتا نہ چلتا کہ عشق کیا چیز ہے　　　آپ نہ ہوتے تو مجھے راستہ ہی معلوم نہ ہوتا

ابو البرکات کی وفات ۷۴۲ھ میں ہوئی (درر)

قاضی القضاۃ ابو العباس شمس الدین سروجی حنفی

احمد بن ابراہیم بن عبد الغنی نام تھا، فقہ حنبلی میں مقنع اور فقہ حنفی میں ہدایہ کے حافظ تھے، فقہ کے علاوہ اصول و نحو میں بھی صاحب مہارت تھے، ایک مدت تک قاہرہ کے قاضی رہے، اور مدرسہ صلاحیہ وناصریہ وسیوفیہ میں درس دیا، ہدایہ کی نہایت مبسوط شرح لکھنا شروع کی تھی، جسکو کتاب الایمان تک لکھنے پائے تھے کہ انتقال ہوگیا، ان کے بعد شیخ سعد الدین دیری نے اسکی تکمیل شروع کی کتاب الایمان سے باب المرتد تک کی شرح چھ جلدوں میں لکھی تھی کہ ان کا بھی انتقال ہوگیا۔

انھوں نے حافظ ابن تیمیہ کا رد بھی لکھا تھا جسکی نسبت حافظ ذہبی کا اعتراف ہے کہ بہت صاف ذہن اور ادب وسکون کے ساتھ رد لکھا ہے، ذہبی کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اس کے جواب کی ضرورت محسوس کی ہے اور اس کا جواب لکھا ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ بہت باعظمت، صاحب وقار اور کثیر المحاسن تھے، نیز وہ خندہ روئی کے ساتھ باہیبت اور سخی و بلند ہمت بھی تھے، انھوں نے نہ کبھی رشوت لی، نہ ہدیہ قبول کیا، نہ کسی صاحب جاہ کی رعایت کی، اور نہ بادشاہ کی سطوت ان کو مرعوب کرسکی۔

ایک بار ابو عبداللہ فاسی جن کے صلاح کی شہرت تھی کسی معاملہ میں ان کی عدالت میں آئے اثنائے گفتگو میں قاضی ابن مخلوف مالکی کے حق میں ان سے بے ادبی سرزد ہوئی، سروجی نے انکو تھپڑ مار دیا۔ ایک دفعہ ایک امیر کو بری طرح ڈانٹ دیا، ایک بار محتسب پر برس پڑے۔

انھوں نے اپنے سفر حج میں قاضی القضاۃ کا عہدہ حاصل ہونے کی نیت سے آب زمزم پیا تھا، انکی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی (درر)

سر حلقۂ مشائخ نقشبندیہ خواجہ بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند

آپ کا اسم شریف محمد بن محمد بخاری تھا، آپ نے سید امیر کلال قدس سرہ سے طریقت کے آداب سیکھے تھے اور ظاہر میں وہی آپکے پیر مرشد تھے، مگر دراصل خواجہ عبد الخالق غجدوانی کی روحانیت سے آپکو فیض تربیت حاصل ہوا تھا، نقشبندی سلسلہ کے تمام بزرگوں کا سلسلہ آپ منتہی ہوتا ہے، اور سب کو اس نسبت غلامی پر فخر و نازش ہے۔

آپ کا ارشاد ہے۔

ہمارا طریقہ صحبت ہے، اور وہ جو اُن بزرگ (صحابی) نے فرمایا تھا کہ تعال نؤمن ساعۃ، (آؤ تھوڑی دیر ساتھ بیٹھیں اور ایماندار بنیں) اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر طالبان راہ خدا ایک دوسرے کی صحبت میں بیٹھیں تو اس میں بڑی خیر و برکت ہے اور امید ہے کہ اس پر مداومت کرنے سے ایمان حقیقی نصیب ہو جائیگا۔

نیز ارشاد ہے کہ

تصوف و سلوک کا ٹھوس طریقہ سختی کے ساتھ اتباع سنت، اور صحابۂ کرام کے آثار اور طور طریقہ کی پیروی کرنا ہے، اس صورت سے تھوڑے سے عمل کی بدولت بہت کچھ فتوح حاصل ہوتے ہیں ......

ایک شخص نے آپ سے کرامت طلب کی تو فرمایا کہ ہماری کرامت تو بالکل ظاہر و باہر اور کھلی ہوئی ہے کہ گناہوں کا اتنا بوجھ لادے ہوئے بھی زمین پر چل پھر رہے ہیں۔ فرماتے تھے کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپکے جنازہ کے آگے کون سی آیت پڑھیں گے ؟ فرمایا کہ آیت پڑھنا بڑی بات ہے، تم یہ شعر پڑھ دینا ؎

چیست ازیں خوبتر در ہمہ آفاق کار   دوست رود نزد دوست یار بنزدیک یار

اس حکایت کے بعد خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ ہمارے جنازہ پر یہ شعر پڑھ دینا ؎

مفلسانیم آمدہ در کوے تو   شئے للہ از جمال روے تو

خواجہ بزرگ نے دو بار حج کیا تھا، دوسرے حج میں جو مریدین کی جماعت ساتھ تھی ان میں خواجہ محمد پارسا بھی تھے، حضرت خواجہ راستہ میں بزرگوں کی زیارت، اور مریدوں کی بالخصوص خواجہ محمد پارسا کی تربیت فرماتے ہوئے گئے تھے، آپ کی وفات ۷۹۱ھ میں ہوئی۔

۸۰۰ھ

عَلّامہ بُرہانُ الدّین انباسیؒ

ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب نام تھا، حدیث میں حافظ علاء الدین مغلطائی کے شاگرد تھے، اور بقول ابن الفرات دیار مصر کے شیخ تھے، حدیث وفقہ واصول وعربیہ میں انکی متعدد تصنیفات ہیں، انھوں نے قاہرہ کے باہر ایک زاویہ (خانقاہ) تعمیر کرائی تھی اسی میں رہتے تھے اور طلبہ کو فقہ وغیرہ کی تعلیم دینے کیلئے اس میں اکٹھا کرتے تھے، ان کے کھانے کا سامان بھی خود ہی کرتے تھے، اور فارغ ہونے کے بعد انکے لئے ذرائع معاش بھی تلاش کر دیتے تھے بالخصوص جو طلبہ گرد و نواح کے آتے تھے انکی فکر زیادہ رکھتے تھے، ان کا طریقہ تعلیم بہت عمدہ تھا، وہ نرم خو، متواضع، اور ہنس مکھ تھے، تکلف و تصنع سے قطعاً پاک تھے، ان باتوں کا نتیجہ

یہ ہوا کہ قاہرہ کے اکثر طلبہ انھیں کے شاگرد تھے، اور بے شمار لوگ انکے پاس سے تعلیم پاکر نکلے۔

انھوں نے متعدد بار حج کیا ایک دفعہ مکہ میں قیام بھی کیا، آخری دفعہ ؁ میں حج کیلئے گئے، حج کرکے واپس ہو رہے تھے کہ عقبہ ایلہ کے قریب محرم ؁ میں انتقال کر گئے۔ (شذرات وضوء)

ابن سکر محدث حنفی

شمس الدین لقب، ابو عبداللہ کنیت، محمد بن علی بن محمد بن علی بن ضرغام نام و نسب تھا، حدیث وقرارت کے بہت بڑے عالم و امام تھے، انھوں نے بے شمار مشائخ سے بے شمار حدیثیں سنی تھیں، اور اسکا سبب یہ تھا کہ جسوقت حجاج کے قافلے مکہ میں پہنچتے تھے یہ ہر قافلہ کے حجاج کی جائے قیام پر پہونچکر جو لوگ صاحب روایت اور ذی علم ہوتے ان سے جسقدر ممکن ہوتا استفادہ کرتے، حدیثیں سنتے اور لکھتے، انکا وطن مصر تھا مکہ میں مقیم ہو گئے تھے اور قرارت کی تعلیم دیتے تھے، حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ میں نے بھی مکہ میں ان سے حدیثوں کی سماعت کی ہے، ان کی وفات ؁ میں ہوئی۔

مسند الدنیا ابراہیم بن محمد بن صدیق رسّام

حدیث میں ابن تیمیہ، حجار، مزی، اور برزالی وغیرہم کے شاگرد تھے، انھوں نے عمر دراز پائی تھی آخر عمر میں اپنے اساتذہ کے وہی تنہا شاگرد رہ گئے تھے اس لئے علو اسناد کیلئے انکی طرف بڑا مرجوعہ تھا، آخر عمر تک حواس درست تھے، بدن میں بھی قوت تھی، عمرہ کا احرام باندھنے کیلئے پیدل تنعیم جایا کرتے تھے اپنی زندگی کے آخری سال بھی پیدل ہی گئے تھے، انھوں نے سب سے پہلا حج ؁۷۹۱ھ میں کیا تھا، اسکے بعد چار حج اور کئے، پھر ؁ سے لیکر ؁ تک مسلسل (۶) چھ حج مزید کئے، یعنی کل گیارہ حج کئے، انھوں نے مکہ میں مجاورت بھی بہت کی تھی، مدینہ میں بھی مجاور رہے تھے مکہ میں بیس دفعہ انکے سامنے بخاری شریف پڑھی گئی اور ائمہ حدیث مثلاً برہان حلبی، ابن ظہیرہ اور تقی فاسی وغیرہ نے سماعت کی، حافظ ابن حجر نے بھی مکہ میں ان سے حدیث سنی ہے، انکی وفات ؁ میں ہوئی، بچاسی سال کی عمر تھی (ضوء، شذرات)

البرہان ابن خضر عثمانی استاذ سخاوی

ابراہیم بن خضر نام اور قاہرہ وطن تھا، فقہ وحدیث میں انکا پایہ بہت بلند تھا، حافظ ابن حجر کے ممتاز اور صاحب خصوصیت شاگرد تھے، ان سے صحاح ستہ کے علاوہ پوری فتح الباری انھوں نے پڑھی تھی، حافظ سے پوری فتح الباری کا سماع صرف انھیں کو حاصل تھا، حافظ ابن حجر کے علاوہ دوسرے مشائخ واساتذۂ وقت مثلاً قایاتی، ولی عراقی، علاء بخاری اور بساطی وغیرہم سے مختلف علوم کی تحصیل کی، حافظ ابن حجر اپنے تلامذہ میں انکو سب پر فوقیت دیتے تھے، انھوں نے انکو امام عالم علامہ فاضل محدث فقیہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ چالیس سال تک میری صحبت میں رہے، حافظ ابن حجر رمضان میں ان کے سوا کسی دوسرے کو قرات نہیں کرنے دیتے تھے، جو فتویٰ لکھتے تھے ابن خضر کو دکھالیا کرتے تھے بلکہ مشکل مسائل کے جوابات انھیں کے سپرد کردیتے تھے اس لئے کہ حافظ ابن حجر کو دوسرے بڑے کام رہا کرتے تھے، بادشاہ وقت کسی عالم کو عہدۂ قضا پر مقرر کرنے سے پہلے ابن خضر کے پاس بھیجتا تھا کہ اس کی صلاحیت کا امتحان کرکے بتائیں، الغرض نہایت جید متدین اور پرہیزگار عالم تھے۔

انھوں نے متعدد حج کئے تھے، بعض دفعہ مجاورت بھی کی ہے، وہ علامہ سخاوی کے استاد ہیں سخاوی کا بیان ہے کہ ابن حجر کے بعد میرے اساتذہ میں سب سے اجل وافضل ابن خضر تھے، اور ابن خضر اپنے تمام علمی کمالات وفضائل کے باوجود ابن حجر کی طرف انتساب میں فخر محسوس کرتے تھے، اور ابن حجر کو بھی ان پر فخر تھا۔

انکی پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ جب ان کے استاد و رشتہ دار قایاتی قاضی ہوگئے تو انھوں نے ان کے پاس آمدورفت بند کردی، اسیطرح علم الدین بلقینی کے پاس بھی نہیں جاتے تھے، انکو عموماً نزلہ کی شکایت رہا کرتی تھی اس لئے ہروقت عمامہ باندھے موزے پہنے اور لبادہ اوڑھے ہوئے رہتے تھے، فرماتے تھے کہ پہلے حج میں میں نے رابغ سے بغیر چادر اوڑھے ہوئے احرام باندھا تھا اسی وقت سے نزلہ کی شکایت پیدا ہوگئی، آپ کی وفات ۸۵۲ھ میں حافظ ابن حجر کے سامنے ہوئی، حافظ کو انکی وفات سے سخت صدمہ ہوا۔

علامہ برہان بقاعی

ابراہیم بن عمر بن حسن نام تھا، محدث و مفسر و مورخ تھے، یہ بھی حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے،
ان کی سب سے اہم تصنیف مناسبات قرآنیہ ہے جس میں انھوں نے ربط سور و آیات پر بحث کی ہے۔ علم و
فضل میں وہ اپنے وقت کے اکابر میں سے تھے، اگرچہ سیوطی و سخاوی نے ان پر سخت حرف گیری کی ہے مگر اس
میں معاصرانہ چشمک کو زیادہ دخل ہے، جیساکہ خود بقاعی نے بھی ان حضرات پر رد و قدح کرنے میں کوئی کمی
نہیں کی ہے۔ ان کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام عنوان الزمان بتراجم الشیوخ والاقران ہے۔
انھوں نے بھی حج کی سعادت کے ساتھ مجاورت کا شرف حاصل کیا ہے، اور مکہ معظمہ سے مدینہ کے
علاوہ طائف بھی گئے تھے، انکی وفات ۸۸۵ھ میں ہوئی۔

انکی ایک کتاب مصاعد النظر فی الاشراف علی مقاصد السور بھی ہے جسکا مائیکروفلم احقر کے پاس موجود ہے۔

حافظ زین الدین عراقی استاد ابن حجر

عبد الرحیم بن الحسین بن عبد الرحمٰن نام تھا، اصلاً کردی تھے، انکے والد بچپن ہی میں اپنے بعض قرابت مندوں
کے ساتھ مصر چلے آئے اور خانقاہ رسلان کے شیخ تقی الدین قناوی کی خدمت میں رہنے لگے، جب جوان ہوئے
تو ایک نیک اور صابر و قانع خاتون سے انکا نکاح ہوگیا جس کے بطن سے ۷۲۵ھ میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو
آگے چل کر حافظ زین الدین عراقی کے نام سے دنیا میں مشہور ہوا، انھوں نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن پاک
یاد کرلیا تھا، اسکے بعد فقہ شافعی کی کتاب تنبیہ پوری اور حاوی کا اکثر حصہ ازبر کرلیا، پھر ابن دقیق العید
کی کتاب المام بھی یاد کر ڈالی، یاد کرنے کا حال یہ تھا کہ کبھی کبھی المام کی چار سو سطریں دن بھر میں یاد کر ڈالتے تھے
اسکے بعد قرارت کی تحصیل کیطرف متوجہ ہوئے، اس سے فارغ ہوکر ابن عدلان وغیرہ کی خدمت میں فقہ اور ابن
اللبان کے پاس اصول کی تحصیل کی اور ان دونوں میں کمال پیدا کیا، اسی اثنا میں علم حدیث کیطرف میلان پیدا
ہوا تو قاہرہ میں شیخ علاء الدین ترکمانی حنفی کے پاس گئے اور انکی خدمت میں رہکر اس میں مہارت پیدا کی

سخاوی نے اس مقام پر لکھا ہے کہ بہ تخرج وعلیہ انتفع (یعنی ترکمانی ہی کی بدولت فن حدیث میں عراقی کمال وفضیلت کے درجہ پر پہونچے، اور انھیں سے وہ فیضیاب ہوئے) ترکمانی کے علاوہ صلاح علائی اور تقی سبکی وغیرہما سے بھی انھوں نے استفادہ کیا، اور اس فن میں انکا انہماک اتنا بڑھا اور اسکی اتنی مزاولت کی کہ صرف اسی فن میں وہ مشہور ہوئے، اور اس عہد کے مشائخ حدیث علائی وسبکی وابن جماعہ وغیرہم نے بہت بلند الفاظ میں انکی حدیث دانی کی تعریف کی، حتی کہ ابن جماعہ نے تو یہاں تک کہدیا کہ دیار مصر میں ان کے سوا جو حدیث دانی کا دعوی کرتا ہے وہ نرا مدعی ہی ہے، انکی تصنیفات میں الفیۃ الحدیث الفیۃ السیرۃ اور تخریج احادیث الاحیاء وغیرہ کو شہرت حاصل ہے۔

انھوں نے کئی بار حج کیا تھا نیز حرمین میں مجاورت بھی کی تھی، ایکبار ۷۶۸ھ میں انھوں نے اہل وعیال کے ساتھ حج کیا تھا، اس سال انکی معیت میں انکے صاحبزادہ ولی الدین عراقی اور ان کے چچیرے بھائی برہان الدین ابراہیم بن محمد اور حافظ نور الدین ہیثمی کے علاوہ شہاب بن نقیب بھی تھے، پہلے چند ماہ مدینہ میں قیام کرنے کے بعد مکہ گئے، اسی سفر میں شہاب نے انکی الفیۃ الحدیث کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا اور اسکے درس میں شریک ہوئے، تین سال سے زائد وہ مدینہ منورہ میں قضا کے عہدہ پر بھی رہے ہیں، اسکے بعد انھوں نے املاء کی مجلس قائم کی، اور اسکے چار سو سولہ جلسوں میں مختلف مضامین کا املاء کیا، مثلاً اربعین امام نووی کی تخریج اور مستدرک کا مستخرج، وغیرہ۔

حافظ عراقی نہایت صاف دل، باحیا، بے تکلف، کم گو، نورانی صورت اور متواضع تھے، حافظ ابن حجر دس سال تک انکے پاس رہے ہیں انکا بیان ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے تہجد ترک کیا ہو، وہ عموماً فجر کی نماز کے بعد اسی جگہ قبلہ رو بیٹھے ہوئے طلوع آفتاب تک تلاوت یا ذکر میں مشغول رہتے تھے، ہر ماہ میں تین دن اور شوال کے چھ دنوں کے روزے برابر رکھتے تھے، جب کہیں سوار ہوکر جاتے تو تلاوت کرتے رہتے تھے۔

حافظ عراقی کے ارشد تلامذہ میں حافظ ابن حجر، نور الدین ہیثمی، اور خود عراقی کے لڑکے ولی الدین عراقی، شیخ بدر الدین عینی، برہان الدین حلبی، عز بن فرات اور شرف مراغی وغیرہ محدثین عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔

حافظ عراقی حدیث پڑھانے کیلئے باوضو بیٹھتے تھے اگر درمیان میں تجدید وضو کی ضرورت پڑ جاتی تو قاری کو روک کر وضو کرتے اس کے بعد قرأت جاری ہوتی۔

ان کے پاس کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ تھا، مشہور تھا کہ قاہرہ میں ان سے زیادہ کتابیں کسی کے پاس نہیں ہیں۔ الغرض جیسا کہ مقریزی نے لکھا ہے ان سے دنیا کی زینت تھی اور مصر کو انکی ذات پر فخر تھا، ۸۰۶ھ میں انکی وفات قاہرہ میں ہوئی۔ (ضوء)

حافظ سراج الدین بلقینی شافعی

عمر بن رسلان نام تھا، ۷۲۴ھ میں پیدا ہوئے، سات برس کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے، بارہ برس کی عمر سے پہلے شاطبیہ، محرر، کافیہ ابن مالک اور اصول میں مختصر از بر کر چکے تھے، اپنی عمر کے بارہویں سال اپنے والد کی معیت میں جب قاہرہ آکر انھوں نے تقی سبکی اور جلال قزوینی کو اپنی یاد کی ہوئی کتابیں سنائیں تو وہ لوگ عش عش کرنے لگے، ۷۳۶ھ میں قاہرہ آکر ابن عدلان اور قماح اور نجم بن اسوانی وغیرہم کے پاس فقہ اور شمس اصبہانی کے پاس اصول و معقولات اور ابوحیان و ابن عقیل کے پاس ادب و عربیۃ کی تحصیل کی دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا مگر مذکورہ بالا اساتذہ ہی سے زیادہ فیضیاب ہوئے، ابن عقیل نے اپنی دامادی میں بھی ان کو قبول کر لیا، میدومی و ابن غالی و ابن القماح وغیرہم کی مجالس درس میں شریک ہو کر حدیث پر عبور حاصل کیا، ذہبی و مزی جیسے اکابر نے اجازت سے نوازا۔

جب بیت المقدس گئے تو صلاح علائی نے انکا بڑا احترام کیا، اسی موقع پر یہ قصہ پیش آیا کہ مدرسہ کاملیہ کے منتظم سے انھوں نے ایک کمرہ مانگا اس نے انکار کر دیا، اتفاق سے اسی اثنا میں ایک شاعر منتظم صاحب کی مدح لکھکر لایا اور اسی مجلس میں اس نے قصیدہ سنایا جب سنا چکا تو بلقینی نے کہا کہ یہ قصیدہ مجھے یاد ہو گیا منتظم نے کہا اگر ایسا ہے تو میں آپکو ایک کمرہ ضرور دیدونگا، انھوں نے برجستہ پورا قصیدہ سنا دیا منتظم حیران رہ گیا، اور اس کو کمرہ دینا پڑا۔

۷۶۹ھ میں وہ شام کے قاضی مقرر ہوگئے غالباً اسی موقعہ پر ابن کثیر سے ملاقات ہوئی تو ابن کثیر نے کہا کہ

آپکو دیکھکر ابن تیمیہ یاد آگئے، اور ابن شیخ الجبل نے انکے حق میں کہا تھا کہ ہم نے ابن تیمیہ کے بعد بلقینی سے بڑھکر حافظ نہیں دیکھا، برہان حلبی نے کہا ہے کہ میری آنکھوں نے فقہ شافعی اور احادیث احکام کا ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا، میں انکے درس میں بار بار حاضر ہوا ہوں ایک مالکی طالب علم ان سے مسلم کا مختصر پڑھتا تھا مجلس میں ہر چہار مذہب کے فقہا موجود ہوتے تھے اور وہ صرف ایک حدیث پر صبح سویرے سے ظہر کے قریب تک تقریر کرتے تھے بلکہ بعض اوقات اذان ظہر ہو جاتی تھی اور انکی تقریر پوری نہیں ہوتی تھی میں تمام بلاد میں جن علما سے ملا ہوں وہ سب انکے فضل وکمال وکثرت استحضار کا اعتراف کرتے تھے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ان سے ملکر ماننا پڑتا تھا کہ انکو شروع سے لیکر اخیر تک پوری فقہ زبانی یاد ہے اس کے باوجود بغیر مطالعہ کے سبق پڑھانا انکو پسند نہیں تھا، وہ آٹھ دن میں پوری حاوی سمجھا کر پڑھا دیتے تھے وہ خود فرماتے تھے کہ جتنی دیر میں فلاں آدمی عصر کی نماز پڑھتا تھا اتنی دیر میں محرر کا ایک صفحہ میں یاد کر لیتا تھا، بعض کاملین نے خواب میں ایک شخص کو کہتے سنا کہ حق تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر دین کا ایک مجدد پیدا فرماتا ہے، یہ سلسلہ عمر ہی سے شروع بھی ہوا اور عمر ہی پر ختم بھی ہوا، (پہلے عمر سے ابن عبد العزیز اور دوسرے سے بلقینی مراد ہیں)

ابن حجر نے لکھا ہے کہ بلقینی کو وہ حسن قبول عطا ہوا تھا کہ ان کے سوا کسی دوسرے کے فتویٰ پر اعتماد نہیں ہوتا تھا، وہ اس باب میں مؤید من اللہ تھے، عصر کے بعد سے مغرب تک فتویٰ لکھتے تھے، کوئی فتویٰ مشکل معلوم ہوتا تو کتاب کیطرف مراجعت کرنے میں بھی انکو عار محسوس نہیں ہوتی تھی، نہ یہ کہنے میں شرم محسوس کرتے تھے کہ سوال رکھ جاؤ تحقیق کر کے بعد میں جواب دیں گے۔

بلقینی بڑے بامروت، نہایت ملنسار اور بردبار تھے، اور اپنے شاگردوں سے بہت بے تکلف اور ان پر نہایت شفیق تھے بایں ہمہ انکی بڑی ہیبت تھی۔

امر بالمعروف اور ازالۂ منکرات کے سلسلہ میں بھی انھوں نے نمایاں کام کئے، صوفیہ وصلحا سے بھی ان کو بڑی عقیدت تھی، ۸۰۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

انھوں نے پہلا حج ۷۴۰ھ میں اپنے والد کی معیت میں کیا تھا اسکے بعد تنہا بھی انھوں نے حج کیا ہے (ضوء)

عَلَم بلقینی :- سراج الدین بلقینی کے لڑکے تھے اور وہ بھی بڑے پایہ کے فقیہ تھے، کئی بار مصر میں قضاے شافعیہ کے عہدہ پر بھی رہے، حافظ ابن حجر وغیرہ کے شاگرد اور سخاوی کے استاذ تھے۔

انھوں نے ۸۴۱ھ میں حج کیا اور ۸۶۸ھ میں وفات پائی۔

جَلال بلقینی :- سراج الدین بلقینی کے بڑے لڑکے تھے، اور بقول حافظ ابن حجر کے سرعت فہم وجودت حافظ میں دنیا کے عجائب میں سے تھے، اور بقول ابن ناصر الدین وغیرہ کے اپنے والد کے فضائل وکمالات کے وارث تھے، ان کے بعد فتوی کی ریاست ان پر ختم تھی، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ علم کے عاشق تھے، کوئی علمی فائدہ سنتے تو جب تک اسکو خوب سمجھکر یاد نہ کر لیتے انکو چین نہیں آتا تھا، انھوں نے شروع میں علوم عربیت کی تحصیل میں محنت نہیں کی تھی اس لئے جب ۸۰۰ھ میں حج کیلئے گئے تو فہم عربیت کے حصول کی نیت سے انھوں نے آب زمزم پیا، واپسی کے بعد اس میں محنت شروع کی اور تھوڑے دنوں میں ماہر ہو گئے۔

ان کی وفات ۸۲۴ھ میں ہوئی۔

ابنُ المُلَقِّن شافعی

عمر بن علی بن احمد نام تھا، ان کے والد اصلاً اندلسی تھے، پھر تکرور منتقل ہو گئے، کچھ دنوں کے بعد قاہرہ آگئے، ابن الملقن کی عمر ایک سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ایک بزرگ عیسیٰ مغربی نے انکے والد کی وصیت کے بموجب انکی پرورش کی اور انکی ماں سے نکاح بھی کر لیا، چونکہ وہ جامع طولون میں بچوں کو زبانی قرآن کی سورتیں یاد کرایا کرتے تھے اس لئے لوگ ان کی نسبت سے انکو ابن المُلقِّن کہنے لگے (کہتے ہیں کہ انکو کوئی ابن الملقن کہتا تھا تو خفا ہوتے تھے چنانچہ اپنے قلم سے کبھی اپنے کو ابن الملقن نہیں لکھا)

خوش قسمتی سے انکی ملکیت میں ایک مکان آگیا تھا جسکی آمدنی ۴ ½ ماشہ سونا روزانہ تھی، اسی سے انکا سارا کام چل جاتا تھا، باقی نقد وغیرہ جو اپنے والد سے وراثت میں انکو ملا وہ کتابوں وغیرہ کیلئے بچ رہا، چنانچہ طاعون عام میں جب ایک محدث کی کتابیں فروخت ہو رہی تھیں تو چونکہ انکے پاس فاضل روپیہ کافی تھا اس لئے دل کھول کر کتابیں خریدیں، اسی موقع پر مسند احمد کا نسخہ صرف تیس درہم میں انھوں نے خریدا تھا

ابن الملقن نے فقہ کی تعلیم جمال الدین اسنوی وتقی الدین سبکی وغیرہما سے پائی تھی اور علم حدیث میں انھوں نے متعدد مشائخ کے سامنے زانوے ادب تہ کیا تھا مگر اس فن کی تحصیل جم کر انھوں نے مغلطائے حنفی اور زین رجبی سے کی اور انھیں کی تعلیم وتوجہ سے وہ محدث ہو کر نکلے، اسکے بعد بیت المقدس جاکر صلاح علائی کے پاس انکی تصنیف جامع التحصیل فی رواۃ المراسیل پڑھی تو انھوں نے انکے اجازت نامہ میں الشیخ الفقیہ الامام العالم المحدث الحافظ المتقن شرف الفقہاء والمحدثین والفضلاء کے اوصاف سے نوازا۔

ابن الملقن نہایت کثیر التصنیف عالم تھے ان کی تصنیفات کی تعداد تین سو سے زائد ہے، ابن حجر نے کہا ہے کہ نویں صدی کے سرے پر تین شخصیتیں اس عہد کے عجائب میں سے تھیں، عراقی فنون حدیث کی معرفت میں، بلقینی مذہب شافعی کی وسعت معلومات میں اور ابن الملقن کثرت تصنیف میں،

ابن الملقن نے ۷۶۱ھ میں حج کیا، اور کعبہ مکرمہ کے سامنے ایک محدث کو اجازت نامہ لکھکر دیا تھا۔ (ضوء)

ابن الملقن کی تصنیفات میں بخاری کی شرح بیس جلدوں میں ہے، جس میں بقول ابن حجر ان کا اعتماد زیادہ تر حافظ قطب الدین حنفی اور حافظ مغلطائے حنفی کی شرحوں پر ہے گویا وہ مغلطائے کی شرح کی تلخیص ہے، الا یہ کہ انھوں نے کچھ اضافے بھی کئے ہیں۔

تین جلدوں میں انھوں نے ابن ماجہ کے زوائد (وہ حدیثیں جو صحیحین وترمذی ونسائی وابوداؤد میں نہیں ہیں) بھی لکھے ہیں، اسکا نام انھوں نے ماتمس الیہ الحاجۃ رکھا ہے۔

صوفی وفقیہ ومحدث ابن رسلان شافعی

احمد بن حسین بن حسن نام تھا، انکے اجداد میں ایک صاحب کا نام ارسلان تھا اس لئے ابن ارسلان اور اکثر بحذف ہمزہ (الف) ابن رسلان کہے جاتے تھے، انکے والد تاجر تھے، وہ انکو دکان پر بھیجتے تو یہ مدرسہ چلے جاتے تھے، انکے والد انکو روکتے ہی رہے مگر وہ مانے نہیں مدرسہ جاتے رہے کچھ دنوں کے بعد اپنے وطن رملہ سے بیت المقدس چلے گئے، اور وہاں کے فقہا ومحدثین کے پاس فقہ وحدیث میں کمال پیدا کیا، فقہ میں ان کے

استاد قلقشندی وابن الہائم وغیرہ ہیں، شیوخ حدیث میں الشہاب بن الناصح، ابو ہریرہ ابن الذہبی اور ابوالخیر بن العلائی کے نام سرفہرست ملتے ہیں۔

بہرحال انھوں نے درس کے حلقوں میں حاضری، علماء سے مذاکرہ، اور نہایت محنت کے ساتھ مطالعہ اور طلبہ کو تعلیم دینے کا سلسلہ برابر جاری رکھا تا آنکہ فقہ واصول وعربیت میں امام وعلامہ اور تفسیر وحدیث وکلام میں خاصے ماہر ہو گئے، اور چونکہ تصوف کا ذوق بھی انکو تھا اس لئے مشائخ تصوف کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے رہتے تھے، نفل نمازیں بکثرت پڑھتے تھے، روزے بھی بہت رکھتے تھے، تہجد کے پابند تھے، شیخ محمد قرمی، ابن الناصح اور ابوبکر موصلی وغیرہم نے انکو خرقہ تصوف پہنایا تھا، انکا معمول تھا کہ ہر سال سمندر کے کنارے کسی مناسب مقام پر کچھ دن تنہائی کی زندگی گذارتے تھے، اور خفیہ وعلانیہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے، ظالموں کو ان کی ظالمانہ حرکتوں سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ انکو گمنامی بہت پسند تھی اسی لئے کوئی عہدہ قبول نہیں کرتے تھے، بیت المقدس کے ناظر نے وہاں ایک مدرسہ قائم کرکے ان کو اسکا شیخ بنانا چاہا اور کہا کہ گذارے کیلئے چاندی کے روزانہ دس درہم پیش کئے جائیں گے مگر انھوں نے سختی سے انکار کر دیا، کوئی رئیس طلبہ میں تقسیم کرنے کیلئے کوئی رقم ان کو دیتا تھا تو اسکو بھی نہیں لیتے تھے، سلطان اشرف نے جب آمد کا سفر کیا تو اسکے آنے اور جانے کیوقت وہ رملہ سے بیت المقدس چلے گئے کہ کہیں رملہ میں اس سے یا اسکے امراء میں سے کسی سے ملاقات نہ ہو جائے۔

بہرحال زہد وورع میں اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے، آفاق سے لوگ انکی زیارت کو آتے تھے ان کے تلامذہ اور مریدین بکثرت تھے، اور بے شمار اشخاص انکی صحبت وتربیت سے مہذب وپاکیزہ بن گئے ان کے صحیح العقیدہ، متبع سنت اور زاہد ومتقی بزرگ ہونے میں کسیکو اختلاف نہیں تھا۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ علاء بخاری کس دبدبہ کے عالم تھے، اور انکی علمی عظمت وجلالت کا کیا درجہ تھا مگر انکا حال بھی یہ تھا کہ ایک دعوت میں جب انکا خادم ہاتھ دھلانے کیلئے انکے سامنے لوٹا اور طشت لایا تو علاء نے اپنے ہاتھوں سے دونوں چیزیں ابن رسلان کے سامنے رکھیں پھر لوٹا ہاتھ میں لیکر خود انکا ہاتھ دھلایا انھوں نے بھی انکار یا تامل نہیں کیا، بلکہ دھوکر ان کیلئے دعائے مغفرت شروع کی تو علاء انکی دعا پر آمین کہتے جاتے تھے

اور روتے جاتے تھے، جب کھانے سے فارغ ہو کر وہ چلے گئے تو ایک شخص نے علاء سے کہا کہ حضرت ان بلاد (شام) میں انکا سا کوئی نہیں ہے تو علاء نے کہا کہ خدا کی قسم مصر میں بھی انکے جیسا کوئی نہیں ہے۔

انکے مناقب بسط و تفصیل سے لکھے جائیں تو بہت طول ہو گا اس لئے اتنے ہی پر اکتفا مناسب ہے انکی وفات ۸۵۵ھ میں ہوئی۔ انکی تصنیفات میں ابوداؤد کی شرح مشہور ہے۔

شمس الدین جزری صاحب حصن حصین

محمد بن محمد بن محمد بن علی نام تھا، ان کے والد تاجر تھے، چالیس برس تک ان کے کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا تھا، جب وہ حج کو گئے تو اس نیت سے کہ حق تعالیٰ ان کو ایسا لڑکا عطا فرمائے جو عالم ہو، انھوں نے آب زمزم پیا، خدا نے انکی تمنا پوری کی اور ۷۵۱ھ میں یہ پیدا ہوئے، ابتدا ہی سے فن قرأت پر انکی خاص توجہ تھی اس لئے بڑے اہتمام کے ساتھ متعدد ماہر اساتذہ سے اسکو حاصل کیا، تا آنکہ نویں صدی میں انکو اللہ نے قرّاء و مجودین کا امام بنا دیا، قرأت کے بعد انکی توجہ کا مرکز فن حدیث تھا اسکو بھی بہت سے مشائخ سے جن میں ابن کثیر و ابن المحب وغیرہ شامل ہیں بہت تندہی سے حاصل کیا اور مہارت پیدا کی، ان دونوں فنوں کے علاوہ، فقہ و اصول فقہ اور معانی و بیان میں انکو دخل تھا تحصیل کے بعد کئی سال جامع بنی امیہ میں درس دیا، پھر مدرسہ عادلیہ اور دارالحدیث اشرفیہ کے شیخ مقرر ہوئے۔

۷۹۸ھ میں کچھ ایسی پریشانیاں پیش آئیں کہ انکو شام چھوڑنا پڑا اور وہ بروسہ (ترکی)، چلے گئے سلطان بایزید خاں کا زمانہ تھا، اس نامور بادشاہ نے انکی قدردانی کی اور بڑے احترام سے انکو کئی سال اپنا مہمان رکھا، انھوں نے ترکی میں علم قرأت و علم حدیث کی خوب نشر و اشاعت کی، جب تیمور لنگ نے ترکی پر حملہ کیا تو بایزید خاں کی شہادت کے بعد وہ تیمور کے ساتھ سمرقند چلے گئے، تیمور کے مرنے پر وہ شیراز منتقل ہو گئے اور وہاں بہت سے لوگوں نے ان دونوں فنوں میں ان سے استفادہ کیا، ۸۲۲ھ میں وہاں سے حج کیلئے روانہ ہوئے مگر ڈاکوؤں نے مال اسباب لوٹ لیا اور اس مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے وقت پر پہونچنا ممکن نہ ہوا اس سال حج نوت ہو گیا اس لئے کچھ دن ینبع میں پھر مدینہ منورہ میں قیام کر کے رجب ۸۲۳ھ میں مکہ

پہونچے اور حج کے موسم تک ٹھہر کر حج کیا۔

۸۲۲ھ میں دمشق اور وہاں سے قاہرہ پھر بقصد تجارت یمن گئے اور شاہ یمن کے پاس حدیثیں سنائیں، شاہ یمن نے انعام واکرام سے عزت افزائی کی، یمن سے ۸۲۳ھ میں حج کیلئے مکہ آئے، اسکے بعد شام وبصرہ ہوتے ہوئے شیراز چلے گئے اور وہیں ۸۳۳ھ میں انکا انتقال ہوا۔ ان دو حجوں کے علاوہ انھوں نے ۸۰۰ھ میں بھی حج کیا تھا۔

جزری کی تصنیفات میں حصن حصین نہایت بابرکت اور مقبول کتاب ہے، اذکار وادعیہ ماثورہ میں اس سے زیادہ مستند اور مشہور متداول دوسری کوئی کتاب نہیں۔

فن قرات میں بھی انکی تصنیفات نہایت مفید اور قرار میں متداول ہیں، ان میں النشر فی القراآت العشر بہت مشہور ہے، قرار کے تذکرہ میں طبقات القرار اور غایات النہایات نہایت نافع وجامع کتابیں ہیں۔

ان کے علاوہ حسب ذیل رسائل کے نام بھی انکی تصنیفات میں ملتے ہیں۔

(۱) الاجلال والتعظیم فی مقام ابراہیم (۲) الابانۃ فی العمرۃ من الجعرانۃ (۳) التکریم فی العمرۃ من التنعیم (۴) غایۃ المنیٰ فی زیارۃ منیٰ (۵) فضل حرار۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ جب مکہ میں مقیم تھے تو انھوں نے مقدمہ فتح الباری کا ابتدائی حصہ اپنے قلم سے نقل کیا پھر اپنے شاگردوں کی مدد سے اسکو پورا کیا۔ اسکے بعد شیراز سے تقی فاسی کو انھوں نے لکھا کہ تعلیق التعلیق (حافظ ابن حجر کی ایک تصنیف) کا ایک نسخہ کسی طرح حاصل کرکے بھجوائے اتفاق سے جب انکا خط آیا ہے تو میں مکہ میں موجود تھا تقی فاسی نے اس خط کا مجھ سے تذکرہ کیا تو میرے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ موجود تھا میں نے وہی نسخہ انکو بھیجدیا، نسخہ پہنچ گیا تو انھوں نے مجھکو خط لکھا جس میں اپنی بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا اسی کے ساتھ اپنی کتاب نشر مجھکو ہدیہ میں بھیجی، وہ دو جلدوں میں تھی ہر جلد پر اپنے قلم سے اجازت نامہ بھی تحریر فرما دیا تھا، حافظ ابن حجر نے جزری کی تصنیفات میں نشر اور طبقات القرار کی تعریف کی ہے اور حصن حصین کی نسبت لکھا ہے کہ اہل یمن اسکے گرویدہ ہیں۔ (ضوء)

مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس

محمد بن یعقوب بن محمد نام تھا، گاذرون میں (جو شیراز کے نواح میں ہے) پیدا ہوئے، سات برس کی عمر میں قرآن پاک یاد کرلیا، خوشنویسی سیکھ لی، اور لغت کی دو کتابیں نقل کر ڈالیں، پھر شیراز میں رہکر ادب و لغت اور کچھ حدیث کی تعلیم پائی، اس کے بعد واسط جاکر قرأت عشرہ کی تحصیل کی، پھر بغداد گئے، اور چند سال وہاں رہکر حدیث وغیرہ کی تحصیل میں مصروف رہے،

۵۵ھ میں دمشق گئے، اور تقی الدین سبکی وغیرہ سے حدیثیں سنیں، نیز بعلبک و بیت المقدس وغیرہ میں علائی و قلقشندی اور دوسرے محدثین سے جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے، حدیث کا استفادہ کیا۔ دمشق میں دس سال قیام کیا، اور وہاں درس بھی دیا، صلاح الدین صفدی نے اسی زمانہ میں ان سے تعلیم پائی ہے، پھر قاہرہ میں ابن عقیل وغیرہ سے اور مکہ میں یافعی و خلیل مالکی سے استفادہ کیا، انھوں نے شمالی و مشرقی ممالک کی سیاحت کی، شمال میں روم تک اور مشرق میں ہند تک آئے،

۷۹۶ھ میں زبید (یمن) گئے، الملک الاشرف (شاہ یمن) نے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور حد سے زیادہ انکا اکرام کیا، اس نے ہزار دینار ان کی ذات پر صرف کیے، اس کے علاوہ حاکم عدن نے ایک ہزار دینار خرچ کرکے زبید میں ان کے قیام کے لیے ساز و سامان مہیا کیا، وہ مطمئن ہوکر الملک الاشرف کی سرپرستی و سایۂ عاطفت میں علم کی اشاعت میں لگ گئے،

ایک سال چند ماہ کے بعد اشرف نے انکو پورے یمن کا قاضی مقرر کردیا، اب ہر طرف سے طلبہ آکر ان سے مستفید ہونے لگے، بادشاہ نے بھی ان کی مجلس میں سماع حدیث کا شرف حاصل کیا، وہ بیس برس سے زائد یمن کے قاضی رہے، انھوں نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح بھی اشرف سے کردیا تھا، اشرف نے اپنے انعامات سے انکو مالا مال کردیا تھا، ایک دفعہ اپنی ایک تصنیف جو اشرف کے نام سے معنون تھی ایک طبق میں رکھکر پیش کی تو اشرف نے اس طبق کو روپیوں سے بھر دیا،

قیام زبید کے زمانہ میں وہ بہت سی دفعہ مکہ حاضر ہوئے، اور مکہ و مدینہ و طائف میں قیام بھی کیا، وہ اپنے کو مکہ کی طرف منسوب کرنے میں بہت لذت محسوس کرتے تھے، اپنے کو الملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ، (خدا کے حرم کا پناہ گزیں) لکھا کرتے تھے، اس باب میں رضی صنعانی حنفی کی نقل اور تقلید کرتے تھے،

تقی کرمانی لکھتے ہیں کہ وہ صنعانی کی کتابوں کے بڑے گرویدہ تھے، اور ان کے نقش قدم پر چل کر ہر بات میں حتی کہ مجاورت مکہ کے باب میں بھی وہ انکی پیروی کی کوشش کرتے تھے، قیام زبید سے پہلے بھی کم از کم پانچ بار مکہ آئے اور ایک بار دس برس تک مجاور رہے،

جس ملک میں وہ پہونچے وہاں کے فرماں روانے انکی خاطر خواہ پذیرائی کی اور اکرام و تعظیم سے پیش آیا، مثلاً تبریز کے بادشاہ منصور نے مصر کے حاکم اشرف نے، روم (ٹرکی) کے سلطان بایزید خاں نے، بغداد کے حاکم احمد بن اویس نے، حتی کہ تیمور لنگ نے، کما حقہ انکی قدر دانی کی،

تقی کرمانی نے لکھا ہے کہ وہ دہلی میں بہت دنوں رہے ہیں، اور وہاں کے بادشاہ نے بھی ان کا خاطر خواہ اعزاز کیا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے بیشمار نفیس و بیش قیمت کتابیں اکٹھا کرلی تھیں، وہ خود بیان کرتے تھے کہ میں نے پچاس ہزار مثقال سونے کی کتابیں خریدی ہیں، جب وہ سفر میں چلتے تھے تو کتابوں کے کئی گٹھر ساتھ ہوتے تھے، ہر منزل میں ان کا مطالعہ اور اکثر کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے،

انکی تصنیفات کی فہرست بہت طویل ہے، جنمیں سب سے زیادہ مشہور و متداول لغت میں قاموس ہے، جس سے اہل علم اسوقت سے ابتک برابر نفع اٹھا رہے ہیں، اور از انجملہ بخاری کے حصۂ عبادات کی شرح بیس جلدوں میں ہے، انکی ایک مطبوعہ مفید کتاب "سفر السعادۃ" بھی ہے، جسکی شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح لکھی ہے، لغت میں ایک دوسری کتاب سو جلدوں میں لکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر صرف پانچ جلدیں پوری ہوسکیں، اس کا نام اللامع المعلم العجاب ہے، حرمین شریفین سے متعلق جو کتابیں اور رسالے انھوں نے لکھے ہیں انکے نام یہ ہیں المنی فی فضل منی، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، مہیج الغرام

الی البلد الحرام، اثارۃ الحجون لزیارۃ الحجون

محدث و مورخ مکہ حافظ تقی الدین فاسی اور حافظ ابن حجر جیسے اجلۂ علماء، مجدالدین کے شاگرد ہیں، ان دونوں حضرات نے، ان کے فضل و کمال اور علم لغت میں انکی امامت اور فوق العادت تبحر و استحضار کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ فن حدیث میں (ذہبی و عراقی وغیرہ) کی طرح ان کو بہت زیادہ مہارت نہیں تھی، نیز مشائخ اہل علم کے نزدیک انکی یہ بات ناپسندیدہ اور قابل اعتراض تھی کہ وہ اپنے کو صدیقی اور ابواسحق شیرازی کی اولاد سے بتاتے تھے، حالانکہ شیخ ابواسحق شیرازی لاولد فوت ہوئے تھے،

فاسی نے لکھا ہے کہ وہ پہلی دفعہ سنہ ۷۶۰ھ میں مکہ آئے تھے اپھر سنہ ۸۰۰ھ میں آئے تو پانچ چھ سال تک برابر وہیں رہے، طائف میں ان کا ایک باغ بھی تھا، انھوں نے مکہ میں ایک مکان تعمیر کرا کے اسکو شاہ یمن کا مدرسہ قرار دیا تھا اور اسمیں مدرسین و طلبہ رکھے تھے، یہ مکان صفا پر تھا، اسی طرح کا ایک مکان مدینہ میں بھی تھا، منیٰ وغیرہ میں بھی ان کے مکانات تھے،

مقریزی نے لکھا ہے کہ صاحب قاموس سے آخری دفعہ میری ملاقات سنہ ۸۰۹ھ میں ہوئی صاحب قاموس کو حرمین سے جو محبت تھی اور حج و زیارت سے ان کو جو شغف تھا، اس کا صحیح اندازہ اس "درخواست" سے ہوتا ہے جو انھوں نے سنہ ۷۹۹ھ میں، ملک اشرف شاہ یمن کے پاس حج کی اجازت طلب کرنے کے لئے بھیجی تھی، وہ ہمارے آپکے پڑھنے کے قابل ہے، میں اصل درخواست کے بجائے اس کا مختصر ترجمہ پیش کرتا ہوں، صاحب قاموس القاب و آداب کے بعد رقم طراز ہیں کہ

بندگان عالی سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ حقیر اب بہت سن رسیدہ ضعیف و کمزور اور لاغر ہو چکا ہے، اس کے جسم میں اب ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں ہے، اسکی مثال اس بوسیدہ عمارت کی سی ہے جو اب گری تب گری، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد سے سمع ہمایونی بار بار آشنا ہوئے ہوں گے، کہ جب آدمی کی عمر ساٹھ سال ہو جائے تو حق تعالیٰ اسکو معذور قرار دیدیتا ہے

پھر جو ستر سال سے اوپر اور اسی کے قریب ہو وہ تو بدرجۂ اولیٰ اس نوازش کا مستحق ہے
علاوہ بریں یہ بڑی نازیبا بات ہے کہ ایک مرد مومن کو چار سال ہو جائیں
اور ربّ العالمین کے گھر اور سید المرسلین کے مزار انور کی زیارت کا تازہ شوق
وعزم پیدا نہ ہو، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور یہ حقیر چھ سال سے اس رہگذر
کی جادہ پیمائی سے محروم ہے، اضطراب شوق اب حد سے فزوں اور صبر اختیار
سے باہر ہے، میری انتہائی آرزو ہے کہ تجدید زیارت اور اس آستانہ پر جبہہ سائی
کا شرف ایک بار اور نصیب ہو، اس لئے مراحم خسروانہ سے متوقع ہوں کہ موسم
گرم ہونے سے پہلے تنِ تنہا اس حقیر کو (اہل وعیال کی معیت میں نہیں) سفر کی
اجازت کے ساتھ سامان سفر کا اشارہ عالی بھی فرمایا جاوے، اس وقت موسم
بھی خوشگوار ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ایک ماہ ہر دو مقامات مقدسہ
میں قیام کر کے وہاں کے فیوض وبرکات حاصل کئے جائیں،

زمانۂ قدیم سے خلفائے کرام کا یہ دستور بھی رہا ہے کہ سرکار کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کے حضور میں اپنا سلام پیش کرنے کے لئے مخصوص طور پر فرستادہ بھیجے
تھے، جو بالقصد صرف اسی کام کے لئے بھیجے جاتے تھے، میری درخواست ہے کہ
حضور اس حقیر کو اسی مقصد سے روانگی کا حکم دیدیں، میری کوئی دوسری تمنّا
نہیں ہے،

شوقی الی الکعبۃ الغراء قد زادا　　　فاستحمل القلص الوخادۃ الزادا
واستاذن الملک المنعام زید علا　　　واستودع اللّٰہ اصحابا واولادا

(اس میں پہلا شعر صنعانی حنفی کا ہے اور دوسرا خود صاحب قاموس کا ہے)،

شاہ یمن کو غالباً یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر وہ حجاز چلے گئے تو پھر واپس نہ آئیں گے
شاہ کا یہ خیال صحیح بھی تھا اس لئے کہ وہ مکہ ہی میں وفات پانے کے امیدوار بھی

رہا کرتے تھے، اس لئے اس نے خلوص و محبت و عقیدت میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں یہ جواب دیا کہ میری زبان اور قلم سے یہ لفظ نہیں نکل سکتا کہ آپ یمن سے جا سکتے ہیں اس لئے کہ یمن بالکل تاریک تھا، آپ کے وجود سے وہ منور ہو گیا، آپ خود جانتے ہیں کہ یہاں علم مردہ ہو چکا تھا، آپ کی بدولت اللہ نے اس کو حیات تازہ بخشی، اس لئے میں تو آپ کو خدا کی قسم دیکر یہی درخواست کروں گا کہ آپ اپنی باقی زندگی بھی ہم کو ہی ہبہ فرما دیجئے، اے مجد الدین میں خدا کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے دنیا اور اسکی ساری نعمتوں کی جدائی گوارا ہے مگر یمن اور اہل یمن سے آپکی جدائی گوارا نہیں،

صاحب قاموس کی وفات زبید میں جبکہ انکی عمر نوے سال کے قریب تھی ۸۱۷ھ میں ہوئی،

خواجہ پارسا قدس سرہٗ

نام نامی محمد بن محمد بن محمود تھا، حافظ الدین کبیر بخاری کی نسل سے تھے اس لئے حافظی بخاری کہے جاتے تھے، ۷۵٦ھ میں ولادت ہوئی، معقول و منقول میں یگانۂ روزگار تھے، فقہ و حدیث کی تحصیل امام ابوطاہر محمد بن محمد طاہری کی خدمت میں کی، خواجہ صاحب صحیح بخاری کی روایت انھیں ابوطاہر طاہری اور ان کے والد ابو المعالی سے کرتے تھے، (ضوء)

آپ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے عزیز ترین خلیفہ تھے، خواجہ صاحب نے فرمایا تھا کہ جو امانت ہم کو اس خاندان خواجگان سے پہونچی ہے اور ہم نے جو کچھ کمایا ہے وہ سب تم کو سپرد کرتے ہیں

خواجہ پارسا کی عظمت و بزرگی کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار حضرت خواجہ بزرگ کے یہاں کوئی مکان تعمیر ہو رہا تھا، اور خواجہ صاحب کے تمام اصحاب و مریدین جو موجود تھے، گارے مٹی کے کام میں لگے ہوئے تھے، خواجہ پارسا جہاں گارا بنتا تھا وہاں گارا بناتے

یا اٹھاتے تھے، جب دوپہر ہوئی تو خواجۂ بزرگ نے سب سے کہا کہ اب آرام کرو، سب لوگ ہاتھ پیر دھو کر سایہ میں جاکر سو رہے، خواجۂ پارسا جہاں تھے وہیں دھوپ میں گارے پر پیر پھیلا کر سو رہے، اس کے بعد خواجۂ بزرگ برآمد ہوئے اور تمام لوگوں کی طرف سے گذرتے ہوئے جب خواجہ پارسا کے پاس پہونچے اور ان کو اس کیفیت سے سوتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اپنا روئے مبارک ان کے پیروں پر ملا اور کہا کہ اے اللہ! ان پیروں کے صدقہ میں بہاء الدین پر رحمت کر (رشحات)

اسی کتاب میں اسی طرح کا دوسرا واقعہ یوں مذکور ہے کہ ایک دن خواجۂ پارسا ایک حوض میں پاؤں لٹکا کر مراقبہ میں مشغول تھے، کہ حضرت خواجۂ بزرگ تشریف لائے اور فوراً تہمد باندھ کر حوض میں اترے اور خواجۂ پارسا کے تلوؤں پر اپنا منہ رکھ کر کہا کہ اے خدا! ان پاؤں کی برکت سے بہاء الدین پر رحمت کر (رشحات)

خواجہ پارسا کا ذکر کفوی نے فقہائے حنفیہ میں، اور سخاوی نے الضوء اللامع میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابن اقصرائی نے ان سے صحیح مسلم کا کچھ حصہ پڑھا تھا، اور صحیح بخاری کی اجازت ان سے حاصل کی تھی، اور ابن اقصرائی انکی بہت تعریف کرتے تھے۔

باطنی مقامات عالیہ کے ساتھ علم کتاب وسنّت اور معقول میں بھی خواجۂ پارسا کا پایہ بہت بلند تھا، جیسا کہ خواجہ صاحب کی تصنیفات، فصول ستہ، فصل الخطاب اور مخزن العارفین وغیرہ اس دعویٰ کا بیّن ثبوت ہیں،

عارف جامی اور واعظ کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ نے دو حج کئے ہیں، پہلی دفعہ حضرت خواجہ بزرگ شیخ بہاء الدین نقشبند کی معیت میں گئے تھے، دوسری دفعہ ۸۲۲ھ میں بخارا سے نکلے اور کے راستہ سے صغانیا، ترمذ، بلخ اور ہرات میں بزرگوں کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے گئے، جس جس شہر سے آپ کا گذر ہوا وہاں کے سادات مشائخ اور علماء نے آپ کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھ کر نہایت اعزاز وتکریم سے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا،

عارف جامی فرماتے ہیں کہ اس سفر میں ولایت جام (جامی کے وطن) سے بھی آپ کا گذر

ہوا، اس وقت میری عمر کے پانچ سال پورے نہ ہوئے تھے، والد نے کسی سے کہا کہ اس کو کندھے پر خواجۂ پارسا کی سواری کے سامنے لیجاؤ، خواجہ نے نگاہ ڈالی اور ایک سیر کرمانی مصری عنایت فرمائی اس کو آج باسٹھ سال ہوگئے، آجتک وہ نورانی چہرہ آنکھوں میں اور دیدار مبارک کی لذت دل میں موجود ہے،

۱۱ر جمادی الاولی کو نیشاپور سے حجاز کا رُخ کیا اور خیر و عافیت سے مکہ معظمہ پہنچکر تمام ارکان حج خیر و خوبی سے بجالائے۔ اس کے بعد مزاج مبارک ناساز ہوگیا تا آنکہ طواف وداع عماری میں بیٹھکر کرنا پڑا طواف کرکے مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور چہارشنبہ ۲۳ر ذی الحجہ ۸۲۲ھ کو مدینہ پہنچکر روضۂ مبارک کی زیارت کی اور پنجشنبہ ۲۴ر ذی الحجہ کو آپ کا وصال ہوگیا،

اسی سفر میں ۱۲ر ذی الحجہ کو مقام منیٰ میں آپ نے امین اقصرائی کو صحیح بخاری کی اجازت عطا فرمائی تھی، اسی سال علامہ شمس الدین فناری (ترکی عالم) نے بھی حج کیا تھا، اور خواجہ کی وفات کے وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، انھیں نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، جنازہ میں اہل قافلہ کے سوا اہل مدینہ بھی شریک تھے (ضوء، نفحات، رشحات، فوائد بہیہ)

اس سفر میں آپ کے صاحبزادہ خواجہ ابو نصر پارسا بھی ہم رکاب تھے، آپ کی وفات ۸۶۵ھ میں ہوئی،

شمس الدین محمد بن حمزہ فناری

آپ سرزمین ٹرکی کے مایۂ ناز عالم تھے، آپ کو امام کبیر اور علامہ نحریر لکھا جاتا ہے، آٹھویں صدی کے آخر میں جو علماء اپنے اپنے فن میں یکتا سمجھے جاتے تھے انئیں ایک وہ بھی تھے، ابن الملقن فقہ وحدیث میں کثرت تصنیفات کے لحاظ سے صاحب قاموس فن لغت میں، زین الدین مداقی حدیث میں، اور شمس الدین فناری تمام علوم نقلیہ وعقلیہ کی واقفیت میں، بروسا (ٹرکی) کے قاضی تھے، اور سلطان بایزید خاں کے دربار میں انکی بڑی قدر و منزلت تھی، قاضی شوکانی "البدر الطالع" میں فناری کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ دینداری میں ایسے ٹھوس، اور فیصلوں میں ایسے

منصف وغیر جانبدار تھے، کہ ایک مقدمہ میں انھوں نے سلطان روم کی گواہی اس لئے رد کردی کہ وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتا تھا،

فناری کی تصنیفات میں فصول البدائع کی بھی شوکانی نے بہت تعریف کی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ علم اصول فقہ کی جلیل القدر کتابوں میں ہے اور بڑی نافع اور کثیر الفوائد ہے،

فناری نے پہلی دفعہ ۸۲۲ھ میں حج کیا تھا، اور اس سفر میں خواجہ پارسا کی وفات کیوقت وہ مدینہ منورہ میں تھے، اور انھیں نے انکی نماز جنازہ پڑھائی تھی،

دوسری بار وہ ۸۳۳ھ میں حج وزیارت سے مشرف ہوئے، شوکانی نے لکھا ہے کہ انکی بینائی کمزور ہوگئی تھی، جب اس مرض سے اللہ نے انکو شفا دی، تو شکرانہ میں یہ دوسرا حج کیا، بینائی کے کمزور یا غائب ہوجانے کا سبب کفوی نے یہ بیان کیا ہے، کہ انھوں نے اس بات کی تصدیق کے لئے کہ علماء کا جسم دفن کے بعد بدستور زیر زمین باقی رہتا ہے، اپنے استاد علاء الدین اسود کی قبر کھود کر دیکھا تو ان کو جیسا قبر میں رکھا گیا تھا ویسا ہی موجود پایا، حالانکہ ان کی وفات کو ایک مدت دراز ہو چکی تھی، اس کے بعد ایک غیبی صدا ان کے کانوں میں آئی کہ اب تو تم نے تصدیق حاصل کرلی؟ اللہ تمھیں اندھا کردے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

دوسرے حج میں انھوں نے انطاکیہ اور دمشق کے راستہ سے سفر کیا تھا، جب قاہرہ پہونچے تو وہاں کے فضلائے وقت ان سے ملے، مذاکرے اور مباحثے بھی کئے، پھر ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا،

فناری کی وفات ۸۳۴ھ میں ہوئی، سیوطی نے ان کا ذکر بغیۃ الوعاۃ میں اور کفوی نے طبقات حنفیہ میں کیا ہے،

شیخ کمال الدین ابن الہمام صاحب فتح القدیر

محمد بن عبد الواحد نام تھا، اسکندریہ میں پیدا ہوئے، قاہرہ میں تعلیم پائی، اس وقت قاہرہ میں جو جس فن کا سب سے زیادہ ماہر سمجھا جاتا تھا، اس سے اس فن کو حاصل کیا،

حدیث کی تحصیل جمال حنبلی، شمس شامی، شمس البصری، شہاب واسطی اور حافظ ابن حجر سے کی، ہدایہ کامل سراج قاری الہدایہ سے دو برس میں خوب تحقیق کے ساتھ اس طرح پڑھا کہ خود سراج فرماتے تھے، ابن ہمام نے حجر سے جتنا استفادہ نہیں کیا اس سے زیادہ مجھکو فائدہ پہونچایا،

اصول فقہ میں شرح منار محب ابن الشحنہ کے پاس قاہرہ میں پڑھنا شروع کی جب وہ حلب جانے لگے تو یہ بھی ان کے ساتھ چلے گئے، تحصیل سے فارغ ہو کر درس و افادہ میں مشغول ہوئے اور تھوڑے دنوں میں ان کے فضل و کمال کی شہرت کا ستارہ چمکنے لگا

برہان انباسی ان کے رفیق درس تھے، کسی نے دراندازی کر کے چاہا کہ ان میں اور ابن ہمام میں بگاڑ ہو جائے تو انباسی نے کہا کہ اگر دین کی حجتوں کی تحقیق و تفتیش شروع ہو تو ہمارے شہر میں ابن ہمام کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو بیان کرنے کا حق ادا کر سکے،

بساطی اکابر علمائے وقت میں تھے اور وہ ابن الہمام کے استاد بھی تھے جب ان سے اور علاء بخاری سے ابن الفارض کے باب میں مناظرہ کی بات چیت ہونے لگی تو کسی نے کہا حکم کون ہو گا بساطی نے کہا ابن الہمام اس قابل ہیں کہ علماء کے درمیان حکم بن سکیں،

ایک دفعہ بساطی سے دریافت کیا گیا کہ آپ سے کس نے کس نے پڑھا ہے تو انھوں نے قایاتی اور ونائی جیسے اکابر کے نام لینے کے بعد کہا کہ اور ابن ہمام اور وہ تو ان لوگوں کے شیخ و استاد ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں،

ابن الہمام علمی کمالات کے ساتھ خوبصورتی، پاکدامنی، خوش آوازی، فصاحت و

بلاغت، نہایت ادب کے ساتھ بحث ومباحثہ، ریاضت اور کرم و بلند حوصلگی میں بھی ضرب المثل تھے،

پہلی دفعہ جب وہ قبہ منصوریہ میں فقہ کا درس دینے کے لئے بیٹھے تو اس موقع پر اکابر علماء کا اجتماع ہوا، ان کے اساتذہ میں ابن حجر، بساطی، قاری الہدایہ اور بڑا اقرائی بھی اس مجمع میں تھے، جب درس کا وقت آیا تو حاضرین کے سخت اصرار کے باوجود وہ اپنے اساتذہ کا احترام کرتے ہوئے صدر مجلس میں نہیں بیٹھے، بلکہ جہاں پڑھنے والا بیٹھتا ہے وہاں بیٹھے اور قرآن پاک کی آیت یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ پر جو تقریر شروع کی تو علمی مہارت اور وسعت معلومات کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ تمام لوگ ان کا لوہا مان گئے، ابن حجر کی عادت تھی کہ جب کسی کی تقریر طولانی ہو جاتی تو مقرر کی تعریف شروع کر دیتے تاکہ وہ بند کر دے، اس موقع پر بھی انھوں نے مدرس (ابن الہمام) کے علم اور مختلف فنون میں ان کی مہارت کو سراہنا شروع کیا تو بساطی نے کہا ان کی تقریر جاری رہنے دیجئے، وہ ایسا بول رہے ہیں جس کی نظیر نہیں مل سکتی،

جب وہ شیخونیہ کے شیخ نامزد ہوئے تو اس وقت بھی اپنے فرائض نہایت دیانت وامانت سے انجام دیئے، اس کے اوقاف کو آباد کیا، اسکی آمدنی بڑھائی اور کسی بڑے سے بڑے کے ساتھ کوئی رُو رعایت نہیں کی،

سخاوی شافعی نے لکھا ہے کان اماماً علامة باصول الدیانة والتفسیر والفقه واصوله والفرائض والحساب والتصوف والنحو والصرف والمعانی والبیان والبدیع والمنطق والجدل والادب والموسیقی وجل علم النقل والعقل یعنی وہ امام تھے اور اصول مذاہب، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، فرائض، حساب، تصوف، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، مناظرہ، ادب، موسیقی اور اکثر عقلی ونقلی علوم کے علامہ تھے۔ بلکہ لکھا ہے کہ عالم اھل الارض ومحقق اولی العصر

یعنی وہ روئے زمین کے واحد عالم اور اہل زمانہ میں یکتا محقق تھے ،

ہر چہار مذاہب کے جن جن علماء نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا وہ سب ان کی زندگی ہی میں رئیس العلما ہوگئے تھے ، مثلاً حنفیہ میں تقی شمنی اور قاسم شافعیہ میں ابن خضر و مناوی ، مالکیہ میں عبادہ و قرانی اور حنبلیہ میں جمال بن ہشام ،

اس علمی جلالت کے ساتھ وہ بہت منصف مزاج ، خوش اخلاق ، ظرافت پسند ، بلند ہمت ، بے کینہ ، علماء کا احترام ملحوظ رکھنے والے ، صالحین کے معتقد اور اہل دولت سے دور رہنے والے تھے ،

سلطان الظاہر جقمق ان کا بڑا معتقد تھا مگر وہ ان کے پاس بھی نہیں جاتے تھے ، سلطان یا اس کے وزراء و امراء کو ضرورت ہوتی تھی تو تحریر بھیج کر وہ لوگ دریافت کیا کرتے تھے ۔ بلکہ جب ابن الہمام حج کے لئے جانے لگے ہیں تو سلطان نے خود آکر ملاقات کی ، انھوں نے بار بار حج کیا اور مدتوں مجاور بھی رہے ہیں ، جب انھوں نے چاہ زمزم کے پاس پانی پیا ہے تو اس وقت دین پر ثابت قدم رہنے اور ایمان اسلام پر مرنے کی دعا کی ہے ، جیسا کہ انھوں نے خود فتح القدیر میں لکھا ہے ، اور مکہ و مدینہ میں بھی انھوں نے علم کی نشر و اشاعت کی ہے

ابن الہمام نے ادکادی اور خوانی کی صحبت میں سلوک کی منزلیں طے کی ہیں خوانی کے ساتھ بیت المقدس تک سفر بھی کیا ہے ، خوانی نے ان کے حق میں دعا کی تھی کہ حق تعالے ان کو عالم باعمل اور بندۂ صالح بنائے ، ۸۶۱ھ میں انکی وفات ہوئی (ضوء لامع)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی

آپ کا نام احمد بن علی ہے، ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد کا انتقال ہوگیا، نو برس کی عمر میں قرآن پاک یاد کرلیا۔ اس کے بعد عربیت، فقہ، حساب اور لغت وغیرہ کی تحصیل ان فنون کے ماہر علمائے کی، اور کمال پیدا کیا، لیکن حدیث کا فن ان کو بہت محبوب تھا، اس لئے ۷۹۶ھ سے بالکلیہ اسی کے ہو رہے، اور حافظ زین الدین عراقی کے دامن سے وابستہ ہوگئے،

ان سے کامل طور پر استفادہ کرنے کے بعد، شام و حجاز کا سفر کیا اور بکثرت محدثین سے کتب احادیث کی سماعت کی، بلقینی و ابن الملقن فقہ میں، عراقی و ہیثمی حدیث میں، مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس لغت میں ان کے استاد تھے، فراغ کے بعد درس و افتاء اور تصنیف کے مشاغل میں منہمک ہوگئے،

ان کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے، انکی تصنیفات کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، خصوصًا بخاری شریف کی شرح فتح الباری تو اس قدر مقبول ہوئی کہ مختلف بلاد کے بادشاہوں نے بھی اسکی خواستگاری کی، اور اس کا ایک نسخہ تقریبًا تین سو دینار میں فروخت ہوا،

حافظ ابن حجر بھی اپنی اس خدمت کو حق تعالیٰ کا بہت بڑا احسان سمجھتے تھے، اس لئے جب اس سے فارغ ہوئے تو خوشی میں ایک شاندار دعوت کی، جس میں پانچسو دینار صرف ہوئے تھے، اور شاذ و نادر ہی کوئی عالم یا رئیس ہوگا جو اس دعوت میں شریک نہ ہوا ہو،

حافظ کی تصنیفات کی قدردانی صرف ان کے شاگردوں ہی نے نہیں کی بلکہ ان کے اساتذہ اور معاصرین نے بھی بہت شوق سے ان کو حاصل کیا،

ابتداء میں عہدۂ قضاء سے گریز کرتے رہے مگر ۸۲۷ھ میں بقول سخاوی بادل ناخواستہ اس عہدہ کو قبول کیا اور تقریباً ۲۱ برس اس عہدہ پر متمکن رہے۔ لیکن اسکی وجہ سے انکو بہت پریشانیاں اور اذیتیں برداشت کرنا پڑیں، اس لئے بعد میں انکو سخت نفرت ہوگئی تھی،

حافظ نے متعدد مدارس میں تفسیر کا، اسی طرح کئی مدرسوں میں حدیث کا، اور کئی ایک میں فقہ کا درس دیا، اسی کے ساتھ دار العدل میں افتاء کی خدمت اور جامع ازہر پھر جامع عمرو بن العاص میں خطابت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے،

ان کے لئے ایک ہزار بار سے زائد املاء کی مجلسیں منعقد ہوئیں، جن میں اپنی یاد سے انھوں نے علوم و معارف کے دریا بہائے۔ اکابر علماء ان کی خدمت میں حاضری پر فخر کرتے تھے، لوگوں نے اس کثرت سے ان سے استفادہ کیا کہ ان کے زمانہ میں ہر مذہب کے بڑے بڑے عالم ان کے شاگرد تھے،

ان کے مشائخ اور معاصرین فن حدیث میں ان کے کمال و رسوخ کے بہت مداح تھے، شاعری میں بھی انکو کمال حاصل تھا، ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کے جنازہ میں اتنا بڑا مجمع تھا کہ بڑے بوڑھوں نے ایسا مجمع کسی جنازہ میں نہیں دیکھا تھا" نماز جنازہ میں خلیفۂ وقت اور بادشاہِ عصر دونوں شریک تھے، اور خلیفہ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی، امراء و اکابر نے ان کے جنازہ کو کاندھا دیا، اور وہ لوگ قبرستان تک پیدل چل کر گئے، جو اسکی آدھی مسافت بھی کبھی پیدل نہ چلے ہونگے، (الضوء اللامع)

حافظ ابن حجر ایک بار تو کم عمری میں اپنے مربی کے ساتھ مکہ گئے تھے، اور وہاں انھوں نے شافعی مسلک کے مطابق نماز تراویح بھی پڑھائی تھی، اور کتابی تعلیم بھی وہیں شروع کی تھی، پھر جب حدیث کا شوق ان کو ہوا تو اس علم کی تحصیل کے ابتدائی زمانہ میں انھوں نے حج کیا، اور آب زمزم پینے کے وقت یہ دعا کی کہ علم حدیث میں ان کو امام ذہبی کا مرتبہ

حاصل ہو جائے، تقریباً بیس برس کے بعد پھر حج کی سعادت انکو حاصل ہوئی تو خود فرماتے ہیں کہ اس وقت اس فن میں میری واقفیت ذہبی سے کچھ زائد ہی محسوس ہوتی تھی، اسلئے میں نے اس دفعہ اس سے اور اونچا مرتبہ حاصل ہونے کی نیت سے آب زمزم پیا،

اس واقعہ کو ابن الہمام نے فتح القدیر میں خود حافظ کی زبان سے سُن کر نقل کیا ہے۔

اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ حافظ کو اس فن میں ایسا کمال حاصل تھا کہ آج بھی انکو حافظ الدنیا اور خاتمۃ الحفاظ کہا جاتا ہے، اور اس فن کی جو خدمت انھوں نے انجام دی ہے، ان کے بعد ایسی ٹھوس خدمت کم کسی نے انجام دی ہوگی، ان کی فنی خدمتوں کا صحیح اندازہ اس وقت ہوگا، جب کبھی کسی ادارہ کو خدا توفیق دیگا اور انکی بیش بہا تالیفات اتحاف المہرہ[1] بالاطراف المبتکرہ، اور المطالب العالیہ[2] بزوائد المسانید الثمانیۃ اور النکت الظراف[3] علی الاطراف اور تبصیر المنتبہ[4] بتحریر المشتبہ وغیرہ منظر عام پر آئیں گی،

---

[1] اس کتاب میں حافظ نے، دارمی، ابن خزیمہ (ربع عبادات) ابن الجارود ابوعوانہ، ابن حبان حاکم، موطا، شافعی، مسند احمد، شرح معانی الآثار اور دارقطنی کی حدیثوں کی نشاندہی کی ہے، اور ان کے اطراف جمع کئے ہیں، میں نے اس کی تین جلدیں حیدرآباد میں دیکھی ہیں۔

[2] اس کتاب میں صحاح ستہ کی حدیثوں کے سوا جو حدیثیں مسند طیالسی، مسند مسدد، مسند حمیدی مسند العدنی، مسند ابن ابی شیبہ، مسند احمد بن منیع، مسند عبد بن حمید، مسند حارث بن اسامہ نصف مسند ابن راہویہ اور کچھ مسند ابی یعلیٰ کی حدیثیں حافظ نے یکجا کر دی ہیں۔ اس کا ناقص نسخہ بھی حیدرآباد میں، میں نے دیکھا ہے۔ اب اس کے مکمل نسخہ کا فوٹو میرے پاس موجود ہے، اور میں نے اس کے محذوف الاسانید نسخہ کو ایڈٹ کرنا بھی شروع کر دیا ہے، ایک جلد مکمل ہو گئی ہے۔

[3] یہ کتاب اطراف مزی کے ساتھ بھیونڈی میں چھپنا شروع ہو گئی ہے۔

[4] مصر میں طبع ہو گئی ہے

امام بدرالدین عینی شارح بخاری

محمود بن احمد نام تھا، اصلا حلب کے باشندہ تھے، قاہرہ میں قیام تھا، ۷۶۲ھ میں پیدا ہوئے، اوائل عمر میں، خود اپنے مولد عنتاب اور حلب میں علوم آلیہ کی تحصیل کی، اور ان میں کمال پیدا کیا،

سخاوی نے لکھا ہے برع فی ھذہ العلوم، ۷۸۴ھ میں ان کے والد کا انتقال ہوا اس کے بعد انھوں نے حج کیا، اور دمشق آئے، بیت المقدس کی زیارت کی، اور علاء سیرامی فقیہ حنفی کی خدمت میں فقہ کی تحصیل میں لگ گئے، انھیں کے ساتھ پھر قاہرہ آئے، اور برابر ان سے استفادہ کرتے رہے، قاہرہ میں بلقینی، زین الدین عراقی، اور ھیثمی وغیرھم سے فن حدیث حاصل کیا، اور کتب احادیث کی سماعت کی،

سخاوی نے لکھا ہے کہ وہ امام و علامہ تھے، تاریخ و لغت کے حافظ تھے، مطالعہ سے تھکتے نہ تھے، انھوں نے اس کثرت سے کتابیں تصنیف کی ہیں کہ اپنے شیخ ابن حجر کے بعد ان زیادہ کثیر التصنیف عالم میرے علم میں نہیں ہے، وہ بہت تیز اور اچھا لکھتے تھے، رات بھر میں پوری قدوری لکھ ڈالی تھی، مقریزی کا بیان ہے کہ اسی طرح حاوی بھی ایک رات میں انھوں نے لکھ لی تھی،

انھوں نے حدیث کا درس دیا، افتاء کی خدمت انجام دی، اور ہر مذہب کے ائمہ نے کئی طبقہ تک ان سے استفادہ کیا، حتی کہ حافظ ابن حجر نے بھی ان سے سُن کر چند فوائد قلمبند کئے، بلکہ ان سے تین حدیثوں کی سماعت بھی کی،

ناچیز کہتا ہے کہ یہ حافظ ابن حجر کی انصاف پسندی کی دلیل ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ عینی بھی رجال طحاوی لکھنے کے وقت حافظ ابن حجر سے بعض رجال کی نسبت استفسار کیا کرتے تھے، حافظ ابن حجر نے اپنے لڑکے محمد کے لئے بھی عینی سے اجازت حاصل کی تھی،

سخاوی کہتے ہیں کہ عینی بہت متواضع اور ملنسار تھے، ان کا نام بہت مشہور اور انکی

شہرت دور دور تھی،

عینی نے جامع ازہر کے قریب اپنے گھر سے متصل ایک مدرسہ بھی بنوایا تھا، اسی میں نماز جمعہ بھی پڑھتے تھے، اس لئے کہ وہ جامع ازہر میں نماز پڑھنے کو صاف صاف مکروہ کہتے تھے، کیونکہ اس کا واقف رافضی اور صحابہ کو بُرا کہتا تھا،

وہ بیکوقت قاضی، محتسب اور ناظر احباس تینوں تھے، ان سے پہلے ایک ساتھ یہ تینوں عہدے سخاوی کے خیال میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوئے،

مدرسہ مؤیدیہ میں حدیث کا درس دیتے تھے، کئی بادشاہوں نے اُن کی بڑی قدر و منزلت کی، المؤید نے ان کو اپنا سفیر بنا کر بلاد روم (ٹرکی) بھیجا، پھر جب الظاہر ططر بادشاہ ہوا تو اس نے اور زیادہ ان کا اکرام کیا، اس کے بعد الاشرف برسبائے تو ان کا اتنا گرویدہ ہوا کہ ان سے ان کی تاریخ پڑھوا کر ٹرکی زبان میں اس کا ترجمہ سنا کرتا تھا،

عینی کو دونوں زبانوں میں مہارت تامہ تھی۔ اس کے علاوہ عینی اسکو امور دین کی تعلیم بھی دیتے تھے، جس سے اشرف کی بہت کچھ اصلاح ہوئی، وہ کہا کرتا تھا کہ عینی نہ ہوتے تو ہمارے اسلام میں خامی رہ جاتی،

عینی کی تصنیفات میں عمدۃ القاری شرح بخاری، حافظ ابن حجر کی شرح کی طرح علماء میں مقبول و متداول ہے، اور ہر چند کہ خوردہ گیر مصنفین یہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ عینی نے بہت سے مطالب فتح الباری سے لئے ہیں مگر اس سے عینی کے فضل و کمال اور ان کی وسعت معلومات پر پردہ ڈالنا ممکن نہیں ہے،

عینی کا یہی ایک علمی کارنامہ نہیں ہے، اس کے علاوہ بنایہ، شرح ہدایہ، اور شرح معانی الآثار کی دو شرحیں مبانی الاخبار، اور نخب الافکار وغیرہ بھی ان کے علمی شاہکار ہیں، خوردہ گیروں کو بتانا چاہئے کہ ان کی یہ تصنیفات کن کتابوں کا چربہ ہیں، بنایہ تو ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے، اور معانی الآثار کی دونوں شرحیں اگرچہ اب تک چھپی

نہیں ہیں مگر ہندوستان میں ان دونوں کے ناقص قلمی نسخے موجود ہیں، ان کو پڑھئے تو آپ کو عینی کی علمی عظمت کا اندازہ ہوگا، امام عینی نے ایک حج تو ۸۰۰ھ سے پہلے کیا ہے، دوسرا حج انھوں نے ۷۹۹ھ میں کیا، ذی الحجہ ۸۵۵ھ میں وفات پائی،

شیخ الاسلام سعد الدین دیری حنفیؒ

سعد بن محمد نام تھا، حافظ ابن حجر اور عینی کے معاصر تھے، سخاوی نے ان کا ذکر ذکر العالم الکبیر وحامل لواء التفسیر کے عنوان سے کیا ہے، ۷۶۸ھ میں پیدا ہوئے، حافظہ نہایت قوی تھا، قرآن پاک کے علاوہ کنز وغیرہ کئی کتابیں زبانی یاد تھیں، قاضی عیاض کی مشارق کا اکثر حصہ بارہ دن میں یاد کر ڈالا تھا، فقہ میں حافظ الدین بزازی اور قونوی کے، اور حدیث میں اپنے وقت کے مشہور محدثین ابن المہندس، ابوالخیر بن العلائی اور صدر یاسوفی وغیرھم کے شاگرد تھے،

سخاوی کا بیان ہے کہ وہ امام علامہ تھے، نہایت قوی الحافظہ، اور مسائل کے استحضار میں پہاڑ تھے، مناظرہ میں کوئی ان کو انکی جگہ سے ہلا نہیں سکتا تھا، اس قدر حدیثیں برزبان تھیں کہ بیان سے باہر، فصاحت وروانی تقریر کا بھی یہی حال تھا، امراء وسلاطین اور خواص وعوام سب کے دلوں میں ان کا بیحد احترام اور سب کی نگاہوں میں ان کی بڑی عظمت تھی،

یہانتک کہ ایک دفعہ ابن الہمام، اور امین اقصرائی سے انکی جگہ پر منصب قضا قبول کرنے کو کہا گیا تو دونوں نے یہ جواب دیا کہ شیخ سعد الدین کی موجودگی میں یہ کسی طرح مناسب نہیں،

ایک دفعہ ابن الہمام سفر حج سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے مدرسہ مؤیدیہ میں شیخ سعد الدین کو سلام کرنے حاضر ہوئے، حافظ ابن حجر ان کی تعظیم واکرام، اور ان کے محاسن کا

اعتراف کرنے میں سب سے پیش پیش تھے،

سخاوی کہتے ہیں کہ اس باب میں ان کا معاملہ حیرت انگیز تھا، اسی طرح شیخ سعد الدین بھی ابن حجر کی وفات کے بعد اپنی تنہائی کو بڑی طرح محسوس کرتے تھے،

سعد الدین کے فضل وکمال کا شہرہ دور دور تک تھا، چنانچہ بادشاہ مصر الظاہر جقمق کا قاصد سمرقند کے بادشاہ شاہ رخ کے پاس گیا تو اس نے چند علماء کی خیریت پوچھی جن میں ایک سعد الدین بھی تھے، جب قاصد نے بتایا کہ یہ سب لوگ زندہ مع الخیر ہیں تو اس نے خوشی کا اظہار کیا اور شکر خدا بجا لایا،

ان کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی، اور ہر مذہب کے فضلاء ان کی شاگردی پر ناز کرتے تھے، تمام ملکوں سے ان کے پاس فتویٰ آتے تھے،

شیخ سعد الدین نے پہلا حج ۸۳۸ھ میں کیا تھا، اس کے بعد بھر کئی حج کئے،

ان کا بیان ہے کہ میں جب ۸۹۷ھ میں حج کو جانے لگا تو شیخ ابوبکر موصلی کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا، شیخ نے مجھے دعا دیکر رخصت کیا، اس موقعہ پر میرے والد نے تاکید کی تھی کہ جب کسی منزل پر قیام کی نوبت آئے تو قافلہ کے بیچ میں قیام کرنا،

چنانچہ میں اس کا برابر خیال رکھتا تھا، مگر ہوتا یہ تھا کہ جو لوگ ہمارے دائیں بائیں ہوتے تھے وہ منتقل ہو جاتے تھے، اور ہم کنارے پڑ جاتے تھے، صرف عرفات میں ہم بیچ میں رہ سکے، باایں ہمہ ہماری کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی، اور ہم ہر طرح محفوظ رہے، صرف ایک چاقو جسے راستہ میں، میں نے خریدا تھا گم ہو گیا مگر اسکی نسبت میرے دل میں کھٹک تھی کہ وہ مال مشتبہ تھا،

بہر حال مجھے اسپر بڑا تعجب تھا کہ ہمارے آس پاس سے لوگ کیوں منتقل ہوجاتے ہیں، اور ہم کیوں کنارے پڑ جاتے ہیں، تا آنکہ غزہ میں ایک بوڑھے شتربان سے میری ملاقات ہوئی، جو علم تصوف کی بہت عمدہ باتیں کرتا تھا، مجھے اسکی ظاہری حالت کی بنا پر

بڑا تعجب ہوا، لیکن میرا یہ تعجب بہت جلد زائل ہوگیا، جب اس نے بتایا کہ وہ بہت سے مشائخ تصوف کی صحبت میں رہا ہے، از انجملہ شیخ ابوبکر موصلی تھے، انھوں نے اس کے اونٹ پر سفر حج کیا تھا، پھر اس نے کہا کہ وہ مجھے برابر تاکید کرتے تھے کہ منزل پر کنارے قیام کیا کروں، اس لئے کہ اس میں اچھی راحت رہتی ہے، اور قضائے حاجت وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے باقی رہی حفاظت، تو محفوظ وہی رہتا ہے جس کو خدا محفوظ رکھے، جب یہ بات میں نے شتربان سے سُنی تو مجھے یقین ہوگیا کہ میں جو کوشش کے باوجود ہر منزل میں کنارے پڑجاتا ہوں یہ ابوبکر موصلی کا باطنی تصرف ہے،

شیخ سعد الدین دیری کی وفات ۸۶۷ھ میں ہوئی، ان کے جنازہ میں بادشاہِ وقت اور تمام قضاۃ و امراء و اعیان شریک تھے (ضوء لامع، فوائد بہیہ، شذرات)

(افادہ) شیخ ابوبکر موصلی آٹھویں صدی کے اکابر اولیاء میں تھے، علم و عمل کے جامع تھے بڑے بڑے ائمہ اعلام ان کے فیض یافتہ اور معتقد تھے، ابن رسلان جیسے محدث و فقیہ نے ان کے ہاتھ سے خرقہ پہنا تھا، اور سعد الدین دیری جیسے جلیل القدر علامہ ان سے دعا لینے جاتے تھے ـــ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بہت بڑے بڑے لوگ جیسے شہاب زہری اور شمس الدین صرخدی ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے،

کپڑا بُننا ان کا ذریعۂ معاش تھا، اور انھوں نے بکثرت حج کئے تھے، الملک الظاہر ان کے حجرہ میں ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، اور اپنی شاہانہ حیثیت کے مطابق بہت بڑی رقم نذرانہ میں پیش کی، مگر شیخ موصلی نے ایک پیسہ بھی قبول نہیں کیا،

شیخ کی وفات ۷۹۷ھ میں ہوئی، آپ کا مزار قدس میں ہے، آٹھویں صدی میں آپ کا تذکرہ بھول سے رہ گیا، اب مذکورہ بالا واقعہ کی مناسبت سے یہ مختصر تذکرہ زینت بخش کتاب ہو رہا ہے،

شیخ حسین بن معز بلخی بہاری

ہندوستان کے مشہور مشائخ طریقت میں ہیں، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور اپنے چچا شیخ مظفر سے خلافت پائی تھی، چچا کے ساتھ حجاز گئے، اور چار سال تک وہاں قیام کیا، تجوید و قرأت کی تحصیل وہیں کی، صحیح بخاری و صحیح مسلم کو حرفاً حرفاً اپنے چچا شیخ مظفر سے پڑھا،

آپ کی وفات ۸۴۴ھ میں ہوئی،

شیخ امین الدین لکھنوی

بجنور (ضلع لکھنؤ) کے بزرگ عالم تھے، انھوں نے سات حج کئے تھے، حجاز سے واپسی میں گجرات پہونچ کر ان کا انتقال ہوگیا، لاش لکھنؤ لاکر دفن کی گئی، آپ کا سالِ وفات ۸۹۱ھ ہے،

شیخ احمد کھتو

شیخ عبد الحق نے لکھا ہے کہ وہ مشائخ گجرات میں سب سے بڑے ہیں، بابا اسحٰق مغربی کے خلیفہ و مجاز طریقت تھے، مظفر شاہ گجراتی کے عہد حکومت میں آپ نے احمد آباد سے چند میل کے فاصلہ پر قصبہ سرکھیج میں سکونت اختیار کی، مظفر شاہ کا پوتا احمد شاہ بانی احمد آباد آپ کا مرید تھا، احمد آباد آپ کی زندگی میں ۸۱۰ھ میں آباد ہوا ہے،

آپ کا بیان ہے کہ یہ فقیر جب زیارت خانہ کعبہ کے ارادہ سے جہاز پر سوار ہوا تو ایک دن وضو کرنے میں اتفاق سے پاؤں پھسل گیا، اور یہ فقیر دریا میں جا پڑا۔ فقیر نے تیرنا شروع کیا اور برابر یَا حَافِظُ یَا حَفِیظُ یَا رَقِیبُ یَا وَکِیلُ یَا اَللّٰہُ کا ورد کرتا رہا، تھوڑی دور تیرنے کے بعد پیروں کے نیچے ایک پتھر ملا، فقیر اس پر کھڑا ہوگیا، پانی

کمر کے برابر تھا، میں نے ان اسماء کا ورد برابر جاری رکھا، اس کے بعد ناخدا اور ملاحوں نے مجھکو مچھلی کی طرح سمندر سے نکالا،

فرماتے ہیں کہ جب میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ روانہ ہوا تو ساتھ میں امام خانجہاں اور شیخ تاج الدین سر کھیجی اور ایک تیسرے شخص بھی تھے، جب ہم مسجد نبوی میں اترے تو ساتھیوں نے کہا کہ کھانا لانا چاہئے، میں نے کہا کہ میں تو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں، وہ لوگ باہر گئے اور کھانے سے فارغ ہو کر آئے تو ساتھ ہی نماز عشا پڑھی گئی، وہ لوگ نماز پڑھکر سو گئے اور میں ہاتھ دھو کر تسبیح پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص نے آواز دی کہ حضرت کا مہمان کون ہے؟ میں نے سمجھا کوئی دوسرا ہو گا، پھر دوسری اور تیسری آواز آئی تو میں نے سمجھا کہ یہ آدمی مجھ ہی کو بلا رہا ہے،

میں اٹھا اور اس کے سامنے گیا، دیکھا کہ ایک طبق ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، مجھکو دیکھ کر اس نے کہا حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھیجا ہے، میں نے دامن پھیلا دیا، اس نے کھجوریں میرے دامن میں ڈالدیں اور طبق لے لیا، ان کھجوروں کی لذت اور شیرینی کا بیان نہیں ہو سکتا

صبح کو سو کر اٹھا تو جو خواب میں نے دیکھا تھا، ان تین ساتھیوں نے بھی دیکھا تھا، خواب یہ تھا کہ ایک نہایت خوش فضا مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تشریف فرما ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سونے کے زیوروں سے لدی ہوئی ایک عورت کھڑی ہے، حضرت نے مجھسے فرمایا کہ اس عورت کو قبول کر۔

فقیر نے عرض کیا کہ بابو (میرے پیر بابا اسحٰق) نے قبول نہیں کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بابو یہ ہیں، میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو حضرت علی کے پاس ذرا نیچے بابو (بابا اسحٰق مغربی) کھڑے ہیں، اور دانتوں تلے انگلی دبا کر فرماتے ہیں کہ بابا! حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فرمان ہے اسکو قبول کر، میں نے اس عورت

کو قبول کر لیا،

شیخ احمد کھتو فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ آیا، یہ عورت دنیا کی صورت مثالی تھی، اور آج جو ہمارے یہاں دنیا کی بہتات ہے وہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے،

شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ شیخ احمد کی زندگی میں ان کے یہاں فقراء کا دستر خوان بڑا وسیع تھا، اور وفات کے بعد تو انکی خانقاہ میں ایسا لنگر جاری تھا کہ امیر و بادشاہ بھی سیر ہو سکتے تھے، فقراء و مساکین کا کیا ذکر؟

شیخ احمد کھتو نے اپنے سفر حج کے واقعات کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت جب وہ اور ان کے ساتھی آخری سلام پڑھنے کے لئے روضہ نبوی کے پاس حاضر ہوئے تو روضۂ پاک کے نگراں دس گز (ہاتھ) سیاہ کپڑا ہاتھ میں لیکر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ عمامہ سر پر باندھ لیجئے، میں نے کہا بابو (ان کے پیر) نے سر پر پگڑی نہیں باندھی ہے، بس ٹوپی پہنتے تھے، نگراں نے کہا، مجھ سے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں، فرمایا ہے کہ اس شخص کو دس گز سیاہ کپڑا دینا اور کہنا کہ اس کو سر پر باندھو، اور خلق خدا کو دعوت دو، میں نے عمامہ لیکر آنکھوں پر رکھا، پھر سر پر باندھا،

شیخ احمد کھتو کی وفات ۸۴۹ھ میں ہوئی، مزار مبارک سرکھیج میں ہے، اس ناچیز نے اسکی زیارت کی ہے، شیخ عبدالحق نے ان کے مقام مزار کی نسبت لکھا ہے، مقامیست بغایت لطیف و منزہ و مصفا و مروح کہ نظائر آں بر روئے زمین کم باشند (اخبار الاخیار، نزہۃ الخواطر)

مولانا عبدالرحمٰن جامی

درس نظامی کی مشہور و معروف کتاب شرح جامی کی بدولت آپ کے نام سے مدارس کا بچہ بچہ واقف ہے، شرح کافیہ کے علاوہ بزرگوں کے تذکرہ میں آپ کی کتاب نفحات الانس، اور آپ کی مثنویاں تحفۃ الاحرار و سبحۃ الابرار نیز سلسلۃ الذہب نہایت پاکیزہ اور مشہور کتابیں ہیں،

آپ نہایت بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ بہت عالی مقام عارف و صوفی بھی تھے، مولانا سعد الدین کاشغری سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے، اور انھیں سے خلافت بھی حاصل تھی،

اس سلسلہ کے شہرۂ آفاق بزرگ خواجہ عبید اللہ احرار سے آپ کو بے پایاں عقیدت تھی، اور انکی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے تھے، خواجۂ احرار کی مدح میں آپ کا یہ شعر، یوسف زلیخا پڑھنے والوں کو یاد ہوگا ؎

چوں فقر اندر لباس شاہی آمد بتدبیر عبید اللّٰہی آمد

مولانا جامی شیخ کامل اور عارف صادق ہونے کے باوجود جلدی کسی کو مرید نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ تحملِ بارِ شیخی ندارم (پیر بننے کا بوجھ مجھ سے نہ اٹھے گا) لیکن آخر عمر میں چاہتے تھے کہ کوئی طالب صادق ملے تو اسکی تربیت فرمائیں، فرماتے تھے کہ کوئی سچا طالب نہیں ملتا،

مولانا جامی کی علمی جلالت کا شہرہ دور سے دور تک تھا، چنانچہ ٹرکی کے سلطان بایزید خاں نے قاصد بھیج کر آپ کو ٹرکی آنے کی دعوت دی، مگر آپ نے معذرت کر دی (شذرات)

اسی طرح دکن کے ملک التجار خواجۂ محمود گاوان نے جب بیدر میں ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کیا تو اس کی صدارت کے لئے، مولانا جامی سے درخواست کی تھی، اور کہا جاتا ہے کہ مولانا آمادہ تھے، مگر کسی وجہ سے نہ آسکے، (نزہتہ) ــــ مولانا نے اپنے اس شعر میں محمود گاوان ہی کی طرف اشارہ کیا ہے، ؎

ہمرہ قافلۂ ہند رواں کن کو رسد   شرف عز و قبول از ملک التجارش

مولانا جامی کا حج ایک تاریخی حج تھا، آپ نے وسط ربیع الاول ۸۷۷ھ میں جب حج کا ارادہ کیا تو خراسان کے بہت سے اکابر مانع ہوئے، اور عرض کیا کہ یہاں ہر روز آپ کی توجہ سے مسلمانوں کے ایسے اہم اہم کام انجام پاتے ہیں، جنہیں ہر ایک کا ثواب پاپیادہ حج کے برابر ہوگا،

مولانا نے مزاح کے انداز میں جواب دیا کہ جی ہاں، مگر چونکہ پیادہ پا حج کرتے کرتے بہت تھک گیا ہوں، اس لئے چاہتا ہوں کہ اب سواری سے حج کر آؤں،

بہر حال مولانا ۱۶ ربیع الاول ۸۷۷ھ کو ہرات سے روانہ ہوئے، اور نیشاپور، سبزوار، بسطام، دامغاں، سمنان، اور قزوین ہوتے ہوئے ھمدان پہونچے، تو ھمدان کے حاکم شاہ منوچہر نے نہایت اخلاص و نیازمندی سے آپ کا استقبال کیا، اور آپکے پورے قافلہ کو تین دن تین رات اپنے یہاں مہمان رکھا، اور شاہانہ طور پر میزبانی کے فرائض انجام دیئے،

اس کے بعد ایک بڑی جمعیت کے ساتھ اس قافلہ کو بغداد کی سرحد تک پہونچانے آیا، تاکہ کردستان کے خطرناک علاقہ میں اہل قافلہ کو کوئی گزند نہ پہونچے، وسط جمادی الاخری میں قافلہ بغداد پہونچا، چند دنوں کے بعد مولانا نے کربلا میں مشہد حضرت حسین کی زیارت کی، پھر بغداد لوٹ آئے،

بغداد میں یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ فتحی نام ایک بد باطن جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھا، اس سے اور مولانا کے کسی خادم سے تیز تیز باتیں ہوگئیں، اسپر وہ بگڑ گیا، اور قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ از راہِ خباثت نفس بغداد کے رافضیوں سے ساز باز کیا، اور سلسلۃ الذہب کے چند اشعار کو ماقبل و مابعد سے الگ کرکے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ دیکھئے یہ اشعار اسلامی عقیدہ کے خلاف ہیں،

بات اتنی بڑھی کہ تحقیق واقعہ کے لئے ایک مجلس ترتیب دی گئی، جس میں قاضی حنفی و قاضی شافعی کے علاوہ حاکم بغداد اور امراء شریک تھے، اور جس مدرسہ میں یہ مجلس بلائی گئی

تھی، اس کے بام و در پر عوام و خواص کی بھیڑ جمع تھی، سلسلۃ الذہب پیش ہوئی، اور جن اشعار پر فتنہ برپا کیا گیا تھا، اس کے آگے پیچھے کے اشعار پڑھے گئے،

جب اصل حقیقت کھلی تو لوگ حیران رہ گئے، اس کے بعد سب کے سامنے نعمت حیدری سے جو بغداد کے رافضیوں کا سردار تھا، اور وہی اس فتنہ پردازی میں پیش پیش تھا مولانا جامی نے دریافت کیا کہ تم کو شریعت کے رو سے ہم پر اعتراض ہے، یا طریقت کے رو سے، اس نے کہا دونوں حیثیتوں سے، مولانا نے فرمایا کہ اچھا یہ بات ہے تو پہلے حکم شریعت کے مطابق اٹھ اور اپنی مونچھ جس کو تو نے مدۃ العمر ہاتھ نہیں لگایا ہے، اسکو ترشوا، یہ کہنا تھا کہ مجلس سے چند آدمی اٹھے اور جب تک قینچی آئے ان لوگوں نے آدھی مونچھ کسی چھڑی پر رکھکر چاقو سے کاٹ دی، اور آدھی قینچی سے کاٹی گئی،

اس کے بعد مولانا نے اس کو اہل طریق کا بھی راندۂ درگاہ ثابت کر کے کہا کربلا جا اور وہاں جا کے توبہ کر کے آ، پھر مناظرہ کرنا، اس کے ساتھیوں میں ایک اور شخص تھا جس نے مولانا جامی کے اشعار کے ساتھ کچھ اپنے اشعار بھی ملا دیئے تھے، اس کی نسبت مجلس نے فیصلہ کیا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھرایا جائے،

بغداد میں چار مہینے قیام کرنے کے بعد مولانا جامی نے حجاز کا رخ کیا، اور آخر شوال میں نجف پہونچے اور حضرت علی کے مزار کی زیارت کی، موقع پر آپ نے ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے:-

قد بدا مشہد مولائی چو از دور مرا   کہ مشاہد شد ازاں مشہدم انوار جلی

ذی قعدہ کے شروع میں یہاں سے رخت سفر بندھا، اور مدینہ کے لئے روانگی ہوئی، راستہ میں آپ نے ایک قصیدہ تصنیف کیا جو بہت سے معجزات نبوی کے بیان پر مشتمل ہے، اس کا دوسرا مطلع یہ ہے ؎

یارب مدینہ است ایں حرم کز خاکش آید بوئے جاں   یا ساحت باغ ارم، یا عرصۂ روض الجناں

۲۲ دن کے بعد مدینہ منورہ پہونچے، اور روضۂ نبوی کی زیارت کرنے کے بعد مکہ روانہ ہوئے،

دس دن کے بعد ۶ ذی الحجہ کو مکہ پہونچے، اور حج کے تمام مناسک اور شرائط و آداب بجالانے کے بعد ۱۵۔ ذی الحجہ کو شام کے لئے براہ مدینہ روانہ ہوئے، راستہ میں ایک غزل لکھی، جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

چو حلقۂ در کعبہ بصد نیاز گرفتم　　دعائے حلقۂ گیسوئے مشکبوئے تو کردم

۲۵۔ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ پہونچ کر دوبارہ روضۂ اطہر کی زیارت اور صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی سعادت حاصل کی، ۲۷۔ کو وہاں سے کوچ کیا، اور محرم کے اخیر عشرہ میں دمشق پہونچے اور وہاں چالیس دن قیام کیا،

اس مدت میں قاضی محمد خیضری سے احادیث کی سماعت کی، اور سند لی، قاضی صاحب نے نہایت خاطرداری، اور عزت واکرام کے ساتھ مہمانداری کا حق ادا کیا، ۴۔ ربیع الاول کو دمشق سے رخصت ہوکر بارہ دن میں مولانا حلب آئے

وہاں کے اکابر نے بھی آپ کا بڑا اعزاز واکرام کیا، اور ہدیے پیش کئے، ۲۔ ربیع الثانی کو حلب سے آگے بڑھے تو محمد بیگ تین سو سوار ساتھ لیکر کردستان اور خطرناک علاقوں میں قافلہ کی حفاظت کے لئے تبریز تک آپ کے ساتھ رہا،

تبریز میں بھی اکابر علماء اور اعیان نے بہت پرتپاک استقبال کیا، اور اعزاز واکرام کے ساتھ پورے قافلہ کو نہایت عمدہ مکانات میں ٹھہرایا، پھر اصرار کرکے مولانا کی ملاقات وہاں کے حاکم حسن بیگ سے کرائی

حسن بیگ نے شاہانہ ہدیے اور نذرانے پیش کئے، اور باصرار تمام درخواست کی کہ آپ اب تبریز ہی میں اقامت فرمائیں، مولانا نے والدہ کی کبرسنی کا بہانہ کرکے خراسان کی راہ لی ۲۰۔ جمادی الاولیٰ کو تبریز پہونچے تھے، اور ۶۔ جمادی الاخریٰ کو وہاں سے چل کر ۱۰۔ شعبان ۸۷۸ھ کو ہرات پہونچے، مرزا سلطان حسین اس وقت مرو میں تھا، آپ کی بخیریت واپسی کی خبر اسکو ملی تو اپنے خاص معتمدوں کے ہاتھ بہت سے تحفے، اور اظہار اخلاص ونیازمندی

پر مشتمل ایک خط بھیجا، جس کی ابتدا اس شعر سے کی تھی ؎

اھلا بمقدم ملک الشریف فانه فرح القلوب و نزھة الارواح

عین اسیوقت امیر نظام الدین علی شیر کا رقعہ بھی پہونچا، جس میں یہ رباعی درج تھی

رباعی

انصاف بدہ اے فلک مینا فام تازیں دو کدام خوب تر کرد خرام
خورشید جہانتاب تو از جانب صبح یا ماہ جہاں گردمن از جانب شام

مولانا جامی نے ۸۹۸ھ میں سفر آخرت اختیار کیا،

ہم طالب علموں پر، شرح جامی کے واسطہ سے مولانا کا بڑا احسان ہے، اس لئے بے اختیار آپ کا تذکرہ طویل ہو گیا ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

مولانا جامی نے جب تک حج نہیں کیا تھا اسوقت تک وہ زیارت حرمین کے لئے بہت مضطرب اور بے چین تھے، ان کا دل شوق سے لبریز، اور اس تمنا میں انکی آنکھیں اشک ریز تھیں، ایک غزل میں فرماتے ہیں ؎

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

اور سلسلۃ الذہب میں فرماتے ہیں

کے بود کہ میان منبر و قبر کردہ صد چاک جیب خرقۂ صبر
گرد آں منزل بہشت نشاں رفتہ با دیدۂ سرشک فشاں
کے بود گز برائے روز بہی خاطر پُر امید و دست تہی
رو دراں قبلہ گاہ حشمت و ناز پیش سینہ نہادہ دست نیاز
دمبدم در معنیٔ سفتہ خالی از لاف دعوے گفتہ
اَلنَّبِیَّ اللّٰہ، اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اِنَّمَا الْفَوْزُ وَ الْفَلَاحُ لَدَیْکَ

بسلام آمدم جوابم ده   مرہمے بر دل خرابم نہ
بس بود جاہ و احترام مرا   یک علیک از تو صد سلام مرا

اور مولانا کی یہ تمنا جب پوری ہوئی، تو ان الفاظ میں حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر بجالائے

داد مرا نعمتِ توفیقِ حج   مَن قَرَعَ الباب وَلَجَّ وَ لَجَ
در حرم خویش مرا رہ نمود   زنگ ظلام از دل گمرہ زدود
داد مرا در حرمِ خود مقام   ساخت مرا طائفِ بیت الحرام

مولانا نے اس سعادت کے حصول کے بعد مناسکِ حج میں ایک منظوم رسالہ تصنیف فرمایا ہے، آخری اشعار اسی رسالہ سے لئے گئے ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ بہرائچ میں میرے مطالعہ سے گذرا ہے، اس نسخہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں خانہ کعبہ، منیٰ اور عرفات وغیرہ کی قلمی تصویریں بھی دی ہوئی ہیں،

۹۰۱ھ سے ۱۰۰۰ھ تک

مفتی و مورخ مدینہ نور الدین سمہودی

علی بن عبد اللہ نام تھا، حسنی سید تھے، مورخین ان کو امام و مقتدا کے اوصاف کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، ۸۴۴ھ میں بمقام سمہود (مصر) پیدا ہوئے، ابتداءً اپنے والد سے بہت کچھ پڑھا، پھر قاہرہ آکر شمس جوجری، جلال محلی، شرف مناوی اور سعد الدین دیری وغیرہم کے پاس تکمیل کی، دیری و جوجری و بامی نے ان کو تدریس کی اجازت دی،

۸۷۳ھ سے مدینہ مطہرہ میں سکونت اختیار کی، وہاں ابو الفرج مراغی سے بکثرت احادیث کی سماعت کی، اور مکہ میں متعدد محدثین سے جنمیں نجم الدین عمر بن فہد بھی ہیں، حدیثیں سنیں، حرمین کے طلبہ نے آپ سے بہت فائدہ اٹھایا، مدینہ پاک کی تین تاریخیں لکھیں، جن میں پہلی جل گئی، دوسری کا نام الوفا اور تیسری کا خلاصۃ الوفا ہے،

یہ دونوں مصر میں چھپ گئی ہیں، مدینہ منورہ کی ان سے بہتر تاریخ دیکھنے میں نہیں آئی،

۸۶۶ھ میں ان کا قیام مکہ میں تھا، اس کے بعد بیت المقدس کی زیارت کرکے پھر مدینہ میں سکونت اختیار کی، اور آخر عمر تک وہیں مقیم رہے۔

سخاوی کا بیان ہے کہ اہل مدینہ میں شاید ہی کوئی ہو جس نے ان سے نہ پڑھا ہو، سخاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مختلف فنون سے واقف امام ہیں، بحیثیت مجموعی، انکی نظیر نہیں تھی،

سمہودی کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی،

حافظ شمس الدین سخاوی

ابو الخیر محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے، فقہ و عربیت، قرأت و حدیث اور تاریخ میں بڑے فائق تھے، انھوں نے جتنی کتابیں پڑھی اور اساتذہ سے سُنی ہیں، ان کا شمار مشکل ہے،

اساتذہ میں حافظ ابن حجر کے ساتھ ان کو بڑا خصوصی تعلق تھا، مدتوں ان سے وابستہ رہے، انھوں نے حافظ سے ان کی تصنیفات کا اکثر حصہ سُنا اور انکو حاصل کیا، حافظ سے ایسی چیزیں بھی ان کو حاصل ہوئیں جن میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے،

ابن حجر نے ان کے باب میں فرمایا تھا کہ وہ میری جماعت میں سب سے ممتاز ہیں، ان کے شیوخ کی تعداد چار سو سے زائد ہے، صحیح بخاری کی سند ان کو ایک سو بیس سے زائد محدثوں سے حاصل تھی، ان کے پاس ایک ایسی سند بھی تھی، جس میں ان کے اور حضرت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف دس واسطے تھے،

جب تک ابن حجر زندہ رہے، ان سے استفادہ کے شوق اور علم کی حرص میں حج کیلئے بھی نہیں نکلے، ان کی وفات کے بعد اپنے والدین کے ساتھ حج کو گئے تو دریا کے سفر میں طوبینوع

اور جدہ میں حدیثیں سنیں، اوائل شعبان میں مکہ پہونچے، اور حج تک قیام کیا، اس درمیان میں مختلف محدثین سے مختلف مقامات مثلاً غار ثور کی بلندی، کوہ حرا، جعرانہ، منیٰ اور مسجد خیف نیز مکہ کے مشاہد ماثورہ میں حدیثوں کی سماعت کی، حتیٰ کہ خانۂ کعبہ کے اندر، اور حطیم میں سماع حدیث کا شرف حاصل کیا،

پھر سنہ ۸۷۰ھ میں دوبارہ حج کیا، اس سفر میں ان کے والدین کے علاوہ بڑے بھائی اور ان کے عیال بھی ساتھ تھے، اس موقع پر بھی مسجد حرام اور طائف میں حدیثیں سنیں،

تیسری دفعہ سنہ ۸۸۵ھ میں حج کو گئے اور سنہ ۸۸۶ھ و ۸۸۷ھ میں وہیں رہے، اس دفعہ تین ماہ مدینہ منورہ میں بھی ان کا قیام رہا،

چوتھی دفعہ سنہ ۸۹۲ھ میں گئے اور سنہ ۸۹۳ھ و ۸۹۴ھ وہیں گذارا،

پانچویں بار سنہ ۸۹۶ھ میں یہ سعادت حاصل ہوئی۔ اور اثناء سنہ ۸۹۸ھ تک مکہ میں مقیم رہکر مدینہ منورہ چلے گئے، وہاں چند مہینے رہے اور روزے وہیں رکھے، پھر شوال سنہ ۸۹۸ھ میں مکہ واپس آکر ایک زمانہ تک رہے، آخر میں مدینہ جاکر مقیم ہوئے اور وہیں پیوند خاک ہوئے،

حافظ سخاوی نے اپنے مسموعات کے ساتھ اپنی تالیفات کی پوری تفصیل "الضوء اللامع" میں دی ہے، اور اسی کے ساتھ اس عہد کے اکابر علماء نے جن اونچے الفاظ میں ان کا تعارف کرایا ہے اس کو بھی شرح وبسط میں ذکر کیا ہے،

کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تالیفات پر از معلومات اور بہت مفید ہیں، بالخصوص "الضوء اللامع" جو نویں صدی کے رجال علم کی مبسوط تاریخ ہے، مفید معلومات سے لبریز ہے، الایہ کہ معاصرین کے حق میں ان کا قلم محتاط نہیں ہے، حالانکہ اسی کتاب میں بقاعی، سیوطی، اور دیمی اور بعض دوسرے مصنفین کا جگہ جگہ انھوں نے شکوہ کیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے معاصرین پر بہت جرح و قدح کی ہے، اور سخاوی نے اس پر بہت برافروختگی کا اظہار کیا ہے،

سخاوی کا یہ شکوہ بالکل بجا ہے، مگر اس کے پیش نظر خود انکی تحریر کا اس عیب سے پاک رہنا

نہایت ضروری تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی معاصر اس بلاء میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا
اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہ،

الضوء اللامع کے علاوہ اصول حدیث میں انکی کتاب فتح المغیث اور زبان زد حدیثوں کے بیان میں المقاصد الحسنۃ بھی بہت نافع ہے، یہ تینوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں، اور خوشی کی بات ہے موخر الذکر کتابوں کی اشاعت میں اولیت کا شرف ہندوستان کو حاصل ہے،

حافظ سخاوی کی وفات ۹۰۲ھ میں ہوئی،

سیدی علی ابن میمون

بلاد مغرب کے رہنے والے تھے، آپ کا شمار اکابر اولیاء میں ہے، اجلۂ علماء نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور سلوک کی منزلیں طے کی ہیں، مثلاً مفتی حنفیہ محمد بن رمضان اور مفتی شافعیہ عبد الرحمٰن حموی اور سیدی محمد بن عراق وغیرھم،

بلاد مغرب سے پہلے بیروت آئے، سیدی محمد بن عراق سے پہلی ملاقات وہیں ہوئی، اس کے بعد قاہرہ آئے اور وہاں سے حج کو گئے، حج سے واپسی کے بعد شام میں کچھ دنوں قیام کیا اور بہتوں کی تربیت فرمائی، پھر بروسا میں متوطن ہوئے، آخر میں دوبارہ شام آئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی،

آپ سخت متبع سنت تھے، فرماتے تھے کہ اگر سلطان بایزید خاں بھی میرے پاس آئے گا تو اس کے ساتھ بھی سنت ہی کے مطابق معاملہ کروں گا، آپ سے جو ملنے آتا تھا، اس کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، نہ لوگ ان کے لئے کھڑے ہوتے تھے،

کوئی عالم ان کے پاس آتا تھا تو اسکی تعظیم کے لئے بکری کی ایک کھال بچھا دیتے تھے، وہ بڑے حق گو تھے، کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے، بہت غصہ ور تھے، مریدوں کی کوئی نازیبا حرکت دیکھتے تو ڈنڈے سے مارتے تھے، بادشاہوں اور حکام کا کوئی ہدیہ نہیں لیتے

تھے، نہ کوئی منصب قبول فرماتے تھے، اس کے باوجود روزانہ اپنے پاس سے بیس مریدوں کو کھانا دیتے تھے،

سیدی محمد بن عراق کا بیان ہے کہ سیدی علی بن میمون خرقہ پہننے اور پہنانے کے قائل نہیں تھے، اسی طرح وہ چلہ میں بٹھانے کے بھی قائل نہیں تھے،

سیدی علی بن میمون کا حال غزی نے الکواکب السائرہ میں تفصیل سے لکھا ہے ۹۱۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے،

سیدی محمد بن عراق

آپ کی ولادت ۸۷۸ھ میں ہوئی، آپ جرکسی امراء کی اولاد میں تھے، پہلے سپاہیانہ وضع میں رہتے تھے اور بڑے صاحب دولت وحشمت تھے، پھر سب چھوڑ چھاڑ کر سیدی علی بن میمون کے دامن سے لپٹ گئے،

قصہ یہ ہوا کہ ایک دن شیخ ابراہیم ناجی وعظ کہہ کر واپس آرہے تھے کہ ان سے راستہ میں ملاقات ہوگئی، یہ گھوڑے سے اتر پڑے اور شیخ کو سلام کیا، شیخ نے پوچھا یہ کون آدمی ہیں لوگوں نے کہا یہ فلاں ہیں، شیخ نے مرحبا کہا، اور ان کے والد کے لئے دعائے رحمت کی، محمد بن عراق نے درخواست کی کہ میں جس غفلت اور بکھیڑے میں ہوں دعا کیجئے اللہ مجھے اس سے نجات دے، شیخ نے فرمایا کہ جہاں ہمارا وعظ ہوا کرتا ہے وہاں آیا کرو اور ہمارے یہاں آمد ورفت رکھو انشاء اللہ فائدہ ہوگا،

محمد بن عراق فرماتے ہیں کہ میرے دل میں انکی محبت گھر کر گئی اور رات بہت بے چینی سے کٹی، صبح کو فجر کی نماز میں نے سیدی ابوبکر موصلی کی خانقاہ میں پڑھی، جہاں شیخ کا وعظ ہوتا تھا اور وعظ میں شریک ہوا، اس کے بعد برکت کا ظہور شروع ہوگیا، میں کھیل کود اور بہت سی فضولیات سے تائب ہوگیا۔ اور تجارت وزراعت کا مشغلہ اختیار کر لیا،

محمد بن عراق برابر انکی خدمت میں ملتزم ہوتے رہے تاآنکہ تصوف کا خرقہ ان کے ہاتھوں سے پہنا۔ اور فقہ و حدیث و تفسیر کی تحصیل بھی ان سے کی، ان کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی ان فنون کو اور ان کے سوا دوسرے علوم کو حاصل کیا،

جب شیخ ابراہیم ناجی کی وفات ہوگئی تو وہ سحر کے وقت اور نمازوں کے بعد دعا کیا کرتے تھے کہ کوئی دوسرا مرشد مل جائے، چنانچہ ان کے بعد ان کو سیدی علی بن میمون کی صحبت نصیب ہوئی، جن کے ہاتھ پر ان کی تکمیل ہوئی،

پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ سیدی علی بن میمون سے پہلی ملاقات سیدی محمد بن عراق کی بیروت میں ہوئی، اس کے بعد وہ حج کیلئے چلے گئے تھے، اس درمیان میں سیدی محمد بن عراق ۹۰۵ھ میں مصر گئے اور وہاں شیخ الاسلام زکریا اور علامہ سیوطی وغیرہما سے انکی ملاقات ہوئی، اس کے بعد جب وطن لوٹے تو والدہ سے اجازت لیکر حج کیا، ۹۱۱ھ میں سیدی علی بن میمون ٹرکی سے حماۃ آئے تو سیدی محمد بن عراق کو خط بھیج کر بلایا، آپ گئے اور چار ماہ دس دن وہاں رہے، پھر سیدی علی بن میمون کے حکم سے بیروت آکر، مریدین کی تربیت فرمانے لگے، کچھ دنوں کے بعد سیدی علی بن میمون کے حکم سے دمشق آئے اور سیدی علی بن میمون بھی حماۃ سے دمشق آگئے، پھر جب سیدی علی بن میمون مجد المعوش منتقل ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ منتقل ہوئے، وہیں سیدی علی بن میمون کی وفات ہوئی،

ان کی وفات کے بعد بیروت میں مکان اور فقراء کے لئے رباط بنواکر رہنے لگے، پھر اہل دمشق کے اصرار سے آپ دمشق آئے، یہاں جمعرات کا دن مریدوں کی تادیب کے لئے اور جمعہ کا دن تجوید سکھانے کے لئے اور ہفتہ کا دن درس حدیث و فقہ کے لئے مقرر فرمایا،

آخر آخر میں صفد تشریف لے گئے اور وہیں متوطن ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ گھرگوگوں نے لکھا کہ ۱۶۔ شوال کو شام کا نائب سفر حج کا ارادہ رکھتا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ یہ قافلہ آپ کی ماتحتی و نگرانی میں روانہ ہو، آپ نے جواب میں لکھا کہ میں کسی قافلہ کی سرپرستی نہیں کرسکتا جبتک

کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو،

جب یہ خط دمشق پہونچا تو وہاں سے جواب آیا کہ آپ تشریف نہ لائیں گے تو اندیشہ ہے کہ اکثر لوگوں کا حج خراب ہوگا، اس لئے استخارہ فرمائیے اور جلد جواب دیجئے،

اس خط کے بعد آپ آمادہ ہوگئے، اور کہلا بھیجا کہ میں فلاں مقام میں ملوں گا، اور اپنے گھر والوں کو بھی اجازت دیدی کہ دمشقی قافلہ کے ساتھ وہ لوگ حج کے لئے روانہ ہوجائیں،

چنانچہ آپ مقام موعود میں اس قافلہ کے ساتھ ہوگئے، اور آپ کی برکت سے قافلہ کی روانگی سنت کے مطابق ہوئی، یعنی اونٹوں کے گلے سے گھنٹیاں نکال ڈالی گئیں، اس کے سوا دوسری جو بدعتیں حجاج کے قافلہ میں اسوقت رائج تھیں، یک قلم موقوف کر دی گئیں، کہا جاتا ہے کہ سیدی محمد بن عراق نے یہ سفر پیادہ پا کیا تھا،

یہ ۹۲۴ھ کا واقعہ ہے، اس وقت سے آپ مدینہ پاک میں متوطن ہوگئے، وہاں سے آپ نے بار بار حج کیا اور حرمین میں آپ کی آمد ورفت برابر جاری رہی،

کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں، ان میں تنزیہ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ بہترین کتاب ہے، جس کے قلمی نسخے ہندوستان وغیرہ میں پائے جاتے ہیں[۱]

۹۳۴ھ میں آپ نے مکہ معظمہ میں وفات پائی، اور جنۃ المعلیٰ کے دروازہ پر آپ مدفون ہوئے، آپ کے جنازہ میں شریف مکہ ابو نمی بن برکات بھی شریک تھے،

امام السلطان ابن الکرکی حنفی

ابراہیم بن عبدالرحمٰن نام تھا، قرآن کریم کے علاوہ، اربعین نووی، شاطبیہ، قدوری اور الفیہ کے حافظ تھے، حافظ ابن حجر، شیخ ابن الہمام، سعدالدین دیری اور تقی الدین شمنی وغیرہم کے شاگرد تھے، مصر میں قضاء کے عہدہ پر تھے، مگر یہ عہدہ بقول سخاوی ان کے رتبہ سے فروتر تھا، اس لئے کہ بڑے بڑے افاضل اور قضاۃ ان سے استفادہ کے لئے انکی خدمت میں حاضر

[۱] اب مصر میں طبع ہوگئی ہے۔ [۲] المتوفی ۹۹۰ھ شذرات

ہوتے تھے، سلطان قایتبای کے ساتھ ان کو بڑی خصوصیت حاصل تھی، سفر وحضر میں ان کو ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا، ایک بار اس کے سامنے انھوں نے اپنے مرنے کی تمنا ظاہر کی، تو سلطان بے چین ہوگیا، اور کہا کہ میری آرزو ہے کہ میں آپ کے سامنے مروں تاکہ آپ مجھ پر قرآن پڑھیں اور میری قبر کی زیارت کریں اور مجھکو اس سے نفع پہونچے،

ابن الکرکی نے تصنیف وتالیف، روایت وتحدیث، درس وافتاء، اور خطبہ و وعظ ہر قسم کی علمی خدمت انجام دی ہے، نہایت ذکی، فصیح وبلیغ، اور خوش تقریر وخوش مذاق تھے آپ نے تین حج کئے تھے، اور اہل حرمین نے آپ سے اور آپ نے اہل حرمین سے علمی استفادہ کیا، سنہ ۹۲۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی، سخاوی نے ان کا حال بہت تفصیل سے لکھاہے، اور بہت زیادہ مدح وثنا کی ہے، علماء واکابر کے ساتھ ان کے حسن سلوک کی، نیز بادشاہ اور امراء کی نگاہوں میں ان کی عظمت وجلالت کے بہت سے واقعات لکھے ہیں،

عارف باللہ سید احمد بخاری

پہلے خواجہ عبید اللہ احرار کی صحبت میں تھے، پھر خواجہ کے حکم سے شیخ الٰہی کی صحبت اختیار کی اور اہل وعیال کو چھوڑ کر ان کے ساتھ بلاد روم (ٹرکی) چلے گئے، شیخ الٰہی ان کا بہت احترام کرتے تھے، فرماتے تھے کہ سید احمد نے ہمارے ساتھ ۲۰ سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے،

سید احمد سے دریافت کیا گیا کہ اس مدت میں آپ سوتے کب تھے؟ تو فرمایا کہ صبح کو شیخ الٰہی کا خچر اور گدھا لیکر لکڑی چننے کے لئے میں پہاڑ پر چڑھ جاتا تھا، اور کچھ دیر انکو چرنے کے لئے چھوڑ دیتا تھا، اور کسی پہاڑ کے سہارے ٹیک لگا کر سو جایا کرتا تھا،

سید احمد نے شیخ الٰہی سے ساز وسامان لئے بغیر محض متوکلانہ حج کی اجازت چاہی، شیخ نے ان کو ایک گدھا سواری کے لئے اور دس درہم عنایت فرمائے، اس کے علاوہ انھوں

نے شیخ کے دسترخوان سے ایک روٹی، اور ایک قرآن پاک اور مثنوی مولانا روم کا ایک نسخہ یا اور چل کھڑے ہوئے، راستہ میں قرآن پاک کسی نے چرالیا، اور مثنوی سو درم میں بیچ ڈالی، بس اتنے ہی میں انھوں نے حج کیا، اس کے باوجود وہ بہت کشادگی سے خرچ کرتے تھے،

مکہ مکرمہ میں تقریباً ایک سال تک مقیم رہے، اور مدت اقامت میں انھوں نے نذر مانی تھی، کہ روزانہ سات طواف اور سات سعی کریں گے، رات کو بھی یا تو طواف کرتے رہتے تھے، یا کوئی دوسری عبادت، یا تھک جاتے تو ذرا استاتے تھے، مگر سوتے نہ تھے،

سلوک میں ان کا طریقہ، عزیمت کو اختیار کرنا، سنت پر عمل کرنا، بدعت سے احتراز کرنا کم ملنا جلنا، فاقہ، خاموشی، شب بیداری اختیار کرنا، روزے رکھنا، اور ذکر خفی پر مداومت کرنا تھا، ان کی وفات ۹۲۲ھ میں ہوئی،

حافظ قطب الدین قسطلانی شارح بخاری

احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی ۸۵۱ھ میں پیدا ہوئے، فن قرأت میں امام تھے، فقہ و حدیث میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، وعظ گوئی میں بے مثل تھے، ان کی زبان و قلم میں برکت تھی، سخاوی سے انکی بعض تالیفات سنی تھیں، انکی شرح بخاری بقول صاحب النور السافر سب شرحوں سے جامع اور بہتر ہے، مواہب اللدنیہ بھی سیرت محمدیہ میں بے نظیر، پُرتاثیر، اور بہت نافع ہے، کہتے ہیں کہ حافظ سیوطی کو ان سے شکایت تھی کہ وہ اپنی کتابوں میں میری تصنیفات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور میرا حوالہ نہیں دیتے،

قسطلانی کو یہ معلوم ہوا تو قاہرہ سے روضہ تک جہاں سیوطی رہتے تھے، پیدل چل کر معذرت کے لئے گئے، دروازہ پر دستک دی تو سیوطی نے پوچھا کون؟ انھوں نے کہا میں قسطلانی ہوں، میں ننگے پاؤں ننگے سر حاضر ہوا ہوں، تاکہ آپ کا دل میری جانب سے صاف ہو جائے، سیوطی نے اندر ہی سے جواب دیا کہ میرا دل صاف ہوگیا، مگر دروازہ نہیں کھولا، نہ ملاقات کی،

سخاوی کا بیان ہے کہ انھوں نے متعدد حج کئے تھے، ۸۸۳ھ میں سال بھر مکہ میں رہے، پھر ۸۹۲ھ سے ۸۹۴ھ تک تین سال مسلسل مکہ میں اقامت پذیر رہے، اس کے بعد ۸۹۷ھ میں حنیفہ کے بھائی کے ساتھ حج کے لئے آئے،

قسطلانی کی وفات ۹۲۳ھ میں ہوئی،

فاطمہ بنت یوسف تادنی حلبی

نہایت نیکوکار و پرہیزگار خاتون تھیں، محدث برہان الدین سے حدیثیں سنی تھیں، انھوں نے دو حج کئے، حلب آکر عمدہ زنانہ پوشاکوں سے بلکہ دنیا سے ان کا دل پھر گیا، بیت المقدس کی زیارت کے بعد تیسرا حج کیا، اور مکہ میں ۹۲۵ھ میں وفات پائی،

امیر ابن اجا محدث حنفی

محمود بن محمد نام تھا، ممالک اسلامیہ کے کاتب اسرار تھے، نہایت غالی رتبہ امیر تھے، ۸۵۴ھ میں ولادت ہوئی، قاہرہ میں ۸۸۳ھ تک تعلیم پائی، ۸۹۰ھ میں حلب کے قاضی مقرر ہوئے، ۹۰۰ھ میں حج کیا، حج سے واپسی کے بعد سلطان غوری نے ان کو قاہرہ بلاکر ۹۰۶ھ میں کاتب سر (اپنے پرائیوٹ سکریٹری) کا عہدہ سپرد کیا، غوری کے عہد حکومت میں ۹۲۰ھ میں بھی حج کی سعادت حاصل کی،

اس موقع پر مکہ کے مشہور و فائق محدث جاراللہ بن فہد نے، بیس شیوخ کی روایت سے بیس حدیثوں کی تخریج ان کے لئے کی اور اس کا نام تحقیق الرجا لعلو المقر أجا رکھا، قاہرہ واپس ہونے کے بعد مدتوں مریض رہے، سلطان غوری انکی عیادت و زیارت کے لئے ان کے گھر آیا، غوری کے انتقال کے بعد سلطان طومان بائے نے بھی سابق عہدہ پر ان کو برقرار رکھا، اس کے بعد جب سلطان سلیم خاں (ترکی) قاہرہ آیا تو اس نے بھی وہ عہدہ ان کو تفویض

کرنا چاہا مگر انھوں نے بڑھاپے اور ضعف کا عذر کیا،

سلطان سلیم نے حلب میں سکونت اختیار کرنیکی ان سے درخواست کی، اسکو انھوں نے قبول کیا اور سلطان کے ساتھ وہ قاہرہ سے حلب آئے اور مرتے دم تک وہیں رہے،

لوگوں نے انکی مدح میں نہایت عمدہ عمدہ قصیدے لکھے ہیں، عائشہ باعونیہ نے بھی ایک زوردار قصیدہ انکی مدح میں لکھاہے، ۹۲۵ھ میں وفات پائی،

علامہ عبدالحق سنباطی

آپ ابن الہمام اور سعد دیری وغیرھما کے شاگرد تھے، حافظ ابن حجر وعلامہ عینی نے انکو درس وافتاء کی اجازت دی تھی، جامع ازہر میں بھی انھوں نے درس دیا تھا،

ایک بار اپنے والد کے ساتھ حج کیا، پھر دوبارہ حج کیا تو مکہ ومدینہ دونوں جگہ قیام کر کے دونوں مسجدوں میں طلبہ کو بہت سے متون کی تعلیم دی، پھر قاہرہ آکر درس وافتاء میں مشغول ہو گئے، آخر آخر میں اپنے تمام متعلقین کو لیکر صرف اس لئے مکہ چلے گئے، کہ انکو مکہ، یا مدینہ میں مرنا نصیب ہو،

اس بہانہ سے حجاز کے طلبہ کو بہت نفع پہونچا، اور کئی پشتوں نے ان سے علم حاصل کیا، مکہ میں ۹۳۱ھ میں انکی وفات ہوئی، اس سفر میں ان کے لڑکے احمد بھی ساتھ تھے، وہ حرم میں وعظ کہا کرتے تھے، اس کے بعد جامع ازہر میں یہ خدمت انھوں نے انجام دی،

شعرانی کا بیان ہے، اتنا بڑا مجمع کسی دوسرے کے وعظ میں میں نے نہیں دیکھا، احمد کی وفات ۹۵۰ھ میں ہوئی،

علامہ علاءُالدین رحومی حنفی

ٹرکی کے باشندہ تھے، علی بن احمد نام تھا، سلطان بایزید خاں سریر آرائے سلطنت ہوا،

تو اس نے ایک دن انکو خواب میں دیکھا، اسکو عقیدت ہوگئی، اور اس نے انکو بلوایا مگر وہ نہیں آئے تو کسی مدرسہ میں مدرس مقرر کر دیا، مدتوں درس دینے کے بعد وہ حج کی نیت سے نکلے اور مصر آکر ایک سال وہاں قیام کیا، پھر حج کر کے روم (ترکی) لوٹے، تو بایزید خاں نے ان کو افتاء کا منصب سپرد کیا، اور سو درم روزانہ ان کے لئے مقرر کیا،

اس کے بعد جب بایزید نے قسطنطنیہ میں اپنا مدرسہ تعمیر کرایا، تو اسکو بھی ان کے حوالہ کر کے ان کے وظیفہ میں پچاس درہم روزانہ کا اضافہ کر دیا،

آپ شب و روز تلاوت وعبادت اور تدریس وافتاء میں مصروف رہتے تھے، کسی کو برائی سے یاد نہیں کرتے تھے، دروازہ بند کر کے ہمیشہ ایک بالاخانہ پر رہتے تھے، بالاخانہ کے دروازہ سے سوالات ڈال دیئے جاتے تھے اور وہ جواب لکھ کر لٹکا دیتے تھے،

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے باب میں ان کے یہاں امیر وغریب میں کوئی تفریق نہیں تھی، ایک بار سلطان سلیم (ترکی) نے سرکاری دفاتر کے ڈیڑھ سو ملازموں اور افسروں کے قتل کا حکم صادر کر دیا، جب ان کو خبر ہوئی تو خلاف دستور انھوں نے دربار شاہی کا رخ کیا،

مفتی حضرات دربار میں نہیں جایا کرتے تھے، جب دربانوں اور دوسرے لوگوں نے انکو دیکھا تو سخت متحیر ہوئے، پوچھا آپ نے کیسے تکلیف کی، فرمایا میں سلطان سے ملنا چاہتا ہوں، اطلاع کرائی گئی، سلطان نے انکو تنہا بلایا، جب سلطان کے پاس پہونچے تو سلام کر کے بیٹھ گئے، پھر فرمایا کہ مفتیوں کا فرض ہے کہ وہ سلطان کی عافیت کا پورا پورا لحاظ رکھیں،

میں نے سنا ہے کہ آپ نے ڈیڑھ سو ملازمین سرکار کے قتل کا حکم نافذ فرما دیا ہے، جن کا قتل شرعاً جائز نہیں ہے، سلیم بہت تُند مزاج تھا اس نے کہا آپ حکومت کے معاملہ میں دخل نہ دیجئے، یہ آپ کا کام نہیں ہے، آپ نے فرمایا میں تو آپ کی آخرت وعاقبت کے معاملہ میں دخل دے رہا ہوں، اور یہ میرے فرائض میں داخل ہے، آپ اگر انکو معاف فرما دیں گے تو آپ کی نجات ہے، ورنہ بڑے عذاب میں گرفتار ہوں گے،

یہ سنکر سلطان کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور سب کی جاں بخشی کر دی، اس کے بعد تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد سلطان سے کہا کہ ان لوگوں کے سابق منصب بھی ان کو عطا فرما دیجئے، سلطان نے اسکو بھی قبول کرلیا،

آپ کی وفات ۹۳۲ھ میں ہوئی،

مبارک بن عبداللہ حبشی دمشقی

آپ بڑے باخدا بزرگ تھے، آپ کے مرید بکثرت تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے باب میں نہایت سخت تھے، کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، شراب بندی کے سلسلہ میں ٹرکی حکومت کے عمال سے کئی بار ٹکر لی،

آپ اپنے مریدوں کو لیکر ناکوں پر بیٹھ جاتے تھے، اور جب شراب لانے والے شراب لئے ہوئے گذرتے تو مشکوں کو پھاڑ کر شراب بہا دیتے، اسکی خبر حکام کو پہونچی تو آپکے چند مرید کو گرفتار کرکے لے گئے، شیخ مبارک چھڑانے کے لئے گئے تو ان کو بھی گرفتار کرلیا گیا

جب قاضی ابن عجلون کی سفارش سے رہا ہوئے تو شیخ کے باقی ماندہ مریدوں نے ہلہ بول کر جیلخانہ کا دروازہ توڑ دیا اور ان کے مریدوں کو نکال لائے، حکومت کو طیش آیا اور تقریباً ستر مریدوں کو حکومت نے قتل کرا دیا،

شیخ مبارک اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کو گئے، مکہ پہونچے، تو پیسہ چک گیا اور فاقے ہونے لگے، شیخ نے ایک مرید سے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بازار لے چلو، اور مجھے بیچ کر جو قیمت وصول ہو اسکو باقی لوگوں پر خرچ کرو، اس نے ایسا ہی کیا، شیخ کو کسی عجمی تاجر نے خریدا تھا، پھر اس نے آپ کو آزاد کر دیا،

آپ کی وفات ۹۴۴ھ میں ہوئی، دمشق میں مدفون ہوئے،

سراج الدین عبادی

آپ کا نام عمر تھا، بڑے جید عالم تھے، زہد و تقویٰ اور عبادت گذاری میں بڑے ممتاز تھے مجاب الدعوات بھی تھے، آپ نے قواعد زرکشی کی شرح لکھی ہے جو دو جلدوں میں ہے،

آپ حج کے بعد جب زیارت نبوی کے لئے مدینہ حاضر ہوئے تو رات کے وقت جب لوگ سو رہے تھے، حجرۂ نبوی کا دروازہ از خود کھل گیا، آپ اندر گئے، جب زیارت کر کے باہر آئے تو دروازہ آپ سے آپ مقفل ہو گیا،

آپ کی وفات ۹۴۷ھ میں ہوئی،

شیخ عبد اللطیف جامی

آپ محدث و مفسر، اور شیخ طریقت تھے، اپنے مریدوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے، پہلے قسطنطنیہ گئے، سلطان سلیمان خان کا زمانہ تھا، اس نے اور امراء دولت نے آپ کا بڑا اکرام کیا، سلطان کو آپ نے ذکر کی تلقین بھی فرمائی، اس کے بعد حلب و دمشق آئے، اور غالباً ۹۳۹ھ میں آپ نے حج کیا، ۹۶۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی،

امام ابوالحسن بکری صوفی و محدث

آپ کا نام علی بن محمد تھا، شیخ الاسلام قاضی ذکریا کے شاگرد تھے، علوم شریعت، فقہ و حدیث و تفسیر میں متبحر تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، علم تصوف میں ان کے استاذ شیخ رضی الدین غزی تھے، امام شعرانی کا بیان ہے کہ وہ مصر کے پہلے عالم ہیں، جنھوں نے مصر سے محفہ (پالکی) میں سفر حج کیا، ان کے بعد اوروں نے بھی کیا،

شعرانی فرماتے ہیں کہ ایک بار سفر حج میں، میں بھی ان کے ساتھ تھا، میں نے ان سے زیادہ وسیع اخلاق کا انسان نہیں دیکھا، نہ ان سے زیادہ صدقہ دینے والا دیکھا، خواہ علانیہ ہو یا چھپا کر، عموماً دن

کو وہ کسی کو کچھ نہ دیتے تھے، اکثر رات میں صدقہ دیتے تھے، ان کی کم سنی کے باوجود عوام و خواص کا ان کی طرف بڑا مرجوعہ تھا، لوگ ان کو قطب قرار دیتے تھے،

قاہرہ میں ان کی وفات ۹۵۲ھ میں ہوئی،

ناچیز کہتا ہے کہ شیخ علی متقی ہندی بھی ابو الحسن بکری کے درس حدیث میں شریک ہوئے ہیں، اور انکی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں، شیخ ابو الحسن نے جب علی متقی کی کنز العمال کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ للسیوطی منۃ علی العلمین وللمتقی منۃ علیہ (سیوطی کا احسان سارے لوگوں پر، اور سیوطی پر علی متقی کا احسان ہے) متقی کے علاوہ، ملا علی قاری، اور شیخ ابن حجر مکی وغیرہ بھی ابو الحسن بکری کے تلامذہ میں ہیں،

سید قطب الدین صفوی ایجی

عیسیٰ بن محمد نام تھا، ۹۰۰ھ میں پیدا ہوئے، گجرات میں شیخ ابو الفضل کازرانی کی خدمت میں مختصر و مطول وغیرہ پڑھکر اجازت حاصل کی، پھر وہیں ابو الفضل استرابادی کے پاس متعدد اسباق کی سماعت کی، اس کے بعد دلی گئے اور علماء کی مجلسوں میں شریک ہوئے، اور بحث و مذاکرہ ہوا، تو ان کا کمال ظاہر ہوا،

ابراہیم بن سکندر شاہ نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی، اس کے بعد انھوں نے حج کیا، اور چند سال مکہ میں اقامت کی، مدینہ حاضر ہوئے تو وہاں شیخ احمد بن موسے شیشنی کی صحبت اختیار کی، انھوں نے آپ کے سر پر دستار باندھی اور اجازت دی، اسکے بعد دمشق و حلب اور ٹرکی کی سیر و سیاحت کر کے قاہرہ میں مقیم ہوئے، اور وہیں ۹۵۳ھ میں وفات پائی،

شذرات میں ہے کہ وہ زمانہ کے عجائب میں تھے، وہ سید معین الدین ایجی صاحب تفسیر معینی کے والد تھے،

شیخ ابن حجر مکی

آپ کا نام احمد بن محمد تھا، اقلیم مصر کے محلہ ابی الھیثم میں ۹۰۹ھ میں پیدا ہوئے، ۹۲۴ھ میں جامع ازہر میں داخل ہوئے، شیخ الاسلام زکریا انصاری، عبد الحق سنباطی اور ابو الحسن بکری وغیرہم سے علوم وفنون حاصل کئے، بیس برس سے کم ہی کی عمر میں انکو اساتذہ نے درس و افتاء کی اجازت دیدی، اواخر ۹۳۳ھ میں مکہ آئے، اور حج کر کے مجاور حرم ہو گئے، چند دنوں کے بعد مصر واپس آئے اور ۹۳۷ھ میں اہل وعیال کو ساتھ لیکر حج کیا، پھر ۹۴۰ھ میں حج کو آئے تو اس وقت سے مستقل مکہ میں سکونت اختیار کر کے مجاور حرم ہو گئے، اور اطمینان کے ساتھ درس وفتویٰ کے علاوہ تالیف وتصنیف میں مشغول ہوئے،

انکی تصنیفات میں صواعق محرقہ، الزواجر، تطہیر الجنان وغیرہ چھپ چکی ہیں، ان کے شاگردوں کی تعداد بیشمار ہے، اس دور میں انکی شاگردی پر فخر کیا جاتا تھا، وہ شیخ الاسلام خاتمۃ العلماء، اور امام الحرمین کے اونچے القاب سے یاد کئے جاتے تھے،

ان کے شاگردوں میں علی متقی، ملا علی قاری، اور ہندوستان کے شیخ الاسلام ملا عبد النبی بھی ہیں، انھوں نے ۹۷۳ھ میں وفات پائی، مکہ میں ان کا مزار ہے،

شیخ عبد الوہاب شعرانی

وہ عالم باعمل، زاہد وفقیہ، محدث واصولی، اور صوفی ومربی تھے، ۹۱۱ھ میں مصر آکر بڑی جانفشانی سے علوم وفنون میں مہارت پیدا کی، محدثین کی خدمت میں رہکر علم حدیث میں بھی کمال پیدا کیا، پھر سلوک کی طرف میلان پیدا ہوا اور نہایت سخت سخت مجاہدے کئے، برسوں ان کا معمول تھا کہ نہ دن کو لیٹتے تھے نہ رات کو مسلسل کئی کئی دن روزے رکھتے، اور گدڑی پہنتے تھے، عشا کے بعد ذکر کی مجلس شروع کرتے تھے تو صبح ہی کو ختم کرتے تھے، اس طرح انکی روحانیت بہت قوی ہو گئی تھی،

مشائخ طریقت میں علی خواص، مرصفی، اور شناوی کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے، اس کے بعد تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے، انکی متعدد تالیفات چھپ چکی ہیں،

وہ نہایت پابند سنت، اور سخت پرہیز گار تھے، محتاجوں اور فاقہ مستوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے، لوگوں کی اذیتیں برداشت کرتے تھے، انکی خانقاہ میں تقریباً سو اندھے اور معذور جمع ہوگئے تھے، سب کو کھانا کپڑا دیتے تھے، بہت باہیبت وحرمت تھے، امراء ان کے دروازہ پر حاضری دیتے تھے، ان کی خانقاہ سے شب وروز شہد کی مکھیوں کی آواز کی سی آواز آتی رہتی تھی،

ان کا مقولہ تھا، کہ شریعت جدھرے چلے ادھر چلو، کشف کے ساتھ نہ چلو، کشف غلط بھی ہوتا ہے، اور فرماتے تھے کہ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ بکثرت کرو،

امام شعرانی نے متعدد حج کئے ہیں، سب سے پہلا حج انھوں نے ۹۱۵ھ میں کیا، پھر ۹۴۷ھ میں بھی اپنے حج کا ذکر انھوں نے کیا ہے، اس سفر میں شیخ علی متقی سے ان کو شرف ملاقات حاصل ہوا ہے، پھر ۹۵۳ھ میں بھی یہ سعادت انکو ملی ہے، ایک حج میں وہ شیخ ابوالحسن بکری کے ہمسفر تھے،

وہ حج کے لئے جاتے تھے تو مکہ ومدینہ میں بزرگان دین کی صحبت میں رہنے کا اہتمام کرتے تھے، اپنی کتابوں میں جگہ جگہ انھوں نے حج کے ضمن میں بزرگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا ذکر کیا ہے،

شیخ شعرانی کی وفات ۹۷۳ھ میں ہوئی،

خطیب شربینی

محمد بن محمد نام تھا، آپ کا شمار علمائے کبار میں ہے، آپ سے بیشمار لوگوں نے نفع اٹھایا ہے، اہل مصر کا ان کے صلاح وتقویٰ پر اجماع تھا، سب لوگ ان کے علم، زہد وتقویٰ اور کثرت

عبادت کے مدّاح تھے،

انکی عادت تھی کہ ابتدائے رمضان سے جامع مسجد میں اعتکاف شروع کرتے تھے، تو عید کی نماز کے بعد ہی نکلتے تھے، جب حج کرتے تھے تو جب تک خوب تھک نہ جاتے تھے سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے، اور مصر سے روانہ ہو کر جب برکۃ الحاج سے آگے بڑھتے تو وہاں سے راستہ بھر اہل قافلہ کو مناسک حج اور آداب سفر سکھاتے اور نماز کی ترغیب دیتے، اور قصر نماز وغیرہ کی تعلیم دیتے، راستہ میں قرآن کی تلاوت بھی بہت کرتے تھے، جب مکہ میں ہوتے تو کثرت سے طواف کرتے، اسی کے ساتھ روزے بھی رکھتے تھے، سفر میں بھی اکثر روزہ رکھتے، نیز کھانے پینے آرام و راحت میں اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، ان کو گمنامی پسند تھی،

مختصر یہ کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، ۹۷۷ھ میں انکی وفات ہوئی

مولف کہتا ہے کہ مدت ہوئی نول کشور پریس سے تفسیر کی ایک کتاب السراج المنیر شائع ہوئی ہے، اس کے مؤلف بھی خطیب شربینی ہیں، مگر کتاب کے آخر میں ان کا نام محمد بن احمد چھپا ہے، اس لئے تحقیق طلب ہے کہ وہاں غلطی ہوئی ہے۔ یا شذرات الذہب میں سہو ہوا ہے، یا دونوں کی شخصیتیں جدا جدا ہیں، السراج المنیر کی تالیف سے ۹۶۸ھ میں فراغت ہوئی ہے اس لئے زمانہ تو وہی ہے جو ہمارے خطیب شربینی کا ہے،

استاذ اعظم محمد بن ابی الحسن بکری

آپ مشہور محدث و شیخ طریقت ابو الحسن بکری کے صاحبزادہ تھے، قاضی زکریا اور اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد تھے، ان کو درس واملا میں حیرت انگیز کمال تھا، انکی تقریر سننے والوں کو صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان کا علم کسبی نہیں، وہبی ہے،

انکی تقریر نہایت صحیح و فصیح ہوتی تھی کبھی کوئی غلطی نہیں پکڑی جا سکی، اپنے زمانہ میں وہ بے مثال عالم تھے، ان کا معمول تھا کہ ہر دوسرے سال حج کیا کرتے تھے، انکی وفات قاہرہ میں ۹۹۳ھ میں ہوئی،

شیخ احمد بن محمد نہروالی

آپ کا لقب علاء الدین تھا، ۸۷۰ھ میں پیدا ہوئے، نہروالہ (گجرات) میں تحصیل کرنے کے بعد حجاز کا سفر کیا، اور وہیں اقامت کرلی،

مکہ میں عبدالعزیز نجم الدین عمر سے حدیث کی سند حاصل کی، نہایت صالح و متقی بزرگ تھے، ان کے لڑکے قطب الدین نہروالی مفتی و مورخ مکہ کا بیان ہے کہ جب تک ہمارے والد کی بینائی قائم تھی اس وقت تک ان کا برابر یہ معمول تھا کہ دسویں ذی الحجہ کو کنکری مارنے کے بعد فوراً مکہ آکر حطیم میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے، اور مغرب کی نماز کے وقت تک برابر طواف کرنے والوں کو دیکھا کرتے تھے، مغرب کے بعد طواف زیارت کر کے سعی کرتے، اس کے بعد منیٰ روانہ ہوجاتے،

فرماتے تھے کہ لازمی طور پر ہر سال اولیاء اللہ حج کو آتے ہوں گے، اور وہ حضرات افضل ہی پر عمل کرتے ہوں گے، یعنی دسویں ہی کو طواف کرتے ہوں گے اس لئے میں منیٰ سے جلد چلا آتا ہوں اور حطیم میں بیٹھ کر طواف کرنیوالوں کو اس امید میں دیکھتا رہتا ہوں کہ شاید کسی ولی پر میری نگاہ یا اسکی نگاہ مجھ پر پڑجائے اور اسکی برکت مجھے حاصل ہو،

مفتی قطب الدین کہتے ہیں کہ پھر جب انکی بینائی جاتی رہی تو ہم لوگ ان کو لیجا کر حطیم میں بٹھا دیتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ میں نہیں دیکھ سکتا تو شاید انھیں کی نگاہ مجھ پر پڑ جائے، اور برکت حاصل ہو — کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمے با کنند

شیخ کی وفات مکہ میں ۹۴۹ھ میں ہوئی　　(نزہتہ)

حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ احمد نہروالی نے ۸۹۵ھ میں حج کیا اور مجاورت (مکہ کی اقامت) اختیار کی، انھوں نے مجھ سے بخاری و مسلم و شفائے قاضی عیاض اور دوسری کئی کتابیں پڑھیں، میں نے انکو بہت لمبی سند لکھ کر دی، شیخ احمد سند لیکر

ہندوستان چلے آئے تھے اس کے بعد پھر مکہ گئے تو وہیں کے ہو رہے،

شیخ قطب الدین نہروالی مفتی مکہ

آپ کا نام محمد بن احمد تھا، شیخ احمد نہروالی کے صاحبزادہ تھے، ۹۱۷ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد سے تحصیل علم کے بعد مکہ گئے، اور وہاں محب الدین احمد نویری اور محدث یمن عبدالرحمن ابن الدیبع سے حدیثوں کی سماعت کی، ۹۴۳ھ میں مصر جاکر علم حاصل کیا، قاضی شوکانی نے البدر الطالع میں انکی بڑی مدح سرائی کی ہے، لکھا ہے کہ وہ اشراف و حکام مکہ کی طرف سے انشاء لکھا کرتے تھے، ترکوں میں انکی بڑی قدر و منزلت تھی، ترکی حکومت کے امراء و اکابر میں سے جو کوئی حج کے لئے آتا تھا اسکو یہی طواف کرایا کرتے تھے، ان کے سوا کسی کو وہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے، ترکی لوگ بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے تھے، یہ ان رقموں سے عمدہ عمدہ قیمتی کتابیں خریدتے تھے، اور ضرورتمندوں کو دیتے تھے،

ان کو سیر و تفریح کا بھی بہت شوق تھا، طائف بہت جاتے تھے اور اپنے ساتھ علماء ادباء کی ایک جماعت کو بھی لیجاتے تھے، اور سب کے مصارف خود برداشت کرتے تھے،

احمد شاہ گجراتی نے جو مدرسہ مکہ میں قائم کیا تھا اس کے متولی یہی تھے، دوبار قسطنطنیہ گئے، دوسری مرتبہ ۹۶۵ھ میں وہاں گئے تو سلطان سلیمان خاں نے ان کو خلعت شاہانہ عطا کی، سلیمان خاں نے مکہ میں سلیمانیہ نام کے چار مدرسے چاروں مذہبوں کے لئے قائم کئے تو مدرسہ حنفیہ سلیمانیہ کو ان کے حوالہ کیا، اور پچاس عثمانی یومیہ ان کا وظیفہ مقرر کیا،

سلطان مراد خاں نے انکو مفتی مکہ کا عہدہ سپرد کیا، اور یومیہ پچاس عثمانی اس نے بھی وظیفہ مقرر کیا، نیز حرم کا خطیب بھی انھیں کو نامزد کیا، اور خطابت کے صلہ میں یومیہ مزید چالیس عثمانی مقرر ہوئی، پھر سلطان مراد خاں نے صفا پر مدرسہ عثمانیہ قائم کیا، اور اسمیں تدریس کا عہدہ ان کو سپرد ہوا تو پھر یومیہ پچاس عثمانی کا وظیفہ مقرر ہوا

حاصل یہ کہ حکومت ٹرکی میں ان کا بڑا اعزاز تھا، سلطان مراد ان کی باتوں کو رد نہ کرتا تھا، ــــ ان کی بہترین تصنیف الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ہے جو مصر میں طبع ہو چکی ہے،

ترکوں نے جب یمن فتح کیا، تو ایک کتاب البرق الیمانی فی الفتح العثمانی بھی انھوں نے لکھی ہے۔ صاحب شذرات الذہب نے مفتی قطب الدین کو الامام العلامہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے،

مفتی صاحب کی وفات مکہ میں ۹۹۰ھ میں ہوئی

شیخ علم الدین حاجی

آپ تارک الدنیا، اور علائق سے مجرد تھے، اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، جب مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوتے تو ایک ہانسی ایک تیشہ ساتھ لے لیتے اور راستہ میں جنگل کی لکڑیاں اور گھاس کاٹ کر فروخت کر کر کے کھاتے، کسی سے بھیک نہ مانگتے، نہ نذر قبول کرتے، اپنے کو بزرگ ظاہر نہیں کرتے، عوام کی طرح رہتے سہتے تھے،

ملا محمد نارنولی کا بیان ہے کہ میرے دادا، اور شیخ صدر الدین کھردلی اور شیخ علم الدین، ایک ساتھ حج کے لئے نکلے، جب سمندر کے ساحل پر پہونچے تو جہاز والوں نے تفتیش شروع کی کہ کوئی اپنے ایسے خویش و قریب کو چھوڑ کر تو نہیں آیا ہے، جو اسکی خدمت کا محتاج ہو، کوئی ایسا ہو تو جا کر اس کی خدمت کرے،

شیخ علم الدین اپنی کمر سے ہانسی اور تیشہ باندھے ہوئے تھے، انکو ہلا کر کہا کہ میرے خویش و اقارب بس یہی ہیں، جہاز والے مسکرائے اور ان کو کشتی میں بٹھالیا۔ باقی دو حضرات واپس چلے آئے،

آپ کا مزار شہر نارنول کے باہر ہے (اخبار الاخیار)

شیخ حاجی عبد الوہاب بخاری

آپ سید جلال بزرگ کی اولاد میں تھے، بڑے بزرگ اور علم و عمل میں ممتاز تھے، ایک دن ملتان میں اپنے استاد و خسر سید صدرالدین بخاری کی خدمت میں حاضر تھے کہ سید نے فرمایا کہ دنیا میں اب بھی خدائے تعالیٰ کی ایسی دو نعمتیں موجود ہیں جو تمام نعمتوں سے بالاتر ہیں، مگر لوگ انکی قدر نہیں پہچانتے، ایک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک جو بصفت حیات مدینہ منورہ میں موجود ہے، دوسرے قرآن پاک جو بعینہٖ حق تعالیٰ کا کلام ہے، —— حاجی عبد الوہاب اس نکتہ کو سنتے ہی اٹھے، اور پیر سے زیارت مدینہ کی رخصت حاصل کرکے خشکی کے راستہ سے روانہ ہوگئے اور یہ سعادت عظمیٰ حاصل کرکے وطن لوٹے،

سکندر لودھی کے زمانہ میں وہ ملتان سے دہلی آئے، سلطان سکندر کو ان سے اعتقاد پیدا ہوا اور ان کی تعظیم و تکریم میں اس نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا،

حاجی عبد الوہاب دوسری بار دہلی سے حرمین کی زیارت کے لئے گئے اور یہ سعادت مکرر حاصل کی۔ شیخ کی وفات دہلی میں ۹۳۲ھ میں ہوئی،

شیخ عبد النبی گنگوہی

شیخ عبد القدوس گنگوہی کے پوتے تھے، جوانی میں حرمین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، شیخ عبد الحق فرماتے ہیں کہ بعض فقہائے مکہ کے پاس کچھ حدیث نبوی پڑھی۔ بعض فقہاء کے مراد ابن حجر مکی ہیں، جیسا کہ دوسرے تذکروں میں اسکی تصریح موجود ہے،

حج سے واپسی کے بعد اباحت سماع کے مسئلہ میں ان کا اپنے والد شیخ رکن الدین سے اختلاف ہوگیا، جس سے انکی بڑی شہرت ہوئی، اس زمانہ میں اکبر کو ایک صدر کی تلاش تھی، جو علم و دیانت کے ساتھ متصف ہو،

چنانچہ ۹۷۱ھ میں انکو مسند صدارت تفویض ہوئی، اور حد سے زیادہ جاہ و جلال

اور رسوخ و اعتبار انکو حاصل ہوا۔ اکبر ان کا بیحد معتقد تھا، حدیث سننے کے لئے خود ان کے گھر پر آتا تھا، اور انکی جوتیاں سیدھی کرتا تھا، ــــ مگر چند برسوں کے بعد زمانہ نے کروٹ بدلی، اور بادشاہ کا مزاج ان سے برہم ہوگیا،

اکبر کے مزاج کو ان سے برہم کرنے میں ابوالفضل اور فیضی کا ہاتھ تھا، چنانچہ ان کے معاصر مورخ بدایونی نے لکھا ہے کہ ایک شخص جو شرعاً گردن زدنی تھا، اس کے قتل کا حکم صادر کرنے پر ان لوگوں نے اکبر کو شیخ عبدالنبی سے برگشتہ کر دیا، تاآنکہ سنہ ۹۸۶ھ میں انکو صدارت سے معزول کر کے مولانا عبداللہ سلطانپوری مخدوم الملک کے ساتھ مکہ روانہ کر دیا،

مکہ سے واپسی کے بعد مخدوم الملک تو گجرات پہونچ کر سنہ ۹۹۱ھ میں انتقال کر گئے، اور شیخ عبدالنبی دہلی آئے اور جیلخانہ بھیجدیئے گئے، جیلخانہ ہی میں سنہ ۹۹۲ھ میں انکی وفات ہوئی،

شیخ عبدالنبی نے کئی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں، ازانجملہ سنن الہدیٰ انکی بہترین تصنیف ہے جو شیخ عبدالحق کے مطالعہ میں بھی رہی ہے، اسی طرح انکی ایک کتاب وظائف النبی بھی اچھی کتاب ہے،

افسوس ہے کہ انہیں سے ابتک کوئی طبع نہیں ہوئی، مولانا عبدالحیٔ رائے بریلوی نے شیخ عبدالنبی کی حمایت سنت اور مخالفت بدعت کی تعریف کی ہے (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج۴ صفحہ ۲۲)

شیخ جمالی

ان کا اصل نام جلال خان تھا، جمالی ان کا تخلص ہے، مولانا سماء الدین دہلوی کے مرید تھے، انھوں نے سیاحت بہت کی تھی، حرمین شریفین کی زیارت سے بھی بہرہ اندوز ہوئے، علامہ دوانی اور مولانا جامی کی زیارت بھی کی تھی۔ شاعری میں کمال حاصل تھا، نعت میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے، اور بعض صلحاء نے خواب میں دیکھا تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

شیخ جمالی کی وفات ۹۴۲ھ میں ہوئی، ان کے بڑے بیٹے شیخ گدائی نے بھی اہل وعیال سمیت زیارت حرمین کی سعادت حاصل کی تھی، ان کی وفات ۹۷۶ھ میں ہوئی،

سیّد رفیع الدّین صفوی

حسبی ونسبی فضائل سے آراستہ تھے، ان کے آباء واجداد عالم وصالح ومتقی تھے، میر معین الدین صفوی صاحب تفسیر معینی ان کے اجداد میں تھے،

سید رفیع الدین بڑے اونچے درجہ کے عالم و محدث تھے، معقولات میں دوانی کے شاگرد تھے۔ دوانی چونکہ ان کے خاندان کے شاگرد تھے، اس لئے اُن کے گھر آکر اُن کو پڑھاتے تھے، سید رفیع الدین حدیث میں حافظ سخاوی کے شاگرد تھے،

کہاجاتا ہے کہ شیخ سخاوی نے قبل اس کے کہ سید رفیع الدین انکی خدمت میں پہونچیں پچاس سے زائد کتابوں کی سند لکھ کر ان کے پاس بھیج دی تھی، اس کے بعد وہ حاضر خدمت ہوئے اور ایک مدت مدید تک ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور مشافتہً ان سے حدیثیں سُنیں۔ سید رفیع الدین شیراز میں پیدا ہوئے، اور سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں گجرات ہوتے ہوئے دہلی آئے، سلطان ان کا بہت گرویدہ ہوا، پھر اسکی اجازت سے انھوں نے آگرہ میں سکونت اختیار کی، مزار بھی وہیں ہے، ۹۵۴ھ میں انکی وفات ہوئی،

میر سیّد عبد الاوّل جونپوری

تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر تھے، ان کا خاندانی وطن زید پور تھا، انکی پیدائش دکن میں ہوئی اور وہیں تحصیل علم سے فارغ ہو کر نام پیدا کیا، پھر گجرات آئے، اور وہاں سے حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے، وہاں سے لوٹ کر احمد آباد آئے، آخر میں خانخانان محمد

بیرم خاں (جو بقول محدث دہلوی درویشوں کی محبت اور علماء و فضلاء کی تربیت و قدر و منزلت میں دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا) کے اصرار سے دہلی آئے اور دو برس زندہ رہکر ۹۶۸ھ میں رگزلی عالم آخرت ہوئے، آپ کی یادگار بخاری کی ایک شرح ہے جس کا نام فیض الباری" ہے، سیرت پر فارسی زبان میں آپ کا ایک مختصر رسالہ بھی میں نے دیکھا ہے،

حضرت شیخ علی متقی صاحب کنز العمال

علی بن حسام الدین نام تھا، آبائی وطن جونپور ہے، آپ کی پیدائش برہان پور کی ہے، والد نے سات ہی آٹھ سال کی عمر میں آپ کو شاہ باجن چشتی برہانپوری کے ہاتھ پر بیعت کرادی تھی۔ چند دنوں کے بعد باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور کوئی سرپرست نہ ہونے کے سبب لڑکپن لہو ولعب میں گذرا، جوانی کے قریب پہونچے تو کسی بادشاہ کی معیت میں مندو (مانڈو۔ مالوہ) آئے اور کچھ دنیا ہاتھ لگی، مگر یک بیک ایک غیبی کشش سے ان کا دل دنیا سے سرد ہو گیا اس لئے دنیا کو لات مار کر، شاہ باجن کے لڑکے اور جانشین شیخ عبد الحکیم کی صحبت اختیار کی، اور ان کے ہاتھ سے مشائخ چشت کا خرقہ خلافت زیب تن کیا

چونکہ عزیمت و تقویٰ ان کے خمیر میں تھا، اس لئے ملتان پہونچ کر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں ورع و تقویٰ کی منزلیں طے کیں، ساتھ ہی ساتھ دو سال میں تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا مطالعہ بھی انکی خدمت میں کیا، اس کے بعد توفیق نے یاوری کی اور حجاز پہونچے، حجاز میں شیخ ابوالحسن بکری (جو بالاجماع اپنے زمانہ کے اولیاء میں تھے) کی صحبت اور شاگردی اختیار کی، ان کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی استفادہ کیا،

شیخ نے مستقل طور پر مکہ میں اقامت اختیار کر لی، اور بقول محدث دہلوی اپنے عبادت و مجاہدہ کے انوار سے عالم کو منور کیا، اور آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے ساری دنیا مستفید ہوئی۔ طلبہ کی تعلیم، مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف کی راہ سے علم اور دین کی عظیم الشان

خدمتیں انجام دیں،

کنز العمال ان کا اتنا بڑا علمی کارنامہ ہے کہ ان کے استاد شیخ ابوالحسن بکری فرمایا کرتے تھے، کہ سیوطی کا احسان سارے عالم پر ہے، مگر سیوطی پر متقی کا احسان ہے کہ انکی کتاب کو مرتب کرکے استفادہ آسان کردیا،

شیخ ابن حجر مکی بھی آپ کے استاد تھے، اور اپنے زمانہ میں مکہ کے سب سے بڑے عالم و فقیہ تھے، وہ باوجود استاد ہونے کے، علی متقی کی حدیث فہمی وجودت استنباط کے اس درجہ قائل تھے کہ کسی حدیث کی مراد سمجھنے میں انکو دقت ہوتی تو اپنا آدمی بھیج کر علی متقی سے دریافت کراتے تھے کہ اس حدیث کو آپ نے کنز العمال کے کس باب میں رکھا ہے، پھر اس قرینہ سے حدیث کی مراد سمجھنے کی کوشش کرتے تھے،

شیخ ابن حجر سے ابتداءً شیخ علی متقی نے پڑھا تھا، مگر بعد میں شیخ ابن حجر علی الاعلان اپنے کو ان کا حقیقی شاگرد کہتے تھے، بلکہ آخر میں ان کے مرید ہو کر ان کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت بھی پہنا، مکہ کے دوسرے علماء کبار بھی حدیث دانی میں انکی نکتہ رسی، ودقیقہ سنجی کے قائل اور بہت مداح تھے، مشائخ وقت ان کے کمال ولایت کے معترف تھے، اور خواص و عوام جس طرح مشائخ سلف کا نام لیا جاتا ہے، اس طرح تعظیم و تکریم سے ان کا نام لیتے تھے،

شیخ علی متقی کے تلمیذ ارشد اور خلیفۂ راستین شیخ عبدالوہاب متقی کا بیان ہے کہ شیخ جب ملتان سے روانہ ہو کر گجرات پہونچے تو اس وقت گجرات میں سلطان بہادر شاہ گجراتی کی حکومت تھی، سلطان آپ کے اوصاف وکمالات سنکر خواہشمند ہوا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو، آپ نے اسکو منظور نہیں فرمایا،

آپ کا اس وقت یہ حال تھا کہ جدھر جاتے تھے لوگ پروانہ وار آپ پر ٹوٹے پڑتے تھے، اور آپ حجرہ کا دروازہ بند کرکے یاد حق میں مشغول رہتے، کسی کو آنے نہیں دیتے تھے، اتفاق سے اسوقت قاضی عبداللہ سندی جو بڑے پرہیزگار اور نامی عالم تھے، سندے

ہجرت کرکے مدینہ منورہ جارہے تھے، راستہ میں کچھ دنوں کے لئے گجرات میں ٹھہر گئے تھے
قاضی صاحب شیخ علی متقی سے محبت وعقیدت کا نہایت قوی رابطہ رکھتے تھے، انھوں
نے جب دیکھا کہ سلطان بہادر کو حد سے زیادہ شوقِ ملاقات ہے، اور اسکی طلب صادق ہے تو
شیخ سے عرض کیا کہ سلطان کی درخواست کو منظور فرماکر ایکبار ملنے کی اجازت دیدی جائے،
آپ چاہیں تو اس سے بات بھی نہ کریں، ہم اسکو باتوں میں لگائے رہیں گے، آپنے فرمایا کہ یہ
کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نامشروع لباس پہنکر اور غیر شرعی وضع قطع میں آئے اور میں اسکو اس طرح
دیکھ کر خاموش رہوں، امر معروف ونہی عن المنکر نہ کروں،

قاضی صاحب نے کہا کہ حضرت جو چاہیں کہہ سکتے اور کر سکتے ہیں، سلطان کو تو صرف اسکی
تمنا ہے کہ ایکبار خدمت اقدس میں حاضری کا شرف اسکو حاصل ہوجائے، اس کے بعد آپ راضی
ہوئے، اور سلطان بہادر آیا، شیخ نے جو جو نصیحتیں مناسب اور ضروری سمجھیں سب کیں۔

دوسرے دن سلطان نے گجرات کا ایک کرور تنگہ (جو میرے خیال میں اسی ہزار روپے
سے زائد ہوتا ہے) نذرانہ بھجوایا۔ شیخ نے وہ سب اٹھاکر قاضی عبداللہ کو دیدیا اور فرمایا
کہ چونکہ اس رقم کے حصول کا واسطہ آپ بنے ہیں اس لئے اس کا تعلق آپ سے ہے،

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مکہ کے ایک وزیر نے آپکی دعوت کیلئے بڑا اصرار
کیا اور کہا کہ بندہ کے گھر تک قدم رنجہ فرمائیں تاکہ برکت ہو۔ فرمایا مجھے معذور تصور فرمائیں،
میں یہیں سے دعا کروں گا، خدا برکت دیگا، مگر وہ نہیں مانا، تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تین شرطوں
کے ساتھ منظور ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ میری جہاں خواہش ہوگی وہاں بیٹھوں گا۔ یہ اصرار نہ ہو
کہ صدر مقام میں تشریف رکھئے، دوسری یہ کہ مجھکو جو اچھا لگے گا وہ کھاؤں گا، یہ اصرار نہ ہو کہ
یہ نہیں وہ کھائیے، تیسری شرط یہ کہ جب ہمارا جی چاہے گا اٹھ کر چلے آئیں گے، کوئی یہ نہ کہے کہ
ذرا دیر اور تشریف رکھیں، وزیر نے سب شرطیں منظور کیں تو وعدہ فرمایا کہ کل آئیں گے،

دوسرے دن شیخ نے اپنے تھیلے میں جسکو وہ ہر وقت گلے میں لٹکائے رہتے تھے، روٹی کے

کچھ ٹکڑے رکھے اور تن تنہا وزیر کے گھر روانہ ہوگئے، وہاں پہونچ کر دیکھا تو اس نے ایک شاہانہ مجلس سجائی تھی۔ آپ اس مجلس میں دروازہ کے قریب بیٹھ گئے، اس نے کہا میاں تشریف رکھیے، فرمایا کہ یہ خلاف شرط ہے، وہ چپ ہوگیا، پھر فرمایا کہ جلدی کرو وقت تنگ ہے، اس نے جلدی سے دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے، آپ نے تھیلے سے روٹی نکالی اور اسی کو کھایا وہ بولا، ذرا اس کھانے کو بھی چکھ لیجیے، فرمایا ہم نے تو پہلے ہی شرط کرلی ہے کہ جو مزاج میں آئے گا کھائیں گے، اس کے خلاف اصرار نہ ہو، اس کے بعد اٹھے، اور سلام کرکے روانہ ہوگئے،

شیخ علی متقی فرماتے تھے کہ جو چیز حلال کمائی سے حاصل ہوئی ہو وہ کبھی ضائع نہ ہوگی، اگر گم بھی ہوگئی تو پھر ملجائیگی، اس پر اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ ایکبار ہم سمندر کے سفر میں کشتی پر سوار تھے، کہ طوفان آگیا، اور کشتی ٹوٹ گئی، ہم کئی آدمی ایک تختہ پر کئی دنوں کے بعد ساحل پر پہنچے اب ہم کو پیدل سفر کرنا پڑا، تو بہت سی کتابیں ساتھ تھیں، جن کو لیکر چلنا ممکن نہ تھا، طوفان میں کتابیں بھیگ بھی گئیں تھیں، ہم نے ان سب کتابوں کو عرب کے ریگستان میں دفن کردیا اور وہاں ایک علامت بنادی،

جب ہم پیدل چل کر مکہ معظمہ پہونچے، اور عمرہ کا طواف کرکے سعی سے فارغ ہوئے تو کئی بدو اپنے سروں پر گٹھریاں لادے ہوئے ہمارے سامنے آئے اور کہا یہ کتابیں ہیں، انکو ہم بیچنا چاہتے ہیں، ہم نے کھلوا کر دیکھا تو وہی ہماری کتابیں تھیں، ہم نے خاموشی سے ان کتابونکی قیمت بدوؤں کو دیدی اور کتابیں لے لیں،

کتابوں کے اوراق چپک کر سوکھ گئے تھے، انکو پھر پانی میں تر کرکے جدا جدا کیا، دیکھا تو ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا تھا،

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ آپ کا اکثر وقت علم دین کی خدمت اور اس کے نشر و افادہ اور اہل علم کی امداد و اعانت میں صرف ہوتا تھا، آپ اپنے ہاتھ سے سیاہی تیار کرکے کتابیں نقل کرنے کے لئے طالب علموں کو دیا کرتے تھے، اور جو جو کمیاب و مفید کتابیں عرب میں دستیاب

ہوتی تھیں، انکی کئی کئی نقلیں کراکے لوگوں کو دیا کرتے تھے، اور دوسرے ملکوں میں جہاں وہ ناپید تھیں بھجوایا کرتے تھے،

کھانا برائے نام کھاتے تھے، تھوڑا سا شوربا جس کی مقدار چند تولوں سے زیادہ نہیں ہوتی تھی اسی کے چند چمچے آپ لیتے تھے، اور باقی لوگوں کو تقسیم کردیتے تھے،

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ جوانی میں نفلیں بہت پڑھتے تھے، آخر عمر میں ذکر خفی، تفکر اور تصنیف علوم دین انکی عبادت تھی، پھر بھی بڑھاپے کی کمزوری، اور ضعف مثانہ کی وجہ سے رات میں دس بارہ دفعہ پیشاب کرنے کی ضرورت ہوتی تھی، اور ہر دفعہ وضو کرکے دو یا چار یا زیادہ رکعتیں نفل کی پڑھا کرتے تھے،

ابتدا میں جب قوت تھی تو کتابت ذریعہ معاش تھی، بعد میں بیواؤں سے قرض لیکر کام چلاتے تھے، اور جب کہیں سے فتوح حاصل ہوتی تو قرض ادا کردیتے تھے، کبھی کبھی اس نذرانہ کو بھی اپنے مصرف میں لاتے تھے، جس کی نسبت ظن غالب ہوتا تھا کہ یہ حلال کمائی کا ہے،

بزرگوں کا دھوم دھام سے عرس کرنے کے بجائے، یہ اندازہ لگاکر کہ کھانے میں کتنا خرچ ہوگا، اتنی رقم محتاجوں اور فقیروں کو خفیہ طریقہ سے دیدیتے تھے، اور فرماتے کہ کھانے کی مجلس ترتیب دینا، اور عوام کی بھیڑ جمع کرنا تکلف اور تشویش سے خالی نہیں ہے،

شیخ علی متقی سلطان محمود گجراتی صغیر کے عہد سلطنت میں دوبار مکہ سے گجرات آئے ہیں، بادشاہ اکثر وبیشتر آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا، مگر چونکہ نامشروع لباس اس کے جسم پر ہوتا تھا اسلئے آپ اسکی طرف آنکھ اٹھاکر نہیں دیکھتے تھے، اور قطعاً التفات نہیں فرماتے تھے، تاآنکہ ایک دن وہ صلحاء کا لباس پہنکر آیا، اُسدن آپ نے رضامندی کی نگاہ سے اس کو دیکھا۔

اُس نے موقع مناسب سمجھ کر درخواست کی کہ آج حضرت "فقیر" کے گھر تشریف لے چلیں، آپنے منظور فرمایا، تو سلطان محمود نے شیخ کے چوڈول کو خود کاندھا دیا اور اپنے گھر لایا،

آصفی نے لکھا ہے کہ ان کی اعلیٰ ترین منقبت یہ ہے کہ ان کے شاگرد و خلیفہ شیخ حسام الدین کو ایک دن خواب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تو انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اس وقت سب سے افضل کون ہے، فرمایا کہ تمھارے شیخ، پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا محمد بن طاہر ہندوستان میں،

شیخ عبدالحق کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے، شیخ کا بیان مولانا محمد طاہر کے حال میں آئے گا

یہ تذکرہ بہت طویل ہو گیا، پھر بھی ختم کرنے کو جی نہیں چاہتا، شیخ کے اجمالی حالات میں ان کے تلمیذ رشید شیخ حسام الدین متقی نے ایک رسالہ بنام اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی المتقی لکھا ہے، ایک اور رسالہ علامہ عبدالقادر بن احمد فاکہی نے بھی لکھا ہے جس کا نام القول النقی فی مناقب المتقی ہے، اس میں انکی سیرت اور ریاضت و مجاہدہ کا ذکر تفصیل سے ہے،

فاکہی نے لکھا ہے کہ ہمارے شیخ علی متقی سے اس زمانہ کے عرفاء اور علماء میں جو بھی ملا ہے، مثلاً شیخ ابوالحسن بکری، شیخ وجیہہ عمودی، ابن حجر مکی، شمس الدین رملی اور شمس الدین بکری سب نے انکی بیحد تعریف کی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی زاد المتقین[1] اور اخبار الاخیار میں آپ کے حالات کچھ شرح و بسط سے لکھے ہیں،

شیخ عبدالوہاب شعرانی جب ۹۴۷ھ میں حج کیلئے گئے ہیں تو اس سال انھوں نے شیخ علی کی ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا ہے، اور طبقات شعرانی میں بضمن اولیاء کرام آپ کا ذکر کیا ہے،

شعرانی فرماتے ہیں کہ میں بار بار ان کے پاس گیا ہوں، اور وہ بھی کئی دفعہ میری قیامگاہ پر آئے ہیں، وہ زاہد و متقی عالم تھے، بہت نحیف تھے، جسم پر گوشت برائے نام معلوم ہوتا تھا، اکثر خاموش اور گوشہ نشیں رہتے تھے، گھر سے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے نکلتے تھے، اور کہیں کنارے ہی پڑھکر جلدی سے گھر واپس ہو جاتے تھے، شعرانی فرماتے ہیں وہ مجھے اپنے گھر میں لے گئے تھے، میں نے انکی قیامگاہ کے آس پاس چند جھپروں میں سچے درویشوں کی ایک جماعت کو تلاوت یا ذکر یا مراقبہ یا مطالعہ میں مشغول پایا،

[1] اس کا قلمی نسخہ احقر کے پاس موجود ہے

فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ان کے جیسا کوئی دوسرا مجھکو نہیں بھایا۔ فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے چاندی کے دو چھوٹے سکے بھی یہ کہکر عنایت فرمائے کہ اس شہر میں معذرت کیساتھ یہ پیش کر رہا ہوں ــــ شعرانی کہتے ہیں کہ ان سکوں کی برکت سے مجھے خدا نے بڑی کشائش عطا فرمائی، اور میں نے اتنی زیادہ رقم وہاں خرچ کی جس کا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا،

حضرت شیخ علی متقی کی وفات ۹۷۵ھ میں ہوئی،

میاں محمد طاہر پٹنی

گجرات کے شہر پٹن کے رہنے والے تھے، قومیت کے لحاظ سے بوُرے تھے، ۹۱۳ھ میں پیدا ہوئے، بلوغ کی عمر سے پہلے قرآن پاک کے حافظ ہوئے، اس کے بعد پندرہ برس تک اپنے دیار کے علماء و اساتذہ کے پاس رہکر متعدد علوم وفنون میں مہارت پیدا کی، اس کے بعد ۹۴۴ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق میں گھر سے نکلے اور حج وزیارت سے فارغ ہو کر ایک مدت تک اس سرزمین میں قیام کیا،

شیخ ابوالحسن بکری، شیخ ابن حجر مکی، شیخ علی بن عراق، شیخ جاراللہ بن فہد، اور شیخ برخوردار سندی وغیرہم سے علم حدیث وغیرہ میں استفادہ کیا، خصوصیت کے ساتھ شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کی، اور مرید ہو کر استفادہ علم ظاہر کے ساتھ باطنی فیوض سے مالا مال ہوئے،

حجاز سے واپس آکر ان بدعات کا قلع قمع کیا جو انکی قوم میں رائج تھیں، اور اپنی قوم کی سُنّی جماعت اور بدعتی جماعت میں امتیاز پیدا کر دیا ــ آپنے علم حدیث میں کئی مفید کتابیں تالیف فرمائی ہیں، ان میں سب سے بہتر، اور اس فن کی دوسری بہت سی کتابوں سے فائق کتاب "مجمع البحار" ہے، وہ بظاہر لغت حدیث کی کتاب ہے مگر درحقیقت اسکو پوری صحاح ستہ کی شرح و توضیح کہنا چاہئے ــــ دوسری مفید کتاب "المغنی" ہے، جس میں راویوں کے ناموں اور نسبتوں کو ضبط کیا ہے،

یہ دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں، مگر اب دونوں کمیاب بلکہ تقریباً نایاب ہیں، ہندوستان کے اہل ہمت دخیر کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی اس بے نظیر علمی خدمت کی قدر کریں، اور از سر نو پورے اہتمام سے انکی تصحیح کرا کے شائع کریں۔ تاکہ ہر ملک کے اہل علم، اس گوہر گراں مایہ سے اپنے جیب و دامن بھر سکیں[1]

شیخ محمد طاہر نے اپنی کتابوں کے دیباچہ میں شیخ علی متقی کی بہت مدح وثنا کی ہے، ان کو ان کے شیخ نے وصیت کی تھی کہ طالب علموں کے واسطے سیاہی بنایا کریں، اس لئے ان کا معمول تھا کہ سبق پڑھانے کے وقت بھی سیاہی رگڑا کرتے تھے،

شیخ محمد طاہر نے عہد کیا تھا کہ جب تک مہدویت کے فتنہ سے گجرات پاک نہ ہوگا اسوقت تک وہ اپنے سر پر عمامہ نہ باندھیں گے، جب سنہ ۹۸۰ھ میں اکبر نے گجرات فتح کیا اور وہ شیخ سے ملا تو اس نے اپنے ہاتھ سے شیخ کے سر پر عمامہ باندھ دیا، اور کہا کہ دین کی مدد اور بدعتیوں کی سرکوبی کے ہم ذمہ دار ہیں،

چنانچہ اس نے مرزا عزیز کوکا کو گجرات کا گورنر مقرر کیا، اس نے شیخ کی حمایت کی اور شیخ نے جس قدر ہو سکا بدعات کا استیصال کیا، اس کے بعد مرزا عزیز کی معزولی کا پروانہ آگیا اور اسکی جگہ عبدالرحیم خانخاناں گورنر ہوا تو مہدویوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ اپنے گوشوں سے نکل پڑے،

شیخ نے یہ رنگ دیکھکر اپنا عمامہ اتار دیا اور اکبر سے ملنے کیلئے آگرہ روانہ ہوئے، شیخ کے تعاقب میں کچھ مہدوی بھی روانہ ہوئے، اور انھوں نے اجین کے قریب پہنچکر شیخ کو شہید کر ڈالا، یہ سنہ ۹۸۹ھ کا واقعہ ہے، شیخ کی نعش، پٹن لائی گئی، اور وہیں دفن کیگئی[2]

---

[1] بڑی خوشی کی بات ہے کہ مؤلف کے ہم وطن بعض حوصلہ مند تجار جن کا جدہ میں قیام ہے، اس کتاب کو ٹائپ میں چھپوا رہے ہیں، اس حقیر نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے، اور بڑی حد تک تصحیح بھی کی ہے ۱۲

[2] میں نے پٹن میں مولانا طاہر کے مزار کی زیارت کی ہے ۱۲

حضرت شیخ علی متقی کے ذکر میں، آپ شیخ حسام الدین متقی کا خواب پڑھ چکے ہیں، اس خواب کا ذکر شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی "اخبار الاخیار" میں کیا ہے ــــ اس کا مضمون یہ ہے کہ شیخ حسام الدین کا بیان ہے کہ مجھکو ایکبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں حاصل ہوئی میں نے سوال کیا کہ یَا رَسُولَ اللّٰہِ مَنْ اَفضلُ النَّاسِ فِی ھٰذَا الزَّمان (اس زمانہ میں سب سے افضل شخص کون ہے؟) فرمایا افضل النّاس میاں غیاث، ثم شیخک، ثم محمد طاھر (سب سے افضل میاں غیاث ہیں، پھر تمھارے پیر، پھر محمد طاہر)

اس خواب سے شیخ محمد طاہر کی عظمت کا اندازہ کیجئے، ــــ میاں محمد غیاث سورت کے قریب بھڑوچ کے رہنے والے ایک بزرگ تھے، بڑے عالم، و متقی اور متبع سنت تھے،

شیخ رحمت اللہ سندی

شیخ رحمت اللہ، قاضی عبداللہ سندی کے صاحبزادہ تھے، شیخ علی متقی کے ذکر میں ہم بتا چکے ہیں کہ قاضی عبداللہ سندھ سے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہوئے تو چند دنوں تک انھوں نے احمد آباد (گجرات) میں قیام کیا، اسی زمانہ میں حضرت شیخ علی متقی بھی حجاز کے ارادے سے گجرات پہونچے تھے، قاضی صاحب نے شیخ کی صحبت اختیار کر لی تھی، اور شیخ ہی کے طفیل میں قاضی صاحب کے مصارف سفر بلکہ قیام مدینہ کے مصارف کا بھی انتظام ہو گیا تھا،

اس سفر میں شیخ رحمت اللہ بھی ساتھ تھے، حجاز پہونچکر شیخ رحمت اللہ نے حضرت شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کی، اور انکی خدمت میں ظاہری و باطنی کمالات کا اکتساب کیا، مدینہ میں شیخ علی ابن عراق صاحب "تنزیہ الشریعۃ" سے حدیث کا علم حاصل کیا،

قاضی عبداللہ کے رفقائے سفر میں، ایک بزرگ شیخ عبداللہ تھے، انھوں نے شیخ علی متقی کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک کی منزلیں طے کی تھیں، شیخ علی متقی کے فیض صحبت سے یہ دونوں بزرگ (شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبداللہ) تقویٰ کے ایسے اونچے مقام پر پہونچ گئے تھے، کہ ترکی حکومت کے

حکام جو شیخ کے بیحد معتقد تھے، جب مکہ آتے تو شیخ اپنے اکثر مریدوں اور شاگردوں کے گذارے کے لئے وظیفے مقرر کرا دیتے تھے، مگر شیخ رحمت اللہ و شیخ عبد اللہ اور شیخ عبد الوہاب کے لئے وظیفہ قبول نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ وہ رقم شبہہ سے خالی نہیں ہوتی تھی،

یہ دونوں بزرگ مدتوں اس دیار پاک میں درس وعبادت میں مشغول رہے، تقریباً ۹۷۰ھ میں بعض مجبوریوں کی بنا پر احمد آباد آکر قیام کیا، آخر عمر میں مریض ہوئے، اور اسی حالت میں جہاز روانہ ہو گئے، مکہ معظمہ پہونچ کر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۹۹۴ھ میں ان کا انتقال ہو گیا،

خواجہ عبد الشہید عبید اللہی ان دونوں بزرگوں کی نسبت فرماتے تھے ان شیخین کو دیکھکر وہ شیخین (حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم) یاد آجاتے ہیں،

شیخ رحمت اللہ سندی نے مناسک حج میں دو رسالے لکھے ہیں، بڑے کا نام جمع المناسک و نفع الناسک ہے۔ اسی کو "المناسک الکبیر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کا بہترین قلمی نسخہ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانہ میں ناچیز نے دیکھا ہے، یہ کتاب ۱۲۸۹ھ میں قسطنطنیہ میں چھپ بھی چکی ہے، مطبوعہ نسخہ میرے پاس موجود ہے، جو مولانا عبد اللہ زمزمی مرحوم کا ہدیہ اور ان کی بے پایاں محبت کی ایک یادگار ہے، اس کے ساتھ شیخ احمد کشمخانوی کا رسالہ "جامع المناسک بھی طبع ہوا ہے،

شیخ رحمت اللہ نے "جمع المناسک" کو پھر مختصر کیا ہے، اور اس کا نام "لباب المناسک" رکھا ہے، اس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے، جس کا نام المسلک ہے، یہ شرح بھی طبع ہو چکی ہے،

(تنبیہ اوّل) ابن العماد حنبلی نے شذرات جلد ہشتم میں اس نام کے دو بزرگوں کا ذکر کیا ہے، ایک کا ذکر شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ کے عنوان سے ہے، اور سن وفات ۹۷۸ھ، دوسرے کا ذکر شیخ رحمت اللہ بن عبد اللہ کے عنوان سے ہے اور ان کا سن وفات ۹۹۳ھ بتایا ہے،

ہم یہاں جن کا ذکر کر رہے ہیں وہ یہی دوسرے بزرگ ہیں اور وہ حسب تصریح شیخ عبد الحق قاضی عبد اللہ سندی کے صاحبزادہ ہیں،

(تنبیہ دوم) شیخ عبد القادر عیدروس نے "جمع المناسک و نفع الناسک" کو شیخ عبد اللہ بن سعد اللہ

کی تصنیف قرار دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، جیسا کہ جمع المناسک کے دیباچہ سے ظاہر ہے،
"جمع المناسک" کے باب میں شیخ علی متقی فرمایا کرتے تھے کہ "در مناسک حج بے عدیل و بے نظیر واقع شدہ است" (زاد المتقین ص۲۵ قلمی)

سنہ ۹۰۰ھ سے سنہ ۱۰۰۱ھ تک

شیخ عبد الوہاب متقی

آپ کے والد بزرگوار شیخ ولی اللہ دیار مندو (مانڈو) کے اکابر و اعیان میں سے تھے، پھر حوادث زمانہ سے مجبور ہو کر برہان پور میں سکونت اختیار کی، یہاں بھی عزت و اکرام کے ساتھ رہے، شیخ عبد الوہاب ابھی بہت کم سن تھے کہ ان کے والدین کا انتقال ہو گیا، مگر توفیق الٰہی شامل حال تھی، اسی وقت سے حق کی طلب میں فقر و تجرد کی راہ اختیار کر کے سیر و سیاحت شروع کر دی، زیادہ تر گجرات اور اطراف دکن، نیز سیلون و سرندیپ میں سیاحی کرتے تھے، اکثر تین دن سے زیادہ کہیں قیام نہیں کرتے تھے، الّا یہ کہ کسی جگہ تحصیل علم یا مشائخ و صلحاء کی صحبت کا موقع ہاتھ آجاتا تو وہاں ضرورت کے مطابق طویل قیام کرتے تھے،

ابھی بیس سال کے بھی نہ تھے، اور ڈاڑھی بھی نہیں نکلی تھی کہ خوش بختی نے ان کو مکہ معظمہ پہونچا دیا، شیخ علی متقی اس وقت مکہ میں مقیم ہو چکے تھے، چونکہ شیخ ولی اللہ سے انکی جان پہچان تھی، اس لئے شیخ عبد الوہاب کے آنے کی خبر پا کر شیخ علی متقی خود ان کے پاس آئے اور بڑی عنایت و مہربانی فرمائی، یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ وہ ان کی صحبت و رفاقت میں رہیں،

چونکہ شیخ عبد الوہاب کا خط بہت پاکیزہ تھا اس لئے یہ بھی کہا کہ ہو سکے تو ہمارے لئے بھی کتابت کیا کرو، اس وقت شیخ عبد الوہاب نے مجردانہ بے نیازی کی بنا پر کہدیا کہ دیکھا جائیگا کہ قسمت میں کیا ہے؟ مگر حضرت شیخ علی متقی کے فضل و کمال اور انکی استقامت کا مشاہدہ ہوا تو بہت شوق سے حضرت کی صحبت اختیار کر لی، ان کے والد نے شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت بھی کی تھی،

شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کرنے کے بعد شیخ کے اشارہ سے انھوں نے خط نسخ کی مشق بہم پہونچائی اور شیخ کے لئے اتنی کتابیں نقل کیں اور اس قدر محنت سے کہ اس کا تصور دشوار ہے،

غرضیکہ شیخ کی پیروی وخدمت اور ان کو خوش رکھنے کی اتنی زیادہ کوشش کرتے تھے کہ ان کو فنا فی الشیخ کہنا درست تھا، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ شیخ نے بھی ان پر بہت خاص طور پر توجہ فرمائی اور اپنے ظاہری وباطنی عنایات کے ساتھ مخصوص فرمایا تا آنکہ وہ شیخ کے کمالات کا مثنیٰ بلکہ ہوبہو شیخ متقی، ہوگئے،

شیخ عبدالوہاب جمادی الاولیٰ ۹۶۳ھ میں حاضر خدمت ہوئے اور بارہ سال تک صحبت میں رہے، زندگی بھر وہ ان سے جدا نہیں ہوئے،

شیخ عبدالحق کا بیان ہے کہ ۱۰۰۳ھ تک شیخ عبدالوہاب نے چوالیس حج کئے تھے، پورے زمانہ قیام مکہ میں کبھی ان کا حج فوت نہیں ہوا۔ اپنے پیر کی وفات کے بعد صرف ایک دفعہ قرابتداری کا حق ادا کرنے کے لئے گجرات آئے تھے، مگر فوراً مکہ لوٹ گئے تاکہ حج فوت نہ ہو، ان کی کرامت ہی تھی کہ مکہ سے ہندوستان آنے میں کشتی ۱۵۔ دن میں آئی، اور جانے میں چالیس روز لگے، شیخ عبدالحق فرماتے ہیں، یہ دونوں باتیں بہت نادر الوقوع ہیں،

شیخ عبدالحق دہلوی غالباً دو سال ان کی خدمت میں رہے ہیں، اور علم ظاہر کی تحصیل کے ساتھ ساتھ باطنی تربیت کی سعادت بھی حاصل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہل حرمین اور تمام مشائخ یمن، اور مصر وشام کے مشائخ میں سے جن حضرات نے انکو دیکھا تھا سب انکی ولایت اور بزرگی کے معتقد تھے، فرماتے ہیں کہ میں "حزب البحر" نقل کر رہا تھا کہ مکہ کے ایک عالم شیخ علاء الدین نامی آگئے، پوچھا کیا لکھ رہے ہو؟ میں نے کہا "حزب البحر" نقل کر رہا ہوں، کشتی میں سوار ہونے کیوقت اسکو پڑھوں گا، پوچھا "حزب البحر" کی اجازت حاصل ہے؟ میں نے کہا شیخ عبدالوہاب متقی سے اجازت لونگا، پوچھا شیخ سے شناسائی ہے، عرض کیا میں دو سال سے انکی خدمت میں ہوں، فرمایا، مبارکباد تمہارا حج مبرور اور تمہارا عمل مقبول ہے، میں نے پوچھا، آپ نے یہ کیسے فرمایا، کہا میں نے یمن کا سفر کیا ہے

اور وہاں کے تمام مشائخ وفقراء کو شیخ کی مدح وثنا کرنے میں متفق پایا ہے، نیز سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ مکہ کے قطب ہیں،

شیخ عبدالوہاب نے چالیس سال کی عمر تک شادی نہیں کی تھی، جب چالیس سال کے درمیان عمر ہوئی تو شادی کی، شادی سے پہلے جو فتوح حاصل ہوتا تھا، یا کتابت سے جو ملتا تھا سب درویشوں اور فقراء پر صرف کر دیتے تھے کچھ بھی بچا کر نہیں رکھتے تھے، لیکن شادی کے بعد اہل و عیال کے حق کو مقدم رکھتے تھے، باایں ہمہ مسافروں کی خبر گیری اور فقراء کی غمخواری میں کوتاہی روا نہیں رکھتے تھے،

مکہ معظمہ میں انکی ذات ہندوستانی حجاج کی پشت پناہ تھی، کھانے کپڑے، اور نقد ہر چیز سے مدد کرتے تھے،

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں علوم شرعیہ کا ایسا عالم شاذ ونادر ہی کوئی ہوگا، قاموس تو گویا پوری ازبر تھی، فقہ وحدیث کا بھی یہی حال تھا،

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ایک بار جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ اگر وہاں جانے کی توفیق ہو تو پہاڑ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام ونزول فرمایا تھا اس جگہ سے غافل ومحروم نہ رہنا، پھر اس جگہ کی نشاندہی وتعیین فرما کر کہتے تھے کہ قسمت یاور ہو تو اس مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میسر ہے۔

ایک دفعہ ہم اس جگہ سو گئے تھے جب جب آنکھ جھپکتی تھی، حضور کا جمال جہاں آرا نظر میں ہوتا تھا، ایک دوپہر سے کم مدت میں سو بار سے زیادہ یہ سعادت حاصل ہوئی۔ شیخ عبدالوہاب اس عمرہ کے لئے بہت جاتے تھے، اور روزہ رکھے ہوئے ننگے پاؤں جاتے تھے، سنہ ۱۰۰۱ھ تک بقید حیات تھے، (جیسا کہ شیخ عبدالحق نے زاد المتقین میں لکھا ہے) نزہۃ الخواطر میں آپ کا سن وفات سنہ ۱۰۰۱ھ لکھا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

شیخ ابراہیم محدث اکبرآبادی

آپ کی ولادت ونشو ونما مانکپور میں ہوئی وہیں علم کی تحصیل بھی کی، اس کے بعد بغداد کا سفر کیا، وہاں ڈھائی سال تک حدیث وتفسیر پڑھتے رہے۔ پھر حج وزیارت کی سعادت حاصل کرکے مصر چلے گئے، اور وہاں شیخ شمس الدین علقمی سے حدیث کا علم حاصل کیا، اور محمد بن ابی الحسن بکری نے انکو اجازت عطا فرمائی، پھر مکہ معظمہ جاکر عبدالرحمن بن فہد اور شیخ مسعود مغربی، نیز شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے، ان سب حضرات نے ان کو اجازت عطا فرمائی، اس کے بعد دوبارہ مصر کا رخ کیا۔ اور وہاں چوبیس سال تک درس دیتے رہے، ہر سال موسم حج میں مکہ آتے اور حج کی سعادت حاصل کرکے مصر لوٹ جاتے،

آخر آخر میں وطن کی محبت غالب آئی اور ہندوستان آکر اکبرآباد میں سکونت پذیر ہوئے بدایونی نے لکھاہے کہ بڑے پرہیزگار وعبادت گذار تھے، ساری عمر علوم دین بالخصوص حدیث کا درس دینے میں صرف کی،

امر معروف ونہی منکر بھی کرتے تھے، ایکبار اکبر بادشا نے انکو عبادت خانہ میں بلایا تو وہ آداب بجا نہیں لائے، جو شاہی دربار میں مقرر تھے، پھر ایک خطبہ دیا جس میں خوب ترغیب وترہیب فرمائی، آپ فقہ وحدیث عربیت میں بڑے فائق عالم تھے، آپ کی وفات ۱۰۰۱ھ میں ہوئی،،

شیخ صبغۃ اللہ بروجی

آپ بھڑوچ میں پیدا ہوئے، شیخ وجیہہ الدین گجراتی سے علم حاصل کیا، اور انھیں کے ہاتھ پر بیعت کرکے سلوک کی منزلیں طے کیں، شیخ نے انکو اجازت وخلافت عطا فرمائی، ان کے علم وفضل، زہد وتقوی اور بے نیازی واستغنا کی بنا پر انکو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، امراء کے طبقہ میں بھی ان کی بڑی عظمت تھی،

پہلے ایک دفعہ سفر حجاز کیا اور حج کرکے بھڑوچ واپس ہو گئے، سنہ ۹۹۹ھ میں احمد آباد منتقل ہو گئے اور ایک مدت تک مقیم رہے، پھر دوبارہ زیارت نبوی کے شوق نے بے چین کیا تو احمد نگر آ کر برہان شاہ حاکم احمد نگر کے پاس ایک سال رہے، اس کے بعد حرمین کی نیت کرکے وہاں سے نکلے تو پانچ سال بیجا پور میں رہے، حاکم بیجا پور ابراہیم عادل شاہ نے اسباب سفر مہیا کئے، اور سارے مصارف کا انتظام کیا حتیٰ کہ اپنی ایک خاص کشتی بھی عنایت کی، شیخ اور ان کے سارے شاگرد و مرید اسمیں سوار ہو کر جدہ پھر مکہ پہونچے، اور سنہ ۱۰۰۵ھ میں حج کرکے مدینہ منورہ آئے اور جبل احد میں قیام کرکے طلبہ کو درس دینا اور مریدین کی تربیت فرمانا شروع کیا،

بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے ان سے نفع پایا سید امجد مرزا، شیخ اسعد بلخی، شیخ احمد بن علی شناوی، شیخ محمد بن عمر حضرمی، شیخ ابراہیم ہندی، ملا شیخ بن الیاس کردی اور شیخ عبد العظیم حنفی مکی ان کے جلیل القدر تلامذہ و مریدین میں ہیں،

محبی نے خلاصۃ الاثر میں اور غزی نے لطف السمر میں لکھا ہے، کہ شیخ صبغۃ اللہ نے نماز پنجگانہ جماعت کے ساتھ بالالتزام حجرہ نبوی کے مشرقی جھروکے کے پاس پڑھتے تھے، غزی کہتے ہیں کہ میں نے انکی زیارت وہیں کی اور دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ نہیں آپ دعا کیجئے، آپ حاجی ہیں، میں آمین کہتا ہوں، میں انکا حکم بجالایا، میں نے دعا کی اور وہ آمین کہتے رہے، غزی کہتے ہیں کہ انکی رنگت سفید، اور چہرہ روشن تھا، ان کے چہرہ سے عبادت کا نور اور علم کا دبدبہ ظاہر ہوتا تھا،

شیخ نہایت فیاض اور سخی تھے، دور دور سے ان کے پاس پورے سال ایک لاکھ قرش کی مقدار میں ہدایا آتے تھے، وہ سارے کا سارا فقراء پر صرف کر دیتے تھے، اپنے پاس کچھ باقی نہیں رکھتے تھے، شیخ کی وفات سنہ ۱۰۱۵ھ میں ہوئی، مزار بقیع الغرقد میں ہے،

شیخ (بابا) فتح محمد برہانپوری

شیخ عیسیٰ بن قاسم برہانپوری کے خلف ارشد تھے، بڑے متبحر عالم اور فقہ و حدیث میں ممتاز تھے

تصوف میں بھی ان کا پایہ بہت اونچا تھا، فقہ میں انکی کتاب مفتاح الصلوٰۃ بہت مشہور ومقبول اور نہایت عمدہ ہے، اس کے علاوہ ان کی کتابوں سے فتوح العقائد اور فتوح الاوراد اور فتح المذاہب الاربعہ کو میں نے جستہ جستہ پڑھا ہے،

وہ علم ظاہر وباطن دونوں میں اپنے والد بزرگوار کے فیض یافتہ ہیں، مدتوں برہانپور میں انکی بدولت درس وافادہ کی مجلس گرم رہی، بعد میں حجاز چلے گئے اور حج وزیارت کے بعد وہیں مقیم ہوگئے ـــــ ان کی وفات مکہ مبارکہ میں ہوئی،

شیخ محمد بن فضل اللہ جونپوری ثم برہانپوری

ولادت ونشو ونما برہان پور میں ہوئی، شیخ صفی الدین گجراتی کے ہاتھ سے خرقہ پہنا، پھر حجاز کا سفر کیا، اور وہاں بارہ برس رہے، شیخ علی متقی کی صحبت میں رہکر بڑا فیض حاصل کیا، اس کے بعد احمد آباد آکر نکاح کیا، اور شیخ وجیہ الدین گجراتی کی خدمت میں بارہ سال رہ کر علم حاصل کیا، سلوک کی منزلیں شیخ محمد بیرپوری اور شیخ ابو محمد بن خضر تمیمی کی خدمت میں طے کیں، اس کے بعد برہانپور میں مستقل قیام کر کے درس وافادہ میں مشغول ومنہمک ہوگئے،

محبی نے لکھا ہے کہ وہ امام عالم، زاہد وعابد اور متقی تھے، ہند میں انکو بڑی شہرت حاصل ہوئی اس باب میں ان کا ہمسر کم کوئی ہوگا، ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ دن کے آخری حصہ میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے، اللہ کا خوف ان پر بہت غالب تھا، وہ سادات صوفیہ میں سے تھے، وحدۃ الوجود کے زبردست حامی تھے،

اس مسئلہ میں ان کا رسالہ "التحفۃ المرسلۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" مشہور ہے۔ شاہ ولی اللہ کے استاذ شیخ طاہر کے والد ابراہیم کورانی نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے،

انکی وفات ۱۰۲۹ھ میں ہوئی، مزار برہانپور میں ہے، احقر نے انکی زیارت کی ہے،

ـــــ : ـــــ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح

محرم ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے، قرآن پاک سے لیکر مصباح و کافیہ تک خود ان کے والد شیخ سیف الدین نے تعلیم دی، پھر کسی دوسرے استاذ کے پاس بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھی، اور پندرہ سولہ سال کی عمر میں مختصر و مطول کا درس لیا، اور تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں بقدر کفایت تمام علوم نقلی و عقلی سے فارغ ہوگئے، اس کے بعد کلام پاک حفظ کیا، (خلیق احمد نظامی کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ شیخ نے ابتدائی زمانہ میں کلام پاک یاد کر لیا تھا) بیس برس کی عمر میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا، ۳۷ سال کی عمر میں بادیہ پیمائی حجاز کا شوق دامنگیر ہوا، اسی ارادہ سے ۹۹۵ھ کے شروع میں مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہونچے، تو معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گزر چکا ہے، اس لئے کچھ دن مرزا عزیز کوکہ حاکم مالوہ کے پاس قیام کیا، پھر مانڈو تشریف لیگئے، موقع سے فائدہ اٹھا کر محمد غوثی مصنف گلزار ابرار نے شیخ سے استفادہ کیا، پھر مانڈو سے احمد آباد تشریف لیگئے،

ان دنوں طبقات اکبری کے مصنف مرزا نظام الدین احمد صوبہ کے بخشی تھے، انھوں نے نہایت گرم جوشی سے شیخ کا استقبال کیا، اور اصرار کر کے آئندہ موسم حج تک اپنے پاس روکے رکھا، جب موسم قریب آگیا تو مرزا نظام الدین کے حُسن کوشش اور امداد و اعانت سے شیخ نے جہاز میں سوار ہو کر حجاز کا سفر کیا،

بدایونی نے لکھا ہے، کہ شیخ دہلی سے ایک جذب کی حالت میں بے ساز و سامان گجرات پہونچ گئے تھے،

شیخ موسم حج سے بہت پہلے مکہ معظمہ پہونچ گئے، چونکہ علم حدیث کا شوق بہت تھا اسلئے جاتے ہی مکہ کے بعض محدثین کی خدمت میں حاضری شروع کر دی، اس کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی کے علمی و عملی کمالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کے دامن سے لپٹ گئے،

رمضان آیا تو انھیں کے زیر نگرانی حرم شریف میں سنت اعتکاف بجالائے، بعد رمضان انھیں کے پاس مشکوٰۃ کی تصحیح اور اس کے مقابلہ میں مشغول رہے، جب حج کا موسم آیا تو شیخ عبد الوہاب ہی کی معیت میں تمام مناسک حج ادا کئے، عرفات، مزدلفہ ہر جگہ شرف معیت حاصل رہا، حج سے فراغت کے بعد جب مدینہ کا ارادہ کیا تو شیخ عبد الوہاب نے فرمایا کہ ہوا نہایت سرد ہے، اور تم کمزور بدن کے آدمی ہو، اگر اسی وقت چلے گئے اور کوئی بات ہو گئی تو واپسی کو جلد جی چاہنے لگے گا اس لئے چند روز تحمل کرو،

شیخ عبد الحق مدینہ منورہ کی حاضری کیلئے بہت بیتاب تھے، مگر شیخ کے مشورہ کی خلاف ورزی کیسے کرتے، مجبوراً محرم وصفر دو ماہ صبر کیا جب ربیع الاول آیا تو بیتابی شوق بڑھی اور شیخ سے پھر اجازت چاہی، شیخ نے فرمایا کہ اگر زائد صبر کی طاقت نہیں ہے تو مبارک ہو، اجازت پاکر ۲۳ ربیع الاول کو شیخ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، اور ۵۔ ربیع الآخر یا ۶۔ کو مدینہ منورہ پہونچے اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضری کی سعادت سے مشرف ہوئے، جمعہ کی رات آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا قصیدہ پیش کیا، جب اس شعر پر پہونچے ؎

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ　　　جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن

تو اس کی تکرار کرتے کرتے زار زار رونے لگے۔ شیخ کہتے ہیں، غالب گمان ہے کہ حضرت نے اس کو پسند فرمایا، کیونکہ رجب ۹۹۸ھ کی ۱۷، یا ۱۸ تاریخ کو رات میں جبل احد کے قریب ایک مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا اور حضرت سے بغلگیر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا،

حضرت شیخ کم وبیش تین سال مکہ معظمہ میں رہے، حرمین کے محدثین سے حدیث کی سند لی، علماء کی صحبت سے مستفید ہوئے، خصوصیت کے ساتھ شیخ عبد الوہاب کی صحبت اختیار کی، سب سے زیادہ انھیں سے فائدہ اٹھایا، شیخ نے ان پر خاص توجہ کی،

شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں ہندوستان سے اس پایہ کا کوئی دوسرا شخص ان مقامات مقدسہ میں نہیں آیا، ہاں شیخ علی متقی کے زمانہ میں ایک دو آدمی آئے تھے، شیخ اپنے خدام سے یہ بھی فرمایا

کرتے تھے کہ شیخ عبدالحق کی خاطر کو عزیز رکھو، اور ان کے وجود کو غنیمت سمجھو، وہ مہمان عزیز ہیں شیخ عبدالوہاب نے حدیث وتصوف کی تعلیم کے ساتھ شیخ عبدالحق کی باطنی تربیت بھی فرمائی تھی،

حجاز سے واپسی سے پہلے ان کو شیخ عبدالوہاب نے کتب تفسیر واحادیث اور کتب تصوف وعربیت اور مصنفات سیوطی وشیخ علی متقی کا اجازت نامہ لکھوا کر عنایت فرمایا، ان کے علاوہ دوسرے علمائے حرمین نے بھی شیخ عبدالحق کو حدیث وقرأت کی سند عطا فرمائی،

شیخ عبدالحق کی علمی خدمات محتاج بیان نہیں ہیں، مشکوٰۃ کی شرح "اشعۃ اللمعات" شرح سفرالسعادۃ، مدارج النبوۃ، ماثبت بالسنۃ، اور ان کی دوسری کتابوں سے ایک عالم فیض اٹھا چکا ہے، اور آج بھی وہ فیض جاری ہے، الشیخ کے سوانح حیات میں دو مستقل کتابیں اردو میں شائع ہو چکی ہیں

شیخ کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی، دہلی میں حوض شمسی کے کنارہ آپ مدفون ہیں، اس حقیر نے مزار کی زیارت کی ہے،

شیخ آدم بنوری

آپ نے پہلے الحاج خضر روغانی سے طریق کی تعلیم پائی، پھر ان کے حکم سے سرہند آئے اور حضرت مجدد الف ثانی کی صحبت میں مدتوں رہے، ان کے طریقہ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ اتباع شریعت اور پیروی سنت کا غایت درجہ اہتمام فرماتے تھے،

ان کے مریدین کی تعداد بہت زیادہ تھی، کہا جاتا ہے کہ چار لاکھ انسانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ان میں سے ایک ہزار آدمیوں نے علم ومعرفت کا وافر حصہ پایا، انکی خانقاہ میں تقریباً ایک ہزار طالبوں کو روزانہ ان کے مطبخ سے کھانا دیا جاتا تھا،

۱۰۵۲ھ میں جب وہ لاہور روانہ ہوئے تو دس ہزار سادات ومشائخ اور مختلف طبقات کے لوگوں کی ایک فوج انکی معیت میں تھی، اس زمانہ میں شاہ جہاں لاہور میں تھا، اسکو معلوم ہوا تو اس نے اپنے وزیر سعد اللہ خاں کو حکم دیا کہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال معلوم کرے،

سعد اللہ خاں آیا، مگر صحبت مکدر رہی اس لئے اس نے بادشاہ کے کانوں تک حقیقت کے خلاف نامناسب باتیں پہونچائیں، بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ اپنے کنبے قبیلے اور مریدین کے ساتھ حجاز چلے جائیں، شیخ روانہ ہوگئے، اور حج کرکے مدینہ منورہ میں تا زندگی مقیم رہے،

آپ کی وفات ۱۰۵۳ھ میں ہوئی، سیدنا حضرت عثمانؓ کے مزار کے قریب آپ مدفون ہیں،

شیخ ابوتراب گجراتی

چانپانیر میں پیدا ہوئے، اور احمد آباد میں سکونت اختیار کی، جب اکبر نے گجرات فتح کیا، تو ۹۸۹ھ میں ان کو امیر الحاج بناکر حرمین میں تقسیم کرنے کے لئے پانچ لاکھ چاندی کا سکہ اور دس ہزار خلعت فاخرہ ان کو دیکر مکہ روانہ کیا، وہ حج و زیارت سے مشرف ہوکر ۹۹۱ھ میں ہندوستان آئے، شیخ ابوتراب کی وفات ۱۰۰۳ھ میں ہوئی،

گیارہویں صدی کے اکابر میں سے جو حضرات ہندوستان سے حج کے لئے گئے ہیں، ان میں مندرجہ ذیل حضرات نہایت ممتاز ہیں،

(۱) حضرت شاہ علم اللہ بریلوی المتوفی ۱۰۹۶ھ

(۲) سید غضنفر نہروالی جن کے شاگردوں میں احمد بن علی شناوی، عبدالرحمٰن بن عیسیٰ مرشدی اور امام عبدالقادر طبری تھے،

سنہ ۱۱۰۱ھ سے سنہ ۱۲۰۱ھ تک

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

آپ کی ولادت باسعادت ۴ر شوال سنہ ۱۱۱۴ھ کو ہوئی، عمر کا پانچواں سال تھا کہ مکتب میں بٹھائے گئے، ساتویں سال ان کے والد بزرگوار نے ان کو نماز میں کھڑا کیا اور روزہ رکھوایا، اسی سال کے آخر میں قرآن پاک ختم کیا، اور فارسی شروع کی، دسویں سال شرح جامی پڑھنا شروع کی اور فی الجملہ مطالعہ کی راہ کھل گئی، اور پندرہویں سال بیضاوی پڑھنے لگے، اسی سال اس عہد کے دستور کے مطابق فنون متعارفہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کی، ان کے پدر بزرگوار نے بڑے پیمانہ پر ایک دعوت کا انتظام کر کے عام و خاص کو مدعو کیا، اور اس مجلس میں درس کی اجازت دیکر دعائے برکت کی،

۲۹ برس کے ہوئے تو حرمین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا سنہ ۱۱۴۳ھ میں حج کی سعادت حاصل کر کے اگلا سال (سنہ ۱۱۴۴ھ) بھی اس مقدس سرزمین میں گذارا، طواف و زیارت کے ساتھ ساتھ محدثین سے احادیث کی روایت و اجازت اور مشائخ کی صحبت کے برکات و فیوض حاصل کرتے رہے، بعد ازاں مدینہ منورہ کی حاضری کا شرف حاصل کیا، سال کے باقی ایام وہیں گذارے، یہاں مزار فیض بار کی طرف اکثر متوجہ رہے اور بڑا فیض حاصل کیا، اور یہاں بھی محدثین سے روایت و اجازت حدیث اور مشائخ طریقت سے فوائد سلوک حاصل کرتے رہے،

شیخ ابوطاہر کے ہاتھ سے وہ خرقہ پہنا جو تمام خرقہائے صوفیہ کا جامع ہے، علماء حرمین کے ساتھ خوب صحبتیں رہیں - اور اسی سال کے آخر میں دوسرا حج کر کے سنہ ۱۱۴۵ھ کے آغاز میں وطن کا قصد کیا اور جمعہ ۱۴ رجب سنہ ۱۱۴۵ھ کو بخیر و عافیت گھر پہونچے،

خود شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ آخری بار جب میں شیخ ابوطاہر کردی کی خدمت میں رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوا تو میں نے یہ شعر پڑھا ؎

نَسِیْتُ کُلَّ طَرِیْقٍ کُنْتُ اَعْرِفُہٗ   اِلَّا طَرِیْقاً یُوَدِّیْنِیْ لِرَبْعِکُم

شیخ بہت متاثر ہوئے اور بے اختیار رونے لگے، ؎

؎ اس کے بعد تتمہ دیکھو

حاجی صفۃ اللہ محدث خیر آبادی

آپ نے ۱۱۲۴؁ھ میں سفرِ حج کیا تھا، اور تین حج کر کے ہندوستان واپس ہوئے تھے، شیخ محمد طاہر[1] (کذا) مدنی اور عبد اللہ بن سالم بصری سے حدیث کی سند حاصل کی تھی، آپ کی وفات ۱۱۵۷؁ھ میں ہوئی،

(ماثر الکرام و تاج العروس)

حج سے واپسی کے بعد آپ نے منطق، فلسفہ کا درس دینا بالکلیہ بند کر دیا. صرف حدیث و تفسیر کا درس دیتے تھے، ہندوستان میں قطب الدین شمس آبادی یا قطب الدین بن عبد الحلیم سہالوی کے پاس پڑھا تھا،

شاہ ابو سعید بریلوی

آپ نے ملا عبد اللہ امیٹھوی کے پاس علم حاصل کرنے کے بعد اپنے چچا شیخ محمد صابر کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک مدت تک اذکار و اشغال میں مشغول رہے پھر شیخ ولی اللہ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جم کر ان کی صحبت میں رہے، جب شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا تو ان کے خلیفہ اکبر شیخ محمد عاشق کی صحبت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی، اور شاہ محمد عاشق نے ان کو بہت شاندار اجازت نامہ لکھکر عنایت فرمایا،

۱۱۸۷؁ھ میں اپنے مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ سفرِ حج کیا، ۲۸ ربیع الاول کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، اور موسم حج کا انتظار کر کے حج کیا، پھر مدینہ حاضر ہوئے، وہاں چھ مہینے قیام کر کے شیخ ابو الحسن سندی صغیر کے پاس مصابیح کی سماعت کی۔ پھر مکہ آکر شیخ محمد میر داد انصاری کے پاس پڑھی،

واپسی میں مدتوں مدراس میں قیام فرما کر وہاں کے لوگوں کو فیض پہونچایا، جن حضرات نے ان سے کسب فیض کیا ان میں ان کے استاذ شیخ میر داد انصاری بھی تھے، ۱۱۹۳؁ھ میں انتقال فرمایا، رائے بریلی میں مدفون ہوئے

---

[1] ماثر الکرام میں محمد طاہر ہے اور نزہۃ الخواطر میں ابو طاہر محمد۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے،

شاہ محمد عاشق پھلتی

شاہ ولی اللہ کے خلیفۂ اکبر، اور بقول شیخ ابو طاہر کردی ان کے کمالات کا آئینہ تھے، رشتہ میں شاہ صاحب کے ماموں زاد بھائی تھے، شاہ صاحب کے خلفاء اور تلامذہ میں ان کے پایہ کا دوسرا کوئی نہ تھا، شاہ عبدالعزیز دہلوی اور شاہ رفیع الدین نے تکمیل علم ظاہر اور اکتساب فیض باطن انھیں کی خدمت میں کیا،

شاہ ولی اللہ نے ۱۱۴۳ھ میں جب سفر حجاز کیا ہے تو رفاقت میں شاہ محمد عاشق اور ان کے والد شیخ عبید اللہ بھی تھے ۔ اور صرف سفر اور ادائے مناسک ہی نہیں بلکہ مشائخ حدیث کے پاس سماعت حدیث میں بھی شریک تھے،

شاہ صاحب کے حالات میں انھوں نے "القول الجلی" نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس کا قلمی نسخہ میں نے کاکوری میں دیکھا ہے، شاہ صاحب کی "دعاء الاعتصام" کی شرح بھی لکھی ہے، اس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے، ان دونوں کے علاوہ سلوک میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام "سبیل الرشاد" ہے، اور ان سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مصفّیٰ شرح موطا کی تبییض انھیں نے کی ہے،

شاہ محمد عاشق صاحب کی وفات ۱۱۸۷ھ میں اور شیخ عبید اللہ کی ۱۱۲۵ھ میں ہوئی،

شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی

۱۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، ان کا خاندان علم و مشیخت کا گہوارہ تھا، اپنے والد کے چچا شیخ محمد افضل کے ہاتھ پر بیعت کی، اپنے بھائی شیخ محمد طاہر کے پاس کتب درسیہ پڑھیں، اپنے والد سے طریق کی تعلیم پائی، بائیس سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے،

۱۱۳۹ھ میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اور شیخ محمد حیات سندی کے پاس صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم کا ایک تہائی حصہ پڑھا اور شیخ نے ان کو اجازت عامہ عطا کی، یہ شعبان ۱۱۵۰ھ کا واقعہ ہے، اس کے بعد ہندوستان واپس ہوئے اور چند برسوں کے بعد ۱۱۵۳ھ میں دوبارہ کشتی کی

سواری سے حج کے لئے روانہ ہوئے، مگر مرہٹوں نے کشتی پر چھاپہ مارا اور ان کا ساز و سامان لوٹ لیا اس کے بعد ان کو بندر سورت پر چھوڑ دیا، یہ دوسری کشتی کے انتظار میں وہاں پڑے رہے، ۱۱۵۶ھ میں دوسری کشتی ملی، اس سے "مخا" تک آئے اور وہاں اتر کر کچھ دن رہے، پھر مکہ گئے اور حج کیا

۱۱۵۹ھ میں ہندوستان واپس آکر ایک سال قیام کیا، سال بھر کے بعد سہ بارہ حج کے ارادہ سے نکلے اور ہوگلی میں کشتی پر سوار ہوئے مگر راستہ میں کشتی شکستہ ہوگئی، مجبوراً چاٹگام آکر دوسری کشتی کا انتظار کر کے جب مایوس ہوگئے تو الہ آباد لوٹ آئے،

کچھ زمانہ کے بعد پھر اس ارادہ سے نکلے مگر برہان پور پہونچ کر سرسام ہوگیا اور اس بیماری سے جانبر نہ ہوسکے، ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ کو برہانپور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، میر غلام علی آزاد سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے، انھوں نے سرو آزاد میں ان کا ذکر کیا ہے،

شیخ محمد فاخر علم و عمل اور تقویٰ و تواضع میں یکتائے روزگار تھے،

شیخ محمد عابد سنامی

علم و معرفت شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سرہندی کی خدمت میں حاصل کیا اور مدت دراز تک انکی صحبت میں رہے، لاہور سے پیادہ پا سفر کر کے حج و زیارت کی سعادت حاصل کی،

بڑے عبادت گذار تھے، تہجد کی نماز میں ساٹھ بار سورہ یٰسین پڑھتے تھے، اور ہر دو رکعت پر مراقبہ کرتے تھے، روزانہ بیس ہزار بار کلمہ طیبہ، ایک ہزار بار درود شریف پڑھتے) اور ایک ہزار بار ذکر نفی و اثبات کرتے تھے، تلاوت کلام پاک بھی بڑی مقدار میں کرتے تھے، ان کے مدرسہ میں دو سو (۲۰۰) مرید اور طالب علم رہتے تھے،

حضرت میرزا مظہر جانجاناں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے، آپ کی وفات ۱۱۶۰ھ میں ہوئی

شیخ نورالدین گجراتی

نہایت زبردست عالم تھے، انھوں نے سات دن میں اپنی ماں کے پاس گلستاں پڑھ ڈالی تھی، احمد آباد میں ان کی ٹکر کا کوئی عالم اس وقت نہیں تھا، اکرم الدین گجراتی نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے صرفہ سے ان کے لئے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا، اور وظائف طلبہ کے لئے کئی گاؤں وقف کئے تھے،

مولانا نورالدین بڑے عابد و زاہد بھی تھے، رات میں دوبار اٹھ کر نفلیں پڑھتے تھے، اور جب جب لیٹتے تھے تو ایک ہزار بار کلمہ شہادت اور ایک ہزار بار درود شریف کا ورد کرتے تھے، ملوک و سلاطین کا ہدیہ و روزینہ قبول نہیں کرتے تھے،

سنہ ۱۱۴۱ھ میں جب کہ انکی عمر ۹۱ سال سے زائد تھی حج و زیارت کا شرف حاصل کیا، انکی تصنیفات بہت ہیں، ازانجملہ ایک نورالقاری شرح صحیح بخاری بھی ہے، سنہ ۱۱۵۵ھ میں انتقال کیا، احمد آباد میں اپنے مدرسہ کے قریب ہی مدفون ہیں،

شیخ ابوالحسن سندی کبیر

ٹھٹھ (سندھ) میں پیدا ہوئے، وہیں نشو و نما پائی، پھر تستر پہونچ کر تحصیل علم کی، اس کے بعد مدینہ منورہ جاکر وہیں مقیم ہوگئے، وہاں سید محمد برزنجی و شیخ ابراہیم کورانی وغیرہ کے پاس علم حاصل کیا، فراغت کے بعد مسجد نبوی میں درس دیا، صحاح ستہ اور مسند احمد پر حاشیہ لکھا، انمیں سے بعض حواشی طبع بھی ہوگئے ہیں سنہ ۱۱۳۶ھ یا سنہ ۱۱۳۸ھ میں جب انکی وفات ہوئی تو اہل مدینہ کو بڑا غم ہوا، بازار بند ہوگیا اور حکام تک نے مسجد نبوی تک ان کے جنازہ کو کاندھا دیا، جنازہ میں بڑا مجمع تھا، عورتیں بھی شریک تھیں، بہتوں کی آنکھیں اشکبار تھیں،

ان کے بعد ایک دوسرے ابوالحسن سندی ہجرت کرکے مدینہ پہونچے، شیخ محمد حیات سندی سے انھوں نے حدیث کا علم حاصل کیا اور مدتوں ان کے پاس رہے، پھر مدینہ میں درس دیا، کثرت درس

و افادہ میں اس وقت انکی مثال وہاں نہیں تھی، او وہ بھی صاحب تصنیفات ہیں جنمیں ایک جامع الاصول کی شرح بھی ہے، ان کو ابوالحسن سندی صغیر کہتے ہیں، انکی وفات سنہ ۱۱۸۷ھ میں ہوئی،

سید احمد شہید بریلوی

ولادت باسعادت سنہ ۱۲۰۱ھ میں ہوئی، سن شعوری سے صلاح وتقویٰ سے آراستہ اور خدمت خلق کے جذبہ سے معمور تھے، بیواؤں اور یتیموں کے گھر جاجا کر ان کا کام کاج کرتے تھے، پانی بھر دیتے تھے، لکڑیاں چُن کر لادیتے، بازار سے سودا خرید کر پہونچاتے تھے۔

تحصیل علوم متعارفہ سے چنداں دلچسپی نہ تھی، ابتدا میں کچھ دن فوج میں رہے، اس کے بعد شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر سلوک کے منازل طے کیے، اور علم لدنی و معرفت حق میں تمام ہمسروں سے فائق ہوگئے

سنہ ۱۲۳۷ھ میں حجاز کا سفر کیا، اس سفر میں آپ کے ساتھ سات سو ستاون آدمی تھے، دلمؤ میں کشتی پر سوار ہوئے اور پاس میں جو کچھ تھا سب مساکین پر تقسیم کر دیا، اور یہ کہہ کر کہ ہم اللہ کے مہمان ہیں چل پڑے، الہ آباد، بنارس، غازی پور، پٹنہ ہوتے ہوئے کلکتہ پہونچے، راستہ میں ہر جگہ اتر کر تلقین وارشاد بھی فرماتے رہے، کلکتہ سے دوسری کشتیوں میں سوار ہوکر حجاز پہونچے، اثنائے سفر میں اور اس کے بعد حرمین میں بکثرت لوگوں نے آپ سے فیض پایا، حرمین میں ایک سال قیام کرنے کے بعد سنہ ۱۲۳۹ھ میں ہندوستان واپس آئے،

سنہ ۱۲۴۱ھ میں علم جہاد بلند کیا، مگر اپنوں ہی کی غداری کی وجہ سے سنہ ۱۲۴۶ھ میں جام شہادت نوش کیا،

سید شہید کے حالات میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً صراط مستقیم (مولانا اسمٰعیل شہید جس کا ترجمہ عربی میں مولانا عبدالحئی بڈھانوی نے کیا ہے، اور منظورہ السعداء و مخزن احمدی و وقائع احمدیہ وغیرہ، اردو میں سیرت سید احمد شہید قابل دید ہے، مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی بھی سفر حج میں سید صاحب کے رفیق تھے، اور انھیں کے ساتھ معرکۂ بالاکوٹ میں شہید بھی ہوئے، نیز مولانا عبدالحئی

بڈھانوی بھی رفیق سفرِ حج تھے۔ قاضی شوکانی نے اپنی بعض تصنیفات اور اپنی مرویات کی اجازت نامہ آپ کے پاس بھیجی تھی، جہاد میں بھی آپ سید صاحب کے ہمرکاب تھے۔

آپ کی وفات ۱۲۴۳ھ میں سید صاحب سے تقریباً تین سال پہلے اسی سفر جہاد میں بیماری سے ہوئی، سرحد میں ایک گاؤں "خار" نامی ہے وہیں مدفون ہوئے،

مولانا ولی اللہ سورتی

آپ مولانا غلام محمد کے صاحبزادہ تھے، اور مولانا غلام ملا نظام الدین کے شاگرد رشید تھے۔ مدتوں ان کے پاس رہے، جب انور خاں گوپاموی برہانپور کے والی مقرر ہوئے تو انکی معیت میں برہانپور آئے، انور خاں نے ان کے لئے ایک نہایت شاندار مدرسہ تعمیر کرا کر مدرسہ کے لئے چھتیس ہزار روپیہ سالانہ مقرر کر دی، مولانا غلام محمد نے ایک مدت تک اس مدرسہ میں درس دیا، اپنے لڑکے ولی اللہ کو احمد آباد سے بلا کر سات سال میں تمام کتب درسیہ کی تعلیم دی،

آصفجاہ کا جب برہان پور پر تسلط ہوا تو مدرسہ کا وظیفہ بند کر دیا اس لئے کہ مولانا غلام اس سے ملنے نہیں گئے تھے، اس کے بعد مولانا غلام محمد نے اپنے لڑکے ولی اللہ کو حجاز روانہ کر دیا۔

حاجی رفیع الدین مرادآبادی نے لکھا ہے کہ مولانا غلام محمد تجوید و قرأت میں یکتائے روزگار اور علوم و فنون میں بحر زخار تھے، قلوب میں انکی بڑی عظمت تھی اور انکو بڑی مقبولیت حاصل تھی باایں ہمہ انھوں نے کپڑا بننے کا قدیم پیشہ ترک نہیں کیا تھا۔ انکی وفات ۱۱۹۰ھ میں ہوئی،

مولانا ولی اللہ نے حجاز پہونچ کر حج و زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ ابوالحسن سندی سے حدیث کا فن بھی حاصل کیا، جب ہندوستان واپس ہوئے تو ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، یہ نزہتہ الخواطر کا بیان ہے، اور حاجی رفیع الدین کا بیان یہ ہے کہ مولانا ولی اللہ اپنے والد ماجد کے ساتھ دو مرتبہ سفر حرمین میں آئے گئے۔ اب سورت میں قناعت کی زندگی بسر کر رہے اور استقامت و توکل کے ساتھ موصوف ہیں، (سفرنامہ حرمین)

حاجی رفیع الدین کو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے اور اچھی خاصی صحبت رہی ہے، سفرنامہ میں ان سے سنی ہوئی بہت سی مفید اور تحقیقی باتیں انھوں نے نقل کی ہیں،

مولانا ولی اللہ صاحب تصنیف بھی تھے، ان کی ایک کتاب کا نام "التنبیہات النبویہ فی سلوک الطریقۃ المصطفویہ" ہے۔ آپ کا سال وفات ۱۲۰۷ھ ہے،

مولانا محمد صالح بن خیر الدین سورتی

مولانا خیر الدین سورت کے محدث تھے، شیخ محمد حیات سندی سے مدینہ منورہ میں سند حدیث حاصل کی، پچاس برس تک حدیث کا درس دیا تھا، ۱۲۰۶ھ میں وفات ہوئی،

مولانا محمد صالح ان کے صاحبزادہ اور شاگرد رشید تھے، جس سال حاجی رفیع الدین مرادآبادی بارادۂ حج وارد سورت ہوئے تھے، اسی سال انھوں نے ایک کشتی تیار کرائی تھی، جس کا نام "سفینۃ الرسول"[1] رکھا تھا،

شیخ خیر الدین کی فرط شفقت اور مولانا محمد صالح کی محبت و الفت کی بنا پر حاجی رفیع الدین بھی اسی کشتی پر سوار ہو کر حجاز گئے، اور اسی پر واپسی بھی ہوئی، حاجی صاحب کا بیان ہے کہ صاحبزادہ کے اخلاص کا مظاہرہ ہر روز زیادہ ہی ہوتا رہا۔ مولانا محمد صالح سورت کے قاضی مقرر ہوئے، اور تا زندگی اسی منصب پر رہے، ۱۲۳۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

حاجی رفیع الدین مرادآبادی

نواب خاندان کے تھے، رئیسوں کے گھرانے میں پیدا ہوئے مگر مزاج فقیرانہ تھا، حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں مدتوں رہکر علم و فیض حاصل کیا، حج کو جاتے ہوئے سورت میں شیخ خیر الدین محدث سے حدیث کی سند لی، حرمین شریفین کے علماء سے بھی مستفید ہوئے،

---

[1] نزہۃ الخواطر میں ہے کہ یہ کشتی مولانا ولی اللہ بن مولانا غلام محمد کی تھی، اور مولانا رفیع الدین، مولانا ولی اللہ ہی کے ہمسفر تھے، یہ ... خود مولانا رفیع الدین کا بیان ہے،

محرم ۱۲۰۱ھ میں حج کے لئے نکلے، اور تقریباً دو ماہ میں سورت پہونچے، ۹ر جمادی الثانیہ کو سفینۃ الرسول نامی کشتی میں سوار ہوئے، اس میں ۲۱۶ آدمی سوار تھے، ۲۳ر رجب کو عدن نمودار ہوا ۲۴ر رجب کو باب المندب پہونچے، ۲۶ر رجب کو مخا کی سیر کی مخا سے ۲۹ر رجب کو روانہ ہوئے، ۱۱ر رجب کو حدیدہ پہونچے، ۲۸ر شعبان کو کامران آئے، ۸ر رمضان کو بندرگاہ جازان کے مقابل، اور ۲۰ر رمضان کو قنفدہ پہونچے،

چونکہ کشتی کو یہیں سے ہندوستان واپس جانا تھا اسلئے ایکسو دس دن کشتی میں رہنے کے بعد یہیں اتر پڑے - ۵ر شوال کو اونٹ پر مکہ روانہ ہوئے، ۱۲ر کو سعدیہ پہونچے اور وہیں احرام باندھا، ۱۴ کو مکہ معظمہ میں حاضری ہوئی، مکہ قریب آیا تو سواری سے اتر پڑے، اور چار کوس سے زیادہ ننگے پاؤں، ننگے سر پیدل چل کر مکہ پہونچے،

فرماتے ہیں کہ پیدل چلنے میں دھوپ کی تیزی اور راستے کی کنکریوں اور ریت کی وجہ سے مشقت تو بہت زیادہ اٹھائی مگر جمال کعبہ کے دیدار سے تمام عمر کی کلفتیں دور ہوگئیں ؎

جمال کعبہ مگر عذر رہرواں خواہد — کہ جان زندہ دلاں سوخت در بیابانش

مکہ پہونچکر چار مہینے قیام کیا، ۱۸ر صفر ۱۲۰۲ھ کو طواف وداع کرکے مدینہ منورہ کے ارادہ سے جدہ کو روانہ ہوئے اور ۶ر ربیع الاول کو مدینہ منورہ پہونچے، اور وہاں چار مہینے بیس دن رہکر ۲۸ر رجب ۱۲۰۲ھ کو مکہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں بدر کی زیارت کی، ۱۳ر شعبان کو مکہ معظمہ پہونچے، ۲۸ر شعبان کو طائف گئے، واپسی میں قرن سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا، رمضان کا مہینہ مکہ میں گذارا، عید کی نماز شریف غالب کی اقتداء میں ادا کی، ۲۸ر شوال کو مکہ سے کوچ کیا، اور ۵ر ذی قعدہ کو بعد عشاء سفینۃ الرسول میں سوار ہوکر ہندوستان روانہ ہوئے، اور ٹھیک عید اضحیٰ کے دن بمبئی کے ساحل پر پہونچے، اس کے بعد مختلف مقامات میں رکتے رکاتے یکم ربیع الثانی ۱۲۰۳ھ کو مرادآباد پہونچے، اس سفر کی پوری مدت ۲ سال، ۲ ماہ، اور دو ہفتہ تھی -

حاجی رفیع الدین بہت جیّد عالم تھے، ان کی تصنیفات میں سے قصر الآمال بذکر الحال والمآل، سلوا الکئیب بذکر الحبیب، افادات عزیزیہ اور سفرنامہ حرمین کا مطالعہ میں نے کیا ہے، ان میں سے کوئی کتاب طبع نہیں ہوئی ہے، سفرنامہ کے نسخے رام پور اور حیدرآباد وغیرہ میں، میں نے دیکھے ہیں کہیں اس کا نام حالات الحرمین درج ہے، اور کہیں سیر الحرمین۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے اس سفرنامہ کو اردو میں منتقل کرکے ماہنامہ الفرقان[۱] میں شائع کرادیا ہے، فریدی صاحب نے اس کو ہندوستان کا سب سے پہلا سفرنامہ قرار دیا ہے، لیکن بظاہر حاجی امین الدین کاکوروی کا سفرنامہ اس سے قدیم ہے، اسلئے کہ انھوں نے ۱۱۸۰ھ میں حج کیا ہے اور سفرنامے عموماً اسی سفر میں یا واپسی کے بعد جلد ہی لکھے جاتے ہیں،

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی

۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے، قنوج میں مولانا عبدالباسط قنوجی کے پاس تمام کتب درسیہ پڑھیں، ۱۱۸۹ھ میں حج وزیارت کی سعادت حاصل کی اور شیخ احمد بن محمد سعید صفر اوران کے والد کے پاس نیز عبدالملک حنفی مفتی مکہ اور شیخ ابراہیم شافعی کے پاس قراءت وحدیث کی تحصیل کی،

۱۱۹۶ھ میں ہندوستان واپس آئے اور فرخ آباد میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا اسکا نام فخر المدارس رکھا تھا، کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، ان میں سے ایک قرآن پاک کی تفسیر تین جلدوں میں ہے، اس کا نام نظم الجواہر و نضد الدرر ہے، تفسیر کی زبان فارسی ہے، دوسری صحیح مسلم کی شرح ہے جس کا نام المطر الثجاج ہے، تفسیر میری نظر سے گذری ہے، ۱۲۴۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

مسند الدیار الہندیہ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی

آپ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسہ تھے ۱۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے، اپنے نانا کے یہاں پرورش پائی، کافیہ تک مولانا عبدالحئی بڈھانوی سے اور باقی کتب درسیہ شاہ عبدالقادر کے پاس پڑھیں، انھیں کی خدمت میں فقہ وحدیث میں بھی مہارت حاصل کی حضرت شاہ عبدالعزیز سے سلسلہ سند استوار کیا،

---

[۱] دیکھو الفرقان بابت شوال و ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ (جلد ۲۸)

شاہ صاحب نے ان کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور اپنی ساری کتابیں نیز مکانات ان کو ہبہ کر دئے۔

شاہ محمد اسحاق نے ایک دفعہ ۱۲۴۰ھ میں حج و زیارت کا شرف حاصل کیا اسی سفر میں شیخ عمر ابن عبد الکریم مکی سے حدیث کی سند لی، اس کے بعد ہندوستان آکر سولہ سال تک دہلی میں درس دیا، ۱۲۵۸ھ میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد یعقوب اور تمام اہل و عیال کے ساتھ دوبارہ حجاز گئے اور حج و زیارت کے بعد مکہ میں مقیم ہو گئے، مکہ میں آپ سے شریف محمد بن ناصر حازمی نے استفادہ کیا، ہندوستان کے اکابر اہل علم نے آپ سے حدیث کا درس لیا، دیوبند و سہارنپور اور ہندوستان کے اکثر مدارس کے علماء و مدرسین کا سلسلہ سند آپ ہی سے ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی، قاری عبد الرحمن پانی پتی، نواب قطب الدین دہلوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا عبد القیوم بھوپالی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی آپ کے جلیل القدر تلامذہ میں ہیں، پورہ معروف کے مولانا محمد طاہر نے بھی حدیث کی سند آپ سے مکہ میں لی تھی،

شیخ عبد اللہ سراج مکی شاہ صاحب کی وفات کے بعد غسل دینے کے وقت فرماتے تھے کہ اگر یہ زندہ رہتے اور میں عمر بھر ان کے پاس حدیث پڑھتا جب بھی ان کے مرتبہ کو نہ پہونچتا۔ اور شیخ عمر بن عبد الکریم فرمایا کرتے تھے کہ ان میں ان کے نانا کی برکت حلول کر گئی ہے۔

شاہ اسحاق صاحب نے مکہ میں ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی، شاہ محمد یعقوب نے شرح جامی کے تین سبق شاہ عبد العزیز سے پڑھے، شاہ صاحب نے ٹہلتے ہوئے ان کو جلالین بھی پڑھا دی تھی، باقی کتب درسیہ شاہ رفیع الدین کے پاس پڑھیں، حدیث کی سند شاہ عبد العزیز صاحب نے عنایت کی، آپ کا انتقال بھی مکہ میں ہوا۔ سال وفات ۱۲۸۲ھ ہے۔ نواب صدیق حسن نے مکہ خط لکھ کر آپ سے حدیث کی سند حاصل کی ہے۔

حضرت شاہ عبد الغنی مجددی

۱۲۳۵ھ میں ولادت ہوئی، مولانا حبیب اللہ دہلوی کے پاس قرآن پاک یاد کیا اور نحو و عربیت کی تعلیم پائی، فقہ و حدیث پر خاص توجہ کی، حضرت شاہ اسحق دہلوی سے حدیث کا درس لیا اپنے والد سے موطا امام محمد اور مولانا مخصوص اللہ سے مشکوٰۃ پڑھی۔

۱۲۴۹ھ میں جب آپ کی عمر ۱۴ سال کی تھی اپنے والد شاہ ابو سعید مجددی کے ساتھ حرمین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور شیخ عابد سندی و شیخ اسماعیل رومی سے حدیث کی سند حاصل کی، حج کے بعد حضرت شاہ ابوسعید بیمار ہو گئے، زیارت حرمین کے بعد ہندوستان کی طرف کوچ کیا، ۲۲ رمضان ۱۲۵۰ھ کو ٹونک پہونچے اور عید کے دن داعی اجل کو لبیک کہا، نعش مبارک دہلی لائی گئی، چالیس دن کے بعد بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی غسل دیا گیا ہے۔

شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ والد کے انتقال کے بعد چند مہینے ٹونک میں مقیم رہے، پھر دہلی آکر برسوں درس دیا اور مریدوں کی تربیت فرمائی، شاہ ابوسعید صاحب نے انتقال کے دن آپ کو اجازت مرحمت فرمائی اور چند وصیتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ دنیاداروں کے دروازہ پر جاؤ گے تو ذلت اٹھاؤ گے اور نہ وہ خود تمہارے دروازہ پر آکر ناک رگڑیں گے، محمد حسین مراد آبادی نے لکھا ہے کہ میں چند روز خانقاہ میں شاہ عبدالغنی صاحب کی خدمت میں رہا ہوں، میں نے ان کو تعلیم علم ظاہر و باطن میں مشغول پایا۔ فجر کے بعد مراقبہ کرتے تھے، اشراق کے بعد مریدوں کو توجہ دیتے تھے، پھر حدیث کا درس دیتے تھے، قیلولہ و نماز ظہر کے بعد فقہ کا درس دیتے تھے، نماز عصر کے بعد تعلیم باطن و القائے نسبت فرماتے تھے۔ دنیا و اہل دنیا کی باتوں سے پرہیز کرتے تھے، یہ بھی لکھا ہے کہ انگریزوں کے نوکروں اور ملازموں کا ہدیہ اور دعوت قبول نہیں کرتے تھے، غایت احتیاط کی بنا پر بازار کے آم نہیں کھاتے تھے، فرماتے تھے کہ بیچنے والوں نے مالکوں سے بیع فاسد کے ذریعہ خرید اہے۔

۱۲۰۳ھ (نزہتہ الخواطر) یا ۱۲۰۴ھ (انوار العارفین) میں آشوب دہلی (جو غدر کے نام سے مشہور ہے) کے وقت اپنے اہل و عیال کو لیکر حجاز کی طرف ہجرت فرمائی، شریف نے مسجد نبوی کے سامنے آپ کے رہنے کے لئے ایک حجرہ عنایت کیا، اسی میں آپ مقیم ہوئے، اور جب تک زندہ رہے مسجد نبوی میں بقول مراد آبادی سرکار کے سامنے تعلیم علم ظاہر و باطن فرماتے رہے۔

ہندوستان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی آپ کے حلقہ درس حدیث میں شریک ہوئے اور سند و اجازت سے مشرف ہوئے۔

اور حجاز میں مولانا عبدالحئی لکھنوی اور مولانا عبداللہ سنوی نے آپ سے سند حدیث حاصل کی ابن ماجہ پر شاہ صاحب کا حاشیہ انجاح الحاجہ انکی یادگار ہے اردو میں بھی ایک رسالہ

آپ کا میں نے دیکھا ہے۔

آپ کی وفات ۱۲۹۶ھ میں ہوئی۔

مفتی سعد اللہ مراد آبادی

۱۲۱۹ھ میں پیدا ہوئے، فقہ کے علاوہ نحو ولغت کے بھی نہایت جید عالم تھے مفتی صدرالدین صاحب کے شاگرد تھے، دہلی سے ۱۲۴۳ھ میں لکھنؤ آئے اور مرزا حسن علی محدث اور مفتی ظہور اللہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، مدرسہ سلطانیہ لکھنؤ میں تدریس کی خدمت انجام دی، پھر سرکاری طور پر شعبۂ تالیف کے ناظر مقرر ہوئے اور ان کی نگرانی میں تاج اللغات کی کچھ جلدیں مکمل ہوئیں، اس کے بعد ۲۹ سال افتار کی خدمت انجام دی۔

۱۲۷۰ھ میں سفر حج کیا، دھولیہ پہونچکر رفقاء کی خواہش پر زادالسبیل تصنیف کی جس میں مناسک حج کا بیان ہے، حجاز میں شیخ الحرم شیخ جمال حنفی سے حدیث کی سند لی، واپسی کے بعد مزید تین سال لکھنؤ میں مفتی رہے جب واجد علی خاں معزول کردئے گئے تو نواب یوسف علی خاں نے ان کو رام پور بلالیا وہاں تا زندگی عہدۂ افتاء پر قائم رہے۔ کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ نوادرالاصول شرح فصول اکبری سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

۱۲۹۴ھ میں وفات ہوئی، زادالسبیل کا نسخہ بھی میرے کتب خانہ میں ہے

حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ

حضرات دیوبند کے شیخ الحدیث شاہ عبدالغنی نے جس طرح آشوب دہلی کے وقت ہجرت اختیار کی تھی اسی طرح جنگ شاملی کے بعد ان کے شیخ الطریقہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب بھی ہجرت کرگئے تھے، مولانا رشید احمد، مولانا نانوتوی اور مولانا تھانوی وغیرہم حاجی صاحب کے جلیل القدر خلفاء میں ہیں۔ مولانا تھانوی اور دوسرے بہت سے خلفاء نے حجاز ہی میں سلوک کے منازل طے کئے ہیں، حضرت حاجی صاحب کی وفات ۱۳۱۷ھ میں ہوئی۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی

مولانا عبدالحئی بن مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی ۱۲۶۴ھ میں بمقام باندہ پیدا ہوئے، دس سال کی عمر میں حافظ ہوئے، حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ خوشنویسی بھی سیکھ لی اور فارسی کی کچھ کتابیں پڑھ ڈالیں، سترہ برس کی عمر میں تمام علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے۔

۱۲۷۹ھ میں پہلی دفعہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ حج وزیارت کے لئے گئے، رجب میں حیدرآباد سے روانہ ہوئے، اور شعبان میں بمبئی سے بادبانی کشتی پر سوار ہوئے یکم رمضان کو حدیدہ پہونچکر دس دن قیام کیا، وہاں سے چلے تو ہوا مخالف تھی، جہاز طوفان میں پڑ گیا اور جدہ میں اترنا ممکن نہ ہوا، اس لئے لیث میں اتر پڑے اور وہاں سے براہ خشکی چار دن میں مکہ پہونچے، ادائے حج تک مکہ میں قیام ہوا، ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، ۲ محرم ۱۲۸۰ھ کو مدینہ پہونچے، ۸ دن قیام کر کے ۱۰ محرم الحرام کو مکہ روانہ ہوئے، پھر مکہ سے دس صفر کو چلے اور جدہ سے بادبانی جہاز میں بیٹھکر ربیع الاول کے درمیانی عشرہ میں بمبئی پہونچے اور جمادی الاولیٰ کے شروع میں داخل حیدرآباد ہوئے، تقریباً گیارہ مہینے میں یہ سفر پورا ہوا،

دوسری بار ۱۲۹۲ھ میں تنہا حج کے لئے گئے[1]، حیدرآباد سے ۱۰ شوال کو روانگی ہوئی اور بمبئی سے دخانی جہاز ۲۱ شوال کو چلا اور ۵ ذیقعدہ کو جدہ پہونچا ۱۰ کو مکہ آئے اس سال جمعہ کو حج ہوا تھا، حج کے بعد ۲۱ ذی الحجہ کو مدینہ کی زیارت کو نکلے، ۱۵ محرم ۱۲۹۳ھ کو حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، وہاں دس دن رہکر ۱۵ کو مکہ روانہ ہوئے، چند روز قیام کیا، پھر جدہ سے ۸ صفر کو جہاز میں سوار ہوئے، ۲۱ صفر کو جہاز بخیر وعافیت بمبئی پہونچا۔

مولانا عبدالحئی نے سفر میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی وغیرہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔

مولانا نے بکثرت درسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں جن سے مدرسین وطلبہ آج تک فائدہ اٹھا رہے ہیں، حواشی کے علاوہ سعایہ، الفوائد البہیہ، النافع الکبیر اور کئی رسائل کے مجموعے نہایت مفید ہیں۔ طالب علمی کے

---

[1] اسی سفر میں مولانا کی ملاقات رابغ میں مولوی نصراللہ خاں سے ہوئی تھی۔

دور کے علاوہ فراغت کے بعد بھی مولانا کی تصنیفات سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مولانا عبدالحئی کی وفات ۱۳۰۴ھ میں ہوئی،

مولانا محمد طاہر صاحب

آپ پورہ معروف ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے، آپنے مولانا سخاوت علی جونپوری سے علوم ظاہری اور مولانا کرامت علی جونپوری سے فیوض باطنی حاصل کئے، مولانا کرامت علی سے آپکو اجازت بیعت بھی حاصل تھی، طب میں آپ کا بڑا شہرہ تھا، حدیث وفقہ میں بھی مہارت حاصل تھی، اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے، ان علمی کمالات کے علاوہ جسمانی طاقت میں بھی شہرۂ آفاق تھے،

۱۲۶۰ھ میں آپنے حجاز کا سفر کیا، اور اسی سفر میں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے جو اسوقت ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں مقیم تھے، حدیث کی کچھ کتابیں پڑھی ہیں، اور شاہ صاحب نے ان کو سند لکھکر عطا فرمائی ہے، آپ کی وفات ۱۲۹۶ھ میں ہوئی، آپ کے سوانح حیات پر ایک مستقل کتاب "حیات مولانا محمد طاہر" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب

متو ضلع اعظم گڈھ کے مشہور اور جید علماء میں تھے، مدرسۂ غفاریہ (رسڑا) میں مولانا تراب علی لکھنوی المتوفی ۱۲۸۱ھ سے، اور غالباً جونپور میں مولانا عبدالحلیم لکھنوی المتوفی ۱۲۸۵ھ سے کتب درسیہ کی تحصیل کی، مولانا ایک ماہر طبیب تھے، منطق وفلسفہ میں بھی بڑا دخل تھا، اس کے ساتھ ہی حدیث وفقہ سے بھی انتہائی شغف تھا، منطق میں ایک رسالہ "عرفان العرفان" آپ کی یادگار ہے، جس کا ذکر مولانا عبدالحلیم نے اپنے ایک مکتوب میں اور مولانا عبدالحئی نے حاشیہ میر زاہد ملا جلال میں کیا ہے، آپ نے کئی برس تک نوانگر ضلع بلیا میں درس دیا، اخیر میں اپنے مکان پر مطب کرتے تھے، ۱۲۸۶ھ میں آپنے سفر حج کیا، اور اسی سال مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کی خدمت میں اوائل بخاری و ترمذی پڑھکر علم حدیث کی سند حاصل کی، آپنے ۱۳۲۱ھ میں انتقال کیا،

نواب سید صدیق حسن خاں

۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے مختصر المعانی تک اپنے بڑے بھائی کے پاس اور قطبی مع میر وغیرہ دوسرے علماء کے پاس پڑھ کر گھر چھوڑ دیا، اور چند سال کان پور و فرخ آباد میں پڑھتے رہے، آخر میں مفتی صدر الدین خاں صاحب صدر الصدور دہلی کے پاس حاضر ہوکر تکمیل علوم کی، حدیث میں وہ ایک ایک واسطے سے شاہ عبد العزیز اور شوکانی کے شاگرد ہیں۔ ۱۲۸۷ھ میں نواب شاہجہاں بیگم والیہ ریاست بھوپال ان کے عقد نکاح میں آئیں اور انھوں نے انکو نائب دوم کا عہدہ اور چوبیس ہزار سالانہ کی جاگیر عطا کی۔ بعد میں نواب والا جاہ امیر الملک کا خطاب اور پچاس ہزار کی جاگیر عطا ہوئی،

۱۲۸۵ھ میں حج کیا، اس سفر کے مختصر حالات انھوں نے اتحاف النبلا اور ایضاح الحجہ میں لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"بندۂ شرمندہ ۲۰ر شعبان ۱۲۸۵ھ میں نماز ظہر کے بعد گھر سے بارادہ فریضۂ حج باہر نکلا، بارہ دن بمبئی میں رہا، ۹ر رمضان کو نماز عصر سے پہلے فتح سلطان نامی جہاز میں بیٹھا، جب لنگر اٹھایا گیا ہوا اچھی تھی قریب ساٹھ مرحلے کے ایک دن میں طے ہوگیا، پھر ہوا رک گئی، تین دن تک جہاز نہ چلا، خدا خدا کرکے ۱۲ر رمضان کو ہوا چلی، جب سوار ہوا تھا تین دن تک درد سر رہا، قے ہوا کی، چوتھے دن کچھ ہوش درست ہوئے اس جہاز میں تین سو آدمی تھے، وضو وغسل سمندر کے پانی سے اور کھانا، پینا میٹھے پانی سے جو ساتھ میں رکھ لیا ہوتا تھا ۱۷ر رمضان کو باب سکندر (باب المندب) سے گزر ہوا، ۲۶ر رمضان کو جہاز حدیدہ میں لنگر انداز ہوا، یہاں بارہ دن مقام ہوا، ابھی ہمارے حساب سے ۲۸ ہی تاریخ تھی کہ وہاں رویت ہلال ٹھہر گئی چار ناچار اہل بلد کے ساتھ اتفاق کرنا پڑا، قضا کا روزہ رکھا، عیدگاہ میں دو ہزار کے قریب آدمی آئے ہوں گے (جہاز میں اور یہاں قلمی رسائل کرتے رہے) ۱۰ر شوال کو جہاز میں آنا ہوا، سترہ شوال کو لنگر اٹھا مجموعی قیام اس جگہ کا ۱۸ر دن ہوا جب جہاز چلا راہ میں پھر ہوا بند ہوگئی، تین دن تک کھڑا رہا جب ہوا چلی تو رات کو ابر و باران آیا، دن کو جتنا چلتا رات کو اتنا ہی بسبب ہوائے مخالف کے پلٹ آتا، کچھ نہ پوچھو کیا حال ہوا: پانی باقی ہے نہ کھانا، ایک وقت آدھ پاؤ کھچڑی دو ایک گھونٹ پانی کے بمشکل ملتے تھے، دم گھٹ کر ناک میں آگیا حصن حصین کا ختم کیا، ہوا چلی جہاز روانہ ہوا، ایک رات جہاز کسی پہاڑ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا وہ رات شب ہجر

سے بھی زیادہ سیاہ وسخت و دراز تھی، سنیچر کے دن جہاز میں ذیقعدہ کا چاند دکھائی دیا، ۴ر ذی قعدہ کو سامنا یلملم کا ہوا بعد نماز فجر نہا دھو کر عمرہ کا احرام باندھا تمتع کی نیت کی، خدا خدا کر کے ۹ر ذی قعدہ کو بندر جدہ پر لنگر ہوا۔ جان میں جان آگئی سات دن کا راستہ حدیدہ سے جدہ تک قریب ایک ماہ میں طے ہوا، بمبئی سے تخمیناً دو ماہ میں جدہ پہونچنا ہوا۔ یہاں ۳ دن مقام کیا، ۱۴ر کو محصول جمرک دیکر بعد مغرب روانہ ہوئے جمالوں نے حَدَّہ لیجا کر ڈال دیا وہاں جمع بین الظہرین کر کے آگے بڑھے، آدھی رات کو سید ابوبکر مطوف کے ساتھ باب السلام سے مسجد الحرام میں داخل ہوئے، اعمال عمرہ ترتیب وار ادا کئے، بھیڑ نہ ہونے کی وجہ سے حجر اسود کا بوسہ ہر چکر میں بخوبی میسر ہوا، خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی ساری تکلیف راہ و مصائب سفر و متاعب بحر و بر بھول گئے۔ سعی کے بعد باقی شب حرم میں بسر کی اول وقت مصلائے شافعی پر فجر پڑھ کر منزل پر آنا ہوا، ۲۹ر ذی قعدہ کو قاضی کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت گذری مگر میں نے یا کسی مسافر نے چاند نہیں دیکھا۔

۸ر ذی الحجہ کو احرام حج باندھ کر منیٰ تک پیادہ پا گیا، وہاں سے عرفات تک سوار ہوا، عرفات میں قبل وقوف ساری حزب الاعظم پڑھی بعد غروب مزدلفہ کی طرف کوچ کیا عرفات و منیٰ میں باوقات فرصت کتابت بھی کی ۱۳ر ذی حجہ کو منیٰ سے مکہ آنا ہوا۔

۱۵ر صفر ۱۲۹۶ھ کو قافلہ مدینہ کی طرف چلا خلاف عادت بیسؔ دن میں پہونچا، ایک ہفتہ قیام ہوا حضور مسجد نبوی مع زیارت مرقد مطہر و دیگر مزارات بقیع و شہدائے احد وغیرہ مساجد و چاہ و مسجد وغیرہا میسر آیا، واپسی میں خاص مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھا، بارہ دن میں قافلہ مکہ پہونچا، اس وقت بھی نصف شب تھی مطاف و مسعیٰ کو خالی پایا اور اس کو غنیمت بارد سمجھا جملہ مدت جوار بیت اللہ و اقامت مکہ و مدینہ کی قریب چار ماہ تھی، سچ تو یہ ہے کہ ؎

اوقات ہماں بود کہ با دوست بسر شد　　باقی ہمہ بیحاصلی و بے خبری بود

محلہ ہندی میں قیام تھا، حرم میں آنے جانے کے لئے باب الزیادہ تھا،

واپسی میں فیض الباری نام جہاز ملا اس میں نو سو آدمی تھے، اس کا لنگر بھی حدیدہ میں تین دن رہا اس بندر کا معبر نہایت بدتر ہے، وہاں سے چل کر عدن تک ایسی گرمی ہوئی کہ سارے بدن پر دانے ہو گئے، عدن سے آگے بارش کا موسم ملا، قریب بمبئی طوفان نے جہاز کو تہ و بالا کرنا شروع کر دیا، موج کی گولہ باری

سے ہوش وحواس غلط ہوگئے، بائیس۲۲ دن میں جدہ سے بمبئی پہونچنا ہوا وہاں اوائل جمادی الاولیٰ میں بمشکل تمام بوجہ بارش عام بھوپال تک آنا ہوا، ساری مدت اس سفر کی آٹھ ماہ ہے (ایضاح المحبہ

نواب صاحب کی تصنیفات بہت ہیں، اور عربی وفارسی واردو تینوں زبانوں میں ہیں، آخر آخر میں رئیس کے خاندان والے نواب صاحب کا عروج دیکھ نہ سکے اور وہ درپے آزار ہوگئے اس لئے ان کو جیسا عروج حاصل ہوا تھا ویسا ہی ابتلاء بھی پیش آیا ۱۳۰۷ھ میں انکی وفات ہوئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۴۴ھ میں ہوئی، مولانا مملوک العلی کے پاس درسیات کا اکثر حصہ پڑھا۔ مفتی صدرالدین صاحب سے بھی علوم عقلیہ کا درس لیا، اور صحاح ستہ قریب قریب کل حرفاً حرفاً حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے پاس پڑھا، شاہ احمد سعید صاحب بھی آپ کے اساتذہ میں تھے۔ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے اجل خلفاء میں تھے۔ علوم حدیث وفقہ میں کمال مہارت کے ساتھ ساتھ ذکر وعبادت، تقوی طہارت اور اصلاح وتربیت میں ان کا کوئی ہم سران کے زمانہ میں نہ تھا۔ ان کے تلامذہ ومریدین اور دیگر حالات وواقعات کی تفصیل تذکرۃ الرشید میں پڑھیے، مجھے اس جگہ صرف آپ کے حج اور سفر حج کا تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

حضرت نے تین حج کئے ہیں، حج فرض کے علاوہ آپ نے دو حج بدل ایک اپنے والد بزرگوار کی طرف سے اور ایک مادر محترمہ کیجانب سے کئے ہیں۔

آپ نے پہلا حج ۱۲۸۰ھ میں کیا ہے، اس سن کے اوائل میں آپ رام پوری قافلہ کے ساتھ بمعیت حکیم ضیاء الدین رام پوری کراچی کی طرف روانہ ہوئے آپکے ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر صاحب بھی ساتھ تھے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کہتے ہیں کہ

"اس زمانہ میں حج کا سفر اس زمانہ کا سفر حج نہ تھا کہ گھر سے باہر نکل کر ریل میں بیٹھے تو تیسرے دن بمبئی اور بمبئی سے دخانی جہاز میں بیٹھے تو بارھویں دن باب الحرمین یعنی جدہ کا بندرگاہ دکھائی دینے لگا۔ اس وقت کی سہولت وراحت کو اس وقت کی صعوبت ومشقت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو زمین وآسمان کا فرق معلوم ہوتا۔ اور یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حج کا فریضہ ادا میں جس قدر دشوار تھا، اتنی مشکل کوئی عبادت نہ تھی، ہفتوں چھکڑے

اور بہلیوں میں بیٹھنا پڑتا تھا جن کے ہچکولوں سے ہڈیوں کا چورا ہوتا تھا، مہینوں پانی میں چلنا پڑتا تھا دریائی سفران بڑی کشتیوں میں طے کیا جاتا تھا جن کو بغلہ کہتے ہیں، بغلہ میں بقدر وسعت تیس چالیس آدمی بیٹھتے اور مرطوب ہوا کے جھوکوں سے دوران سر میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے پر جا پڑتے تھے، اٹھتے تو چکر اور استفراغ بیہوش بناتا، اور پڑتے تو غشی کا بادل چھاتا چلا جاتا تھا، یہ بغلے بادبانوں کے ذریعہ سے ہوا کے رُخ پر چلائے جاتے تھے، جن کو ملاح کھیتے اور دن بھر چلا کر شام کے وقت کسی بستی کے قریب کنارے پر باندھ دیا کرتے تھے، اس وقت مدہوش پڑی ہوئی سواریاں اٹھا کر تیں گھاس پھونس سے کچی پکی کھچڑی تیار ہوتی اور اللہ عزیز کر کے کھالی جاتی تھی۔ وقت ملتا تو دن بھر کے تھکے ماندے کچھ تکان رفع کرتے ورنہ یونہی پڑے آسمان کو تکتے رہتے تھے، صبح سے قبل ٹھنڈے وقت جُھک مٹکے میں اس چھوٹے جہاز کا لنگر پھر کھول دیا جاتا تھا، خدا خدا کر کے بندرگاہ کا کنارہ نظر آتا اور خشکی پر اترنا نصیب ہوتا تھا، کراچی سے پھر بادبانی جہاز کا سفر ہوتا تھا جو عموماً بمبئی کے بندرگاہ سے مال بھرتا ہوا عدن و مکلا و صنعا، و مخا اور یمن کے دیگر بندرگاہوں پر ٹھیرتا مال چڑھاتا اُتارتا تا جدہ پہونچا کرتا تھا، چونکہ اس جہاز کا ظاہری دارومدار مضبوط کپڑے کے پردوں یعنی ان بادبانوں پر تھا جن کو ہوا کے رُخ پر باندھا جاتا تھا کہ ہوا کے تند جھونکے ان سے ٹکرا کر جہاز کو پانی میں کاٹتے ہوئے آگے کو دھکیلیں اس لئے اول تو قطع مسافت میں زمانہ زیادہ گذرتا تھا اور دوسرے ہوا کے رُخ بدل جانے پر جہاز بھی اپنا منہ پھیر لیتا تھا، اکثر ایسے اتفاقات سننے میں آئے ہیں کہ چلتے چلتے جدہ کا کنارہ نظر آیا اور ہوا پلٹی تو جہاز کی الٹی رفتار اور پچھلے پاؤں لوٹنے سے بمبئی کا کنارہ دکھائی دینے لگا ہے۔ ان بیچارے مسافروں پر جنکو نیچے پانی اور اوپر آسمان کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا ایسے حسرتناک وقت میں جو کچھ گزرتا ہوگا وہ انھیں کا دل جانتا ہے، آج تو بحری و بری ہر دو سفر دخانی قوت سے بفضل اللہ اس درجہ سہل ہو گئے کہ پچھلی مشقت کا سمجھنا بھی دشوار ہو گیا، بادی جہازوں میں عموماً ہندوستان سے جدہ تک پہونچنا تین چار ماہ میں ہوتا تھا ہاں اگر تقدیر یاوری کرتی تھی تو بعض دفعہ دخانی جہاز سے بھی وقت کم صرف ہوتا اور چھٹے ساتویں دن ہی موافق ہوا کے تیز دھکے بھاری اور بڑے سے بڑے جہاز کو جدہ پہونچا دیتے تھے۔

اس مشقت والے سفر کے زمانہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کو بمعیت رامپوری جماعت کثیرہ

کے اس پہلے سفرِ حج کا اتفاق ہوا جس کو حج فرض کہا جاتا ہے، چنانچہ آپ فیروز پور تک چھکڑے میں بیٹھے اور وہاں سے کشتیوں میں بہاولپور کے نیچے کو گذرتے ہوئے حیدرآباد سندھ پہونچے، وہاں سے بغلہ میں سوار ہو کر کراچی بندر آئے اور کراچی سے بغلہ ہی کی سواری میں بمبئی تک پہونچے، آپ کے ناز پروردہ جسم اور نازک بدن نے اس کٹھن سفر کی ساری مشقتیں راحت سمجھ کر برداشت کیں، سارے سفر میں آپ کی ایک نماز بھی قضا نہیں ہونے پائی، آپ سفر میں بھی اسی طرح اپنے خدا کی یاد میں لگے رہے جیسا کہ حضرت کی حالت میں وطن کے اندر لگے ہوئے تھے، سفر کی وہ پریشانیاں جو مسافروں کو گھبرا دیا کرتی ہیں آپ پر کچھ بھی اثر نہ ڈال سکیں، آپ ہر ناکامی میں ایسے ہی بشاش و مسرور رہے جیسا کامیابی پر ہونا چاہیئے تھا وقت یا تکلیف کا جو مضمون بھی پیش آتا چونکہ آپ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے اس لئے کبھی اس سے اکتاتے نہ تھے، الغرض جہاز آیا اور کرایہ طے ہو گیا، سب نے ٹکٹ لے لئے اور جہاز پر سوار ہو گئے سواریاں سوار ہو کر منتظر تھیں کہ جہاز لنگر اٹھائے، آفتاب غروب ہو گیا مگر جہاز نے لنگر نہ اٹھایا، انتظار کی تکلیف برداشت ہونا آسان نہیں ہے۔ روانگی میں اتنی تاخیر کا ہونا تھا کہ چاروں طرف پریشانی چھا گئی کہ دیکھئے جہاز کب لنگر اٹھائیگا اور کب روانہ ہو گا، اسی حالت پر کئی دن گذر گئے اور لوگوں کا انتشار پر انتشار بڑھتا رہا، کئی دن تک کنارے پر بندھے ہوئے جہاز میں بیٹھے بیٹھے سب اکتا گئے، حضرت امام ربانی کے سوائے جہاز کا کوئی مسافر ایسا نہ تھا جو کم و بیش پریشان خاطر نہ ہوا ہو، حضرت امام ربانی نے جب رفقاء کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ "میاں گھبراتے کیوں ہو، جہاز چوتھے روز روانہ ہو گا۔" خدا خدا کر کے چوتھا دن آیا تو اس کے پل پل اور لحظہ لحظہ پر مسافروں کی نگاہ تھی کہ دیکھئے آج بھی روانگی ہوتی ہے یا نہیں، آخر آدھا دن گزرنے پر بھی جب روانگی کا کوئی اثر و نشان نہ پایا تو لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آج تو چوتھا دن تھا لیجئے آج بھی رہے، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کپتان نے لنگر کھلوا کر جہاز چھوڑ دیا۔ بسم اللّٰہ مجرٖیھا و مرسٰیھا کی آوازیں جہاز میں گونج اٹھیں۔

چھوٹا سا جہاز یعنی بغلہ جس وقت کراچی سے روانہ ہو کر بسوئے بمبئی جا رہا تھا، کنارہ چھوٹے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا کہ دفعۃً غلیظ ابر آسمان پر نظر آیا جو آگے بڑھتا اور اوپر چڑھتا بغلہ کے سر پر آ ٹھہرا اور برسنا شروع ہوا تند ہوا کے تھپیڑوں نے بغلہ کو ہلا دیا اور ٹھنڈے پڑے پانی میں جوش پیدا کر دیا۔

سمندر میں تلاطم پیدا ہوگیا اور اطمینان سے بیٹھی ہوئی سواریوں کو ایک سخت طوفان نے آدبایا، جہاز کے ناخدا نے اول تو بادبانوں کے ذریعہ سے ہوا کی روک تھام کی مگر جب جہاز کی حفاظت قابو اور اختیار سے باہر ہوگئی تو مایوس ہوگیا تھک گیا اور یہ الفاظ کہے کہ "حاجیو دعا مانگو طوفان آگیا" طوفان کا نام ہی ایسا موحش ہے کہ انسان گھبرا اٹھتا ہے، اور جن پر بحری سفر کے وقت یہ حالت گزری ہو انکی سراسیمگی کا تو پوچھنا ہی کیا؟ اس دہشت ناک منظر کے وقت جبکہ سمندر کی موجیں پہاڑ بن بن کر جہاز کو تہ وبالا کرتی ہیں بڑے بڑے باہمت بہادر گھبرا اٹھتے ہیں بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک اس ہیبتناک نظارہ کا پیش خیمہ ہے اور تلخ و شور پانی میں ڈوب کر جان دینا نتیجہ و انجام، پھر بھلا بغلہ کی تو ہستی کیا۔

کراچی و بمبئی کے مابین طوفان کا آنا تھا کہ جہاز والوں کے چھکے چھوٹ گئے اور ناخدا تک کے ہاتھ پاؤں پھول گئے سواریوں میں ہلچل پڑگئی، کسی طرف آہ وبکا اور گریہ وزاری اور کہیں وحشت و سراسیمگی اور سکوت و تحیر، جسکو دیکھئے پریشان حال اور جسے خیال کیجئے مضطرب و خائف اس وقت امام ربانی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا "بھئی کوئی مرے گا تو ہے نہیں، ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جارہے ہیں، خود نہیں جارہے ہیں، یہ اطمینان کے کلمات حضرت نے غایت طمانینت کے ساتھ رفقاء سفر کو سنائے مگر وہ تسکین و تسلی جو خداداد آپ کو حاصل تھی دوسروں کو حاصل ہونی دشوار تھی اس لئے اضطراب رفع نہ ہوسکا یہانتک کہ تیسرے دن بادل پھٹ گیا ہوا تھم گئی تلاطم کمزور پڑگیا اور جہاز اپنی اصلی رفتار پر چلنے لگا۔

جس وقت بغلہ اپنی حالت پر آگیا اس وقت حجاج کو اطمینان حاصل ہوا اور ناخدا نے وہ گھڑی دیکھی جس سے پتہ معلوم ہو کہ بغلہ کہاں چل رہا ہے اور طوفان کے طمانچوں سے راہ راست کتنی مسافت پر چھوڑ آیا ہے، ناخدا گھڑی دیکھکر حیران ہوگیا اور سواریوں سے مخاطب ہوکر بولا کہ طوفان تمہارے سفر کا بڑا رفیق نکلا آج اس وقت جہاز اس جگہ چل رہا ہے کہ معمولی ہواہیں آٹھ روز تک بھی یہاں نہ پہونچ سکتا، طوفان میں جہاز بالکل سیدھے راستہ چلا چند گھنٹوں میں تند ہوا نے چندروز کی مسافت قطع کرادی۔

چنانچہ بخیر و عافیت سارا قافلہ کئی بندرگاہوں پر ٹھہر کر جدہ پہونچا اور وہاں سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ تمام ہمراہیوں سمیت اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

بلدۃ الحرام میں حج وغیرہ کے علاوہ اپنے شیخ برحق مرشد العرب والعجم اعلیٰحضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے فیض صحبت کی جو جو نعمتیں آپنے حاصل فرمائیں ان کا کسی کو علم ہی کیا ہے جو بیان کیجائیں، مختصر یہ ہے کہ جب تک آپ مکہ معظمہ میں مقیم رہے فرطِ محبت کے باعث آپ کو اعلیٰحضرت نے اپنے ہی پاس رکھا حج کیلئے عرفات جاتے وقت آپ کا اونٹ اعلیٰحضرت نے اپنے اونٹ کے متصل کیا اور منیٰ و مزدلفہ میں آپ اپنے ساتھ ہی لگائے رکھا۔

مکہ معظمہ ہی میں آپ مقیم تھے کہ بدن مبارک میں خارش کا اثر محسوس ہوا اور دن بدن زیادتی ہوتی رہی، آپ جس لازوال دولت سے مالا مال ہونے کے لئے گنگوہ سے چلے تھے اس کے تحصیل کی مشغولیت اور حصول کی لذت [1] نے مرض کے علاج کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا، مرض اندر ہی اندر بڑھتا اور بدن پر پھیلتا رہا، یہانتک کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد سلطانی راستہ سے مدینہ منورہ جانے والا قافلہ تیار ہوا اور آپ اپنے رامپوری مجمع کے ساتھ بلدۃ الرسول کیجانب روانہ ہوگئے

مدینۃ الرسول میں داخل ہوکر روضۂ اطہر کی حاضری ہوئی جو دنیا میں آنیوالے ہر مسلمان کا منتہائے مراد اور اقصیٰ مقصود ہے اور پھر آپ اپنے شفیق استاذ شیخ العصر سیدنا مولٰنا شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے یہاں کی چند روزہ حاضری میں جو بھرپور خزانے آپ کو حاصل ہوئے اس کی اطلاع بھی کسی دوسرے کو نہیں ہے، بیت اللہ شیخ طریقت کے گھربار دربار کا حضور تھا اور بیت الرسول میں شیخ شریعت کے سدا بہار گلزار کی گل چینی، غرض حرمین شریفین میں بیت اللہ و بیت الرسول کا جوار حاصل کرنے والے دونوں آفتاب و ماہتاب ہند مربی آپ کی ترقی مراتب کا وسیلہ بنے آخر کار قافلہ کی واپسی کا وقت قریب آگیا اور مراجعت جماعت متعین ہوگئی، رامپوری قافلہ کے میر قافلہ ڈپٹی عبدالحق صاحب نے جنت البقیع کی پاک زمین سے علٰحدگی نہ چاہی وہیں انتقال فرمایا اور قیامت تک کیلئے جوارِ رسول کے شرف سے بہرہ مند ہوئے امام ربانی قدس سرہٗ معہ ہمراہیاں مکہ معظمہ واپس ہوئے اور وہاں سے ہندوستان کی جانب مراجعت فرمائی۔

---

[1] ایک مرتبہ حضرت ؒ فرماتے تھے کہ ہندوستان میں موذن برے بھلے ہر قسم کے رکھ لئے جاتے ہیں مگر عرب میں اونچی آواز والے خوش الحان موذن بنائے جاتے ہیں، اسکے بعد ایک موذن کا تذکرہ فرمایا کہ بڑے خوش الحان تھے، حرم شریف میں جس منارہ پر اذان دیتے تھے اسکے نیچے ہم رہتے تھے، وہ اوپر اذان دیا کرتے تھے اور ہم نیچے لوٹا کرتے تھے، اُسوقت ہمارے بدن پر خارش نکلی ہوئی تھی۔ ۱۲ از مولوی ولایت حسین

۱۲۸۱؁ ہجری دو ماہ ہوئے شروع ہو چکا تھا، خارش جسکی ابتداء مکہ معظمہ میں ہو چکی تھی دن بدن رو بترقی تھی اول خشک تھی اب تر ہو گئی تھی ابتداءً معمولی تھی اور اسوقت ہولناک بن گئی تھی اسی حالت میں آپ جہاز پر سوار ہو گئے جہاز پر سوار ہونا تھا کہ دفعۃً بخار چڑھا اور اتنا شدید کہ سرسام ہو گیا۔ تین دن تک بے ہوش رہے، دست جاری ہوئے اور اتنی تعداد میں کہ گنتی دشوار ہو گئی (اس کے بعد بیماری کی تفصیل، مولوی ابوالنصر صاحب کی غیر معمولی خدمت گذاری و تیمارداری کا ذکر ہے، جزاہ اللہ خیرا) حضرت کا مرض اس درجہ شدید ہو گیا تھا کہ صحت کا خیال محض وہم اور گمان ہی گمان رہ گیا تھا۔ بمبئی پہونچکر علاج بھی ہوا اور پوری کوشش کے ساتھ ہوا مگر رائی کے دانہ برابر مرض میں کمی نہ ہوئی بمبئی میں ایک مہینہ قیام ہوا، مزید قیام قافلہ والوں کیلئے سخت دشوار تھا، ناچار وہاں سے روانگی ہوئی، کسارا تک ریل پر رامپوری قافلہ کے ساتھ آئے، ریل ابھی وہیں تک تھی کسارا سے اندور تک دوسری سواریوں میں سارے قافلہ نے سفر کیا اب یہاں سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ تھی اسلئے کہ مریض کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی قافلہ والوں کو کہہ دیا گیا کہ آپ لوگ جائیں، مولوی ابوالنصر حضرت کو لیکر اندور میں ٹھہر گئے اور کسی طرح حکیم محمد اعظم خاں دہلوی طبیب خاص مہاراجہ اندور مؤلف اکسیر اعظم کو سرائے میں جہاں قیام تھا لائے حضرت کو دکھا کر ان کا علاج شروع کیا، غیبی امدادوں کا ایسا ایسا ظہور ہوا کہ باید و شاید، اسی اثناء میں سکندر جہاں بیگم والیۂ بھوپال کا اندور میں ورود ہوا، اور انھوں نے دو سو روپے بتقریب دعوت اہلیہ ابوالنصر کو بھیجا، حکیم محمد اعظم کے علاج سے حضرت کو بہت نفع ہوا اور حکیم صاحب نے مولوی ابوالنصر صاحب کو مشورہ دیا کہ حالت قابل اطمینان ہے اب بسم اللہ کرو اور وطن کو جاؤ، مگر دوا کا استعمال جاری رہے، چنانچہ اندور میں ایک ماہ قیام کے بعد وطن روانہ ہوئے، کچھ گوالیار میں قیام ہوا اور وہاں سے چل کر میرٹھ میں ٹھہرے اس کے بعد بخیر و عافیت گنگوہ پہونچے، اوائل ۱۲۸۰؁ میں حج کو تشریف لے گئے، اور محرم ۱۲۸۲؁ میں وطن واپس ہوئے۔

(دوسرا حج) ۱۲۹۴؁ وہ سال تھا جس میں ٹرکی و روس میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور طبعاً ہر مسلمان ٹرکی کی فتحیابی کا متمنی تھا، اسی سال حضرت نے حج کا قصد فرمایا جسوقت دیگر حضرات کو خبر ہوئی تو سرزمین ہند کے چیدہ علماء سب ہی معیت کے لئے تیار ہو گئے مشاہیر علماء میں

آپ کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم، حکیم ضیاء الدین، مولانا محمد مظہر مع اہلیہ، مولانا رفیع الدین دیوبندی مولانا محمود حسن، حکیم محمد حسن، مولوی حکیم محمد اسماعیل، مولانا محمد منیر، مولوی احمد حسن کانپوری مع اہلیہ وغیرہم شریک کارواں تھے، پورا قافلہ سو سے اوپر کا تھا، مولانا محمود حسن، حکیم محمد حسن اور مولانا رفیع الدین، ۸ر شوال کو وطن اور دیوبند سے روانہ ہو کر بمبئی پہونچ گئے، اور حضرت گنگوہی ۱۴ر شوال کو سہارن پور میں ریل پر سوار ہوئے، اس سال ریل بمبئی تک جاری ہوگئی تھی، اور بمبئی سے جدہ تک آگبوٹ (اسٹیمر) چلنے لگے تھے، غازی آباد میں ریل بدلی جاتی تھی اور پھر الہ آباد سے کلکتہ لائن چھوڑ کر جبل پور دوسری گاڑی میں بیٹھنا پڑتا تھا، جبل پور سے بمبئی تک ریل کا سلسلہ قائم تھا۔ دو گاڑیاں چلتی تھیں، ایک سواری گاڑی جو دن بھر چلتی تھی اور جہاں رات ہوتی وہاں شب گزارتی، دوسری ڈاک گاڑی جو دن رات چلتی تھی، اس کا کرایہ زیادہ تھا، وقت کی بچت کے سوا اور کوئی فرق آسائش میں نہ تھا۔

منشی ممتاز علی صاحب کمبوہ کے اصرار سے اٹاوہ میں قافلہ کو رکنا پڑا، اس مبارک سفر کی شہرت بہت عام ہوگئی تھی اس لئے ہر اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں کا ہجوم ملتا تھا جس کی قسمت میں بیعت مقدر تھی وہ اجازت لیکر ساتھ ہو جاتا تھا، مولانا احمد حسن کانپوری اس وقت ایسے معتقد تھے کہ گھنٹوں حضرت کے پاؤں دباتے تھے، وہ مع اہلیہ کے اس قافلہ میں تھے۔ الہ آباد سے جبل پور پہونچے تو ڈاک کی ایک گاڑی رزرو کرالی گئی اور محصول سارے قافلہ پر تقسیم کر دیا گیا اس طرح پر بمبئی تک کا کرایہ فی کس پچیس ۲۵ روپیہ پڑا۔

بمبئی پہونچکر حضرت نے رحمت اللہ انبیٹھوی کے حجرہ میں جو حکیم اسماعیل کی مسجد کے مؤذن تھے قیام فرمایا۔

ریل کے سفر میں امامت اکثر حضرت گنگوہی فرماتے یا مولٰنا محمد یعقوب صاحب بمبئی میں قافلہ کو ۴ دن ٹھہرنا پڑا، ۴ دن کے بعد جرمنی کا ایک جہاز بمبئی پہونچا حاجی قاسم نے ٹھیکہ لیا اور شام ہی کو ٹکٹ فروخت کرنا شروع کر دیا،

اکثر اہل قافلہ نے تنق کا کرایہ ادا کیا اور ان حضرات نے باقی قافلہ والوں کے ساتھ چھتری کے ٹکٹ لئے، اگلے دن کشتیاں کنارہ پر آگئیں اور جدہ جانے والے سارے مسافر جہاز

پر سوار ہوگئے، دوسرے دن جہاز نے عرب کا رُخ کیا اور سیٹی بجا کر روانہ ہوگیا، کپتان عیسائی تھا مگر شریف ونیک مزاج اس لئے مسافروں کو بڑی راحت رہی، جہاز میں بڑی لمبی صف بندی ہوکر پانچوں نمازیں باجماعت ہوتی تھیں، آٹھویں دن جہاز عدن پہونچا اور ایک رات وہاں ٹھہر کر بجاز روانہ ہوا، چوتھے دن جدہ کا بندرگاہ نظر آیا، کپتان کی درخواست پر خوشنودی اور راحت یابی کی ایک سند عربی میں لکھ کر کپتان کو دی گئی اس پر حضرت نے بھی دستخط کیا اس کا انگریزی ترجمہ کرا کے بھی اس کو دیا گیا۔

یلملم کے قریب پہونچکر حضرت نے وعظ بیان کیا اور سب نے احرام باندھا مولوی محمد حسن میرٹھی کو اس سال مطوفی ملی تھی وہ حضرت حاجی صاحب سے اجازت لیکر جدہ آئے اور بندرگاہ پر قافلہ کا استقبال کیا، ان کو ان حضرات کی مطوفی کا شرف ملا تو دوسرے معلمین کو حسد ہوا اس کے نتیجے میں بمشکل تمام انکو کرایہ کے اونٹ مل سکے اور ۲؍ ذی قعدہ کو جدہ سے مکہ روانگی ہوسکی۔

شبری کے اونٹ کا کرایہ للعہ تھا اور شغدف کے اونٹ کا کرایہ پانچ روپیہ جو اونٹ اول وقت چل نکلے تھے انھوں نے بحرہ میں اور باقی قافلہ نے جدہ میں قیام کیا اگلے دن شب کے وقت مکہ معظمہ پہونچے۔

حضرت حاجی صاحب کو پہلے سے اطلاع مل چکی تھی اس لئے جوش محبت میں شہر سے باہر آکر کھڑے انتظار کر رہے تھے، جب قافلہ باب مکہ پر پہونچا تو قافلہ والوں نے دیکھا کہ پٹکے سے کمر باندھے فصیل کے پاس حضرت کھڑے ہیں، شیخ کے شیدا اسی وقت سواری سے اتر پڑے اور بغل گیر ہوکر خوب دل کھول کر ملے۔ حضرت حاجی صاحب سب کو اپنی رباط میں لائے یہ مکان اسی سال ملا تھا، صبح کو دعوت بھی آپ ہی کے دسترخوان پر ہوئی۔ قافلہ کا اکثر حصہ آخر تک اس رباط میں رہا۔

حج کا زمانہ قریب تھا اس سے فراغت حاصل کی اس کے بعد حضرت گنگوہی قافلہ کے ہمراہ سلطانی راستہ سے مدینۃ الرسول روانہ ہوئے، ابھی شہر سے باہر ہی تھے کہ رات ہوگئی اور شہر پناہ کے دروازے بند کر دئے گئے۔ اس لئے مناخہ میں رات بسر کرنا پڑی، صبح کو مسجد نبوی میں نماز باجماعت ادا کی، اور صلاۃ وسلام سے فارغ ہوکر تاطلوع آفتاب مواجہہ شریفہ میں

میں مراقب رہے، پھر حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت حاضر ہوئے حضرت بہت مسرور ہوئے سب سے مصافحہ کیا اور سب کا حال پوچھا۔

مدینہ مقدسہ میں کم وبیش بیس دن قیام رہا، حضرت شاہ صاحب نے ملا سفر نامی ایک بخاری کو حضرت کے حوالہ کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ قبا، قبلتین، وابیار سبعہ وجبل احد ساری زیارت گاہوں پر حاضری دی۔ تقریباً بیس دن قیام کے بعد قافلہ مکہ معظمہ واپس ہوا، پھر باطمینان ایک مہینہ سے زیادہ مکہ معظمہ میں قیام کیا، جن لوگوں کے پاس خرچ کم رہ گیا تھا یا وطن پہونچنے کی ضرورت تھی وہ جہاز میں واپس ہو گئے، ایک ماہ گذرنے پر بہتوں کے پاس خرچ کم رہ گیا ناچار حضرت حاجی صاحب نے حضرت کو بھی واپسی کا مشورہ دیا۔ جدہ آکر جو جہاز کھڑا تھا اسی کا ٹکٹ لے کر سوار ہو گئے، اور تیرھویں دن بمبئی پہونچ گئے ۱۲۹۵ھ میں گنگوہ واپسی ہوئی حضرت مولانا قاسم صاحب کو اسی سفر میں علالت لاحق ہوئی جو ۱۲۹۷ھ میں آخر جان ہی لیکر گئی۔

(تیسرا حج) حضرت گنگوہی نے ۱۲۹۹ھ میں تیسرے حج کی تیاری کی جو دوسرا حج بدل تھا اس سفر کا تہیہ دفعۃً ہوا وقت اتنا تنگ ہو گیا تھا کہ حج ملنے کی لوگوں کو امید نہ تھی، چوتھی ذی قعدہ کو آپ روانہ ہوئے۔ اسی سال کامران میں سلطان روم (ترکی) کیطرف سے قرنطینہ قائم ہوا تھا، جو حجاج براہ عدن جائیں وہ کامران میں صحت جسمانی کے امتحان کو دس یوم خس پوش مکان میں ٹھہریں، حج میں صرف بارہ چودہ روز باقی تھے کہ ایک جہاز آیا اور ٹکٹ تقسیم ہونے لگا، حضرت نے اسی جہاز کا ٹکٹ خریدا اور اس میں سوار ہو گئے۔ جہاز نے بمبئی سے لنگر اٹھایا تو ساتویں دن سیدھا عدن پہونچا اور چند گھنٹے بندرگاہ عدن میں ٹھہر کر وہاں سے چلا تو نویں دن جدہ نظر آنے لگا۔ جہاز کے لنگر ڈالتے ہی مسافر کشتیوں پر سوار ہو گئے اور خشکی پر اترے کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کامران کیا شئے ہے اور کدھر واقع ہے واپسی میں اس جہاز کو یہ سزا ملی کہ بیس دن کا قرنطینہ ہوا، اور تین ہزار روپیہ جرمانہ، جدہ سے اونٹ کا بندوبست جلدی ہو گیا اور مکہ پہونچکر اگلے دن ارکانِ حج شروع ہو گئے۔ نہایت اطمینان کے ساتھ آپ وقت پر منیٰ روانہ ہوئے۔

حجاز میں تیسری دفعہ حضرت حاجی صاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس سفر میں مفتی عنایت احمد صاحب سے ملاقات ہوئی، مفتی صاحب بقصد ہجرت بمبئی میں ٹھہرے ہوئے

تھے جب ان کو خبر ہوئی تو ملنے کے لئے آئے، حضرت گنگوہی ان سے ناواقف تھے اس لئے انھوں نے خود ہی اپنا تعارف کرایا اور فرمایا کہ ہم نے سنا کہ آپ اہلِ علم ہیں اور شاہ ولی اللہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ملنے کو دل چاہا، غرض تھوڑی دیر بیٹھے اور چلے گئے، حضرت نے فرمایا کہ جب مفتی صاحب بوڑھے آدمی ہوکر مجھ سے ملنے کو خود تشریف لائے تو میں کیوں نہ جاتا آخر دوسرے دن میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا، دیر تک باتیں ہوتی رہیں اسکے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب کو شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان سے نہایت محبّت تھی اسکے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب اور جہاز سے گئے اور میں دوسرے جہاز میں گیا خدا کی شان جس جہاز سے وہ گئے وہ جہاز تباہ ہوگیا اور سواریاں غرق ہوگئیں "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ حضرت کا یہ آخری حج تھا۔ حضرت کی وفات ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔

مولوی زینُ اللہ بستویُ

آپ موضع دریاباد پرگنہ مگھر ضلع بستی کے باشندہ، اور ریاست چھتر پور (بندیل کھنڈ) میں مدرس تھے، آپ نے ۱۳۹۰ھ میں برفاقت خواجہ احمد حسین خاں معتمد خاص والی رام پور حج کیا اور خود توشۂ حجاج کے نام سے اس سفر کی روئداد لکھی، یہ رسالہ ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوا ہے۔

اس میں لکھتے ہیں کہ مدرسہ چھتر پور میں ان کو بیس (۲۰) روپیہ ماہوار ملتے تھے، ۲۴ر رمضان ۱۲۹۰ھ کو روانہ ہوئے ۲۷ [1] ماہ مذکور کو بمبئی پہونچے، دخانی جہاز (آگبوٹ) کے آنے اور ملنے میں دیر تھی اس لئے چند روز بمبئی میں ٹھہرنا پڑا، ۱۲ر شوال کو آگبوٹ جان فریڈ عرف کو منا میں ۴۵ روپیہ کرایہ دے کر سوار ہوئے اس جہاز میں ایکہزار سے زیادہ مسافروں کو لینے کا حکم نہیں تھا، انگریزی جہاز تھا جسمیں ۱۵ سو آدمی سوار ہوتے تھے اور وہ نو دن میں جدہ (جس کا فاصلہ بمبئی سے تیس ہزار میل ہے [2]) پہونچتا تھا۔

جو کرایہ ہم نے دیا وہ نتق کا تھا، نتق کے دو درجے ہوتے ہیں ایک وہ جو سب سے نیچے ہوتا ہے اسمیں فقط مال رہتا ہے، اس میں آدمی سوار ہوں تو شاید نصف سے زیادہ مرے ہوئے ملیں دوسرا درجہ مال والے کے اوپر ہوتا ہے اسی میں ہم سوار ہوئے اور بہت تکلیف اٹھائی، گرمی بدبو، پسوؤں اور جوؤں کی کثرت سے وہ اذیت برداشت کرنا پڑی کہ معاذ اللہ

[1] ...میں ۱۷ر ماہ ...ر چھپا ہے

[2] ...رسالہ میں یونہی مذکور ہے

جہاز کا ایک درجہ دبوسا (کذا) کہلاتا ہے نہایت آراستہ و پیراستہ کمرہ کی طرح ہوتا ہے اس کا کرایہ نوسو روپئے ہے، پانچ چھ آدمی شریک ہو کر لیتے ہیں۔

دبوسا کے دونوں جانب آراستہ کوٹھریاں بھی ہوتی ہیں، ایک کوٹھری تین سو روپئے کو ملتی ہے اس میں تین آدمی تک شریک ہو کر بیٹھتے ہیں پھر اس سے گھٹ کر اوپر کی چھتری ہے اس پر بھی بڑا آرام ہے، اس کا کرایہ ساٹھ ستر روپئے تک ہے۔

۳ رشوال ۱۲۹۰ھ کو جہاز بندر عدن پر لنگر انداز ہوا، ہم یہاں دو دن مقیم رہے اور شہر دیکھا ۲۴ رشوال کو لنگر اٹھا اور جہاز   کی جانب روانہ ہوا دوسرے دن یلملم پہاڑ ملا اس موقع پر احرام باندھا جاتا ہے ۲۸ رشوال کو ۳ بجے دن میں جہاز جدہ کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا اور شیدیوں نے اپنی کشتیوں میں حاجیوں کو ان کے سامان سمیت سوار کر کے دریا کے کنارے پہونچا دیا اور فی کس آٹھ آٹھ آنے لئے۔ مطوفین کے آدمی حاجیوں کو لینے کیلئے جدہ آجاتے ہیں، جدہ سے مکہ تک اونٹ کا کرایہ اگر شقدف (کذا) کیجئے تو ۳ ریال اور اگر شبری کیجئے تو دو ریال ہے۔

ہم ۲۷ر (یہاں کچھ غلطی ہے) شوال کو سواری شتر جدہ سے روانہ ہوئے اور ۲۹ رشوال کو مکہ معظمہ پہونچے۔ سید ابو بکر مطوف کے یہاں ٹھہرے، ۷ رذی الحجہ کو امام خطبہ پڑھ رہا تھا کہ عین اسی وقت شامی قافلہ آیا اور اس نے گواہی دی کہ آج آٹھویں ذی الحجہ ہے چونکہ ایک دن کا فرق پڑ گیا اس لئے جلدی جلدی تیاری کرنے میں حاجیوں کو بہت تکلیف ہوئی تمام لوگ گھبرا کر کوئی رات کو کوئی علی الصباح اندھیرے سے اونٹوں اور خچروں کا کرایہ کر کے جانبِ عرفات روانہ ہونا شروع ہوئے، محتاج لوگ پاپیادہ جاتے ہیں، مکہ سے عرفات کا واپسی کرایہ فی اونٹ دو ریال اور فی خچر نصف ریال بدرجہ اوسط مقرر ہے، اس سال ایرانی شیعوں کی کثرت کی وجہ سے اونٹ کا کرایہ اور ہر چیز بہت گراں تھی۔ اس سال بہ نسبت ہر سال سابق کے زیادہ حجاج جمع ہوئے، یقین ہے کہ دس بارہ لاکھ آدمی سے بھی سوا ہوں گے۔ میدان بازار عرفات اور مزدلفہ کا نہایت گلزار اور ہر شئی موجود اور منیٰ میں بازار نہایت عمدہ پختہ سنگین بنا ہوا ہے۔

۱۲ر ذی حجہ روز جمعہ کو ہم منیٰ سے رخصت ہو کر حرم شریف پہونچے اور طواف و زیارت سے مشرف ہوئے۔

۲۳ر ذی الحجہ ۱۲۹۰؁ دوشنبہ کو بعد ظہر مکہ سے ہمارا قافلہ جانب طیبہ بچہ روانہ ہوا، شقدف کی سواری سے اونٹ کا کرایہ بدرجہ اوسط فی کس دونوں طرف کا ۴۴ ریال، اور شبری سے ۳۳ ریال مقرر ہے، اس سال کثرت حجاج وزوار کیوجہ سے پچیس ۲۵ تک پہونچ گیا، جسکے سوا چھپن روپئے چہرہ شاھی ہوتے ہیں، شتربان نصف کرایہ روانگی سے پہلے وصول کر لیتے ہیں، راستہ میں کھانا اور پانی بھی انکو دینا پڑتا ہے ورنہ بہت ستاتے ہیں۔

مکہ سے چل کر شام کو ہم وادی فاطمہ پہونچے، نہر زبیدہ کا پانی نہایت شیریں اور شفاف ہے، نکالئے تو گرم، اور تھوڑی دیر رکھد یجئے تو برف کی طرف سرد ہو جاتا، اس منزل میں امن وامان رہا، امید ہے دوسری منزلوں میں بھی امن رہے گا، اول قافلہ سالار بدّو اں نہایت عقیل اور صاحب علم ہے دوسری بیگم صاحبہ جونا گڈھ بڑی ہوشیار اور جہاں دیدہ ہیں، اس لئے کہ بیگم صاحبہ کا ساتواں حج ہے۔ علاوہ بریں ان کے سپاہی تمام شب پہرہ دیتے رہتے ہیں، اور خود بھی پہرہ لیتی ہیں۔ رات میں نہیں سوتیں، صبح کو دن چڑھے تک سوتی ہیں۔ ۲۴ر ذی الحجہ کو قافلہ وادی فاطمہ سے روانہ ہو کر دس بجے رات کو مقام اسفند (عسفان) میں پہونچا۔ اس جگہ بھی پانی کثرت سے اور شیریں ملا اور ہر طرح امن رہا۔ ۲۵ر ذی الحجہ کو بعد ظہر قافلہ چلا اور چار بجے فجر کو مقام خلیصہ (خلیص) میں پہونچا، اس مقام میں ایک مسکین بڈھے کی گھڑی چور لے گئے اور باقی ہر طرح خیریت رہی۔ ۲۶ ذی الحجہ کو بعد ظہر قافلہ یہاں سے چل کر رات کے تین بجے بیر کظیمہ (بیر قضیمہ) پر پہونچا ایک حاجی قضاء الہٰی سے مرگیا، یہاں چوروں کا شور وغل تو رہا مگر کسی کا مال نہیں گیا پھر ۲۷ ذی الحجہ کو یہاں سے دوپہر کو کوچ کیا اور پانچ بجے بیر مستور (مستورہ) پر پہونچے یہاں ایک رامپوری حاجی قضاء حاجت کو گیا اس کے پاس کچھ اشرفیاں تھیں چوروں نے اس کو بہت زخمی کیا اور اشرفیاں چھیں لیں، وہ حاجی دوسرے قافلہ میں تھا۔ اس رات کو نہایت شور وغل اور واویلا رہا۔ یہ سفر مدینہ طیبہ کا نہایت خوفناک ہے، ۲۸ ذی الحجہ کو بیر مستور (مستورہ) سے ایک بجے دن میں روانہ ہوئے اور آدھی رات کے قریب مقام رابق (رابغ) میں پہونچے، یہاں پر ہر طرح خیریت رہی پانی کو بھی چنداں تکلیف نہیں ہوئی پھر بھی کثرت حجاج کیوجہ سے ہر کنویں میں پانی چک گیا اور کیچڑ نکلنے لگی، حالانکہ موسم سرما تھا۔

اس لئے گرمی میں ضرور پیاس سے لوگ مرتے ہوں گے، چنانچہ اسی میدان میں دو قبریں باپ اور بیٹے کی بنی ہوئی ہیں جو پیاس سے مر گئے تھے، یہاں قلعہ مختصر سنگین سلطان روم کا ہے۔

۳۰ ذی الحجہ کو رابغ سے چل کر شب کے دو بجے مقام بیر ملتف (ملف) پر پہونچے۔ یہاں پانی کی نہایت قلت اور تکلیف رہی مغربی قافلہ میں پانی کے واسطے کنویں پر تلوار چلی مگر زخم کاری سے محفوظ رہے، چوروں سے امان رہا۔

یکم محرم ۱۲۹۱ھ کو ملتف سے کوچ ہوا اور رات کے دو بجے بیر عباس پر قافلہ پہونچا بدوؤں کے سردار کا مکان بیر عباس سے ۴ کوس کے فاصلہ پر ہے اسلئے وہ راستہ ہی سے کٹ گیا اور ساتھ کے بدوؤں نے بیگم صاحبہ کا تھیلا برتن اور دیگر اشیاء، آٹا دال نمک کا کاٹ لیا جب صبح کو سردار آیا اور بیگم صاحبہ نے شکایت کی تو وہ تلاش کیلئے گیا، تھوڑے فاصلہ پر خالی تھیلا پڑا پایا پھر واپس آکر بیگم صاحبہ سے دست بستہ اپنا اور بدوؤں کا قصور معاف کرایا سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ حرکت ساتھ والے بدوؤں کی تھی۔

۲ محرم ۹۱ھ کو بیر عباس سے بعد ظہر قافلہ روانہ ہوا اور شب کے آٹھ بجے مقام وادی شہداء میں پہونچا۔ یہاں ہر طرح امن رہا اسلئے کہ یہ مقام مدینہ منورہ سے بہت قریب ہے پانی وغیرہ کا بھی بہت آرام رہا۔

۳ محرم ۹۱ھ کو دس بجے دن میں یہاں سے قافلہ نے کوچ کیا اور شب کو تین بجے مدینہ منورہ میں ہم داخل ہوئے اور متصل مسجد نبوی قدیم کے بیگم صاحبہ تقریباً نصف قافلہ کے ساتھ فروکش ہوئیں، سب لوگوں نے اسی مسجد میں نماز فجر ادا کی، مگر اس عاصی نے چند رامپوری حجاج کے ساتھ حرم شریف جاکر باجماعت نماز فجر پڑھی اور نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

تمام ملک عرب میں روپئے کے عوض ریال چلتا ہے اور ریال ہندوستان کے روپئے کے حساب سے سوا دو روپئے کا ہوتا ہے اور اشرفی کی جگہ دینار اور آنہ کے بجائے قرص (قرش) اور قرش سوا آنے کا ہوتا ہے۔

۴ صفر ۱۲۹۱ھ دوشنبہ کے دن بارہ دن قیام کرنے کے بعد تیرھویں روز مکہ معظمہ

سے ہم نے بعد نماز عصر کوچ کیا اور شب میں جدہ (بالحاء) رہ کر دوسرے روز شب میں بارہ بجے جدہ میں داخل ہوئے۔ تمام شب جاگ کر صبح کی، شومیٔ قسمت سے اسی دن آگبوٹ چھوٹ گیا پندرہ بیس دن دوسرے آگبوٹ کے انتظار میں پڑے رہے اور انواع انواع کی تکلیف حجاج کو ہوئی، پانی بہت گراں قیمت سے ملتا تھا۔ پسوؤں کی کثرت تھی، چوبیس روز تک آگبوٹ کا انتظار کرنا پڑا تاآنکہ ۲۹ر صفر کو سویز سے ایک آگبوٹ مسمی جان لارس یکایک آنکلا، حجاج بہت خوش ہوئے مگر جب نول (کرایہ) کپتان نے جاری کیا تو معلوم ہوا کہ اسّی روپیہ فی نفر مانگتا ہے، چونکہ حجاج کے پیسے چک گئے تھے اس لئے سناٹا چھا گیا، پھر کپتان نے کچھ سوچ کر ساٹھ روپئے لینے کا حکم دیکر وصول کرنا شروع کر دیا مجبوراً ہم نے بھی اس آگبوٹ کا کرایہ کر لیا، اس سال ہندوستانی حاجی بہت کثرت سے آئے، اتنا زیادہ کرایہ کبھی اور سال میں نہ ہوا کمال گراں ہو تو تیس بتیس روپیہ۔

اس جہاز میں جن کے پاس خاطر خواہ روپیہ تھا وہی سوار ہو سکے، میرے پاس بھی پچاس ہی روپے رہ گئے تھے، لیکن باعانت خواجہ صاحب مسبوق الذکر کے سوار ہوا۔ ابھی جدہ میں بہت لوگ مجبور پڑے ہیں جو بغلوں میں، یا جب بادی جہاز دستیاب ہوگا قریب موسم بارش کے سوار ہونگے ابھی موسم بادی جہازوں کا نہیں ہے۔ بادی جہاز اگر موافق ہوا نہ ہو تو دو چار مہینے تک ٹکراتا پھرتا ہے، آگبوٹ کی ٹیم (ٹائم) مقرر ہے کسی وجہ سے دیر ہوئی تو دو ایک روز کا فرق پڑتا ہے۔

حاجی لوگ یکم ربیع الاول ۱۲۹۱ھ کو جہاز میں سوار ہوئے اور دو ربیع الاول کو دس بجے دن میں لنگر اٹھایا گیا، اور ۷ر ربیع الاول کو چھ بجے شام کے وقت عدن میں داخل ہوا، آٹھ گھنٹے تاخیر سے اسلئے پہونچا کہ جدہ سے باب سکندری (باب المندب) تک دریا میں بڑا تلاطم تھا، آگبوٹ زیر وزبر ہوتا رہا، ایک شبانہ روز عدن میں قیام کے بعد ۸ر تاریخ کو چھ بجے شام آگبوٹ بمبئی روانہ ہوا اور ۱۸ر ربیع الاول کو رات کے بارہ بجے بندر بمبئی میں داخل ہوا، ۱۹ر کی صبح کو حاجی لوگ جہاز سے اترے۔

ہم تین دن بمبئی میں ٹھہر کر ۲۱ کو ریل میں سوار ہوئے۔ اور ۲۴ کو فتح پور پہونچے، یہاں خواجہ صاحب کا ساتھ چھوٹ گیا وہ رامپور تشریف لے گئے اور میں ۲۵ کو بسواری شکرم شہر باندہ کی طرف روانہ ہوا، ۲۶ر کو داخل شہر ہوا، پندرہ دن وہاں قیام کرنے کے بعد ۱۲ر

ربیع الثانی کو باندہ سے روانہ ہوکر بمقام سرائے کبریٰ مقام کیا۔ اور ۱۳ر کو مہوبے میں اور ۱۴ر کو ملہرا۔
قیام کیا۔ وہاں سے فجر کے بعد روانہ ہوکر بارہ بجے دن میں چھتر پور پہونچا۔

مولانا نصر اللہ خاں خورجوی

۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے، تکمیل فنون سپہ گری کے بعد عمر کے اٹھارویں سال میں انکے ماموں فتح علی تحصیلدار اعظم گڈھ نے ان کو تعلیم دینے کیلئے مولوی چراغ علی کے سپرد کیا۔

۱۲۴۶ھ میں اپنے استاذ مولانا احمد علی چریاکوٹی کے ہمراہ بنارس گئے اور تین سال وہاں رہ کر تمام علوم درسیہ (باستثناء حدیث) کی تحصیل سے فراغت پائی، اس کے بعد درس دنیا شروع کیا، اپنے استاد کی تصنیفات کی شرح اور بعض پر حواشی لکھے۔

شاہ عبد العلیم صاحب کو بنارس میں پایا اور ۱۲۴۷ھ میں شاہ صاحب نے ان کو سلسلۂ قادریہ میں داخل فرمایا ۱۲۵۲ھ میں خلافت حاصل ہوئی، بکثرت لوگوں نے آپ سے فیض ظاہر و باطن حاصل کیا۔

سرکار انگریزی میں متعدد عہدوں پر رہے، ۱۲۴۹ھ میں نائب تحصیلدار مقرر ہوے اور اعظم گڈھ میں خود اپنے ماموں کی نیابت کی ۱۲۵۱ھ میں تحصیل سلیم پور کے منصرم، بعد میں تحصیلدار مقرر ہوئے پھر تین ماہ کی چھٹی لیکر ماموں کے پاس رہے اس کے بعد ترقی کی فکر میں الہ آباد آئے اور ضلع مین پوری میں ڈپٹی کلکٹر مقرر کئے گئے۔ پھر تبدیل ہوکر بجنور آئے وہاں سے مظفر نگر ٹرانسفر ہوا بعد چندے انگریزی نوکری ترک کرکے خانہ نشین ہوگئے، پھر ریاست کپورتھلہ کی طرف سے بہرائچ کا کام کیا آخر میں غیر مسلموں کی نوکری سے گویا توبہ کرلی اور ۱۲۸۱ھ ہجری میں حیدرآباد کا رخ کیا، ایک کتاب تاریخ حیدرآباد کے نام سے لکھی اس میں منزل بمنزل راہ کے حالات اور حیدرآباد کی آبادی و تعمیر وغیرہ کا مفصل حال لکھا ہے۔

حیدرآباد میں نواب مختار الملک سرسالار جنگ بہادر کی ملازمت میں پندرہ سال رہے اس کے بعد پنشن ہوگئی جو آخر عمر تک قائم رہی۔ اسکے علاوہ ریاست حیدرآباد سے دوسو روپے ماہوار وظیفہ بھی ملتا تھا۔

اس سفر کی کچھ تفصیل ان کے خلیفہ مولوی فرید احمد غازی پوری نے بیاض جانفزا میں بیان

کی ہے، لکھتے ہیں شوال ۱۲۹۲ھ میں حیدر آباد سے بارادۂ حج بمبئی آئے اور چالیس دن یہاں قیام کرنے کے بعد ۷ ار ذی قعدہ ۱۲۹۲ھ کو دخانی جہاز سے جدہ روانہ ہوئے، ایک بندر میں ایک روز لنگر ہوا، جب مقابل عدن پہونچے تو ایک روز وہاں بھی ٹھہرے، بعض لوگوں نے شاہ عیدروس کے مزار پر جاکر فاتحہ پڑھی، جدہ پہونچے تو چھوٹی چھوٹی کشتیاں دخانی کے قریب آئیں کشتی والے اپنے طور پر مسافروں کا سامان اتار کر رکھنا شروع کر دیتے ہیں، اور کنارہ سے پہلے کشتی روک کر من مانی اجرت وصول کر لیتے ہیں اس لئے، اجرت پہلے سے طے کر لینی چاہئے۔ مطوفین مکہ کی طرف سے اکثر لوگ ہندی کی جدہ آتے ہیں اور حاجی سے مطوف کا نام پوچھ کر اس مطوف کے وکیل کے سپرد اس حاجی کو کر دیتے ہیں جدہ کے شہر پناہ کے پھاٹک پر ترکی لوگ تلاشی اسباب مسافران کی منجانب سلطان روم کرتے ہیں اور اپنے قاعدہ سے محصول لیتے ہیں اور روانگی محصول کی رسید لینے کے لئے پھاٹک میں جانا پڑتا ہے اس وقت بہت پوکسی کی ضرورت ہوتی ہے، ہم نے پہلے حج میں سید ابوبکر رشیدی کو مطوف کیا تھا اس سفر میں بھی انھیں کو منتخب کیا، ان کا نائب عبدالحلیم ہندی بہت لائق اور خلیق ہے، جدہ سے شقدف اور شبری پر مکہ جاتے ہیں اسباب کی حفاظت اسی میں زیادہ ہے، ورنہ خچر بھی بہت جاتے ہیں اور بعد مغرب جدہ سے چل کر صبح کو نماز فجر حرم میں پڑھوا دیتے ہیں، شتر میں دو دن لگ جاتے ہیں جدہ میں شب باشی کا آرام ملتا ہے، راہ میں جابجا قہوہ خانے ہیں۔

مکہ معظمہ میں مولانا شاہ محمد عمر نقشبندی دہلوی مہاجر کے مکان میں باب العتیق کے قریب قیام کیا، شاہ محمد عمر صاحب حرم میں ایک خاص جگہ ہر نماز پنجگانہ کے بعد حلقہ کر کے تعلیم و توجہ دیا کرتے تھے اس وقت چند صاحب اجازت مرید بھی حاضر تھے، صاحبزادہ شاہ ابوالخیر صاحب ان میں سب سے ممتاز تھے، مولانا نصر اللہ خاں بھی شریک حلقہ ہوتے تھے اور مولوی فرید کو بھی توجہ دلاتے تھے۔

ایک مقام میں صاحب طریقہ صابریہ حاجی امداد اللہ صاحب مستانہ دار عالم رضا و تسلیم میں مشغول بحق رہتے تھے اور طریقہ جاری رکھتے تھے۔

مکہ معظمہ پہونچکر دو روز میں سامان کی حفاظت کا انتظام کیا اور منی و عرفات جانے کی تیاری کی اس پانچ دن کے سفر کیلئے فی شتر پانچ ریال کرایہ طے ہوا، ۷ ذی الحجہ کو بعد اشراق

حج کا احرام باندھکر منیٰ روانہ ہوئے جو بفاصلہ تین کروہ یا کم وبیش ہے، ۸ ر ذی الحجہ کو وہاں سے بحکم قاضی عرفات روانہ ہوئے کیونکہ حج اکبر تھا یعنی نویں ذی الحجہ کو جمعہ تھا، پس بنظر احتیاط بسبب شبہہ اختلاف ہلال ذی الحجہ کے دو روز عرفات میں حاضر رہے، قبل دوپہر کے مسجد نمرہ میں تمام حاجی حاضر ہوئے اور زوال ہوتے ہی ظہر کی اذان ہوئی اور نماز ظہر پڑھی گئی پھر خطبہ ہوا اس کے بعد تکبیر کہکر نماز عصر ادا کی گئی ہنوز ظہر کا وقت باقی تھا۔[1]

پھر سب حاجی اپنے اپنے مقام و بستر پر آئے اور قاضی صاحب جبل رحمت کے اوپر بسواری ناقہ چڑھ گئے اور سواری پر حج کا خطبہ شروع کیا یعنی آخر وقت سے غروب آفتاب تک اس وقت تمام حاجی زیر دامان کوہ خطبہ سننے کو حاضر ہوتے ہیں، مولانا نصر اللہ مع مولانا شاہ محمد عمر اور دیگر بزرگان کے اپنے مقام میں زیر دامان کوہ میدان میں مراقب ہوئے وقت مغرب بغیر ادائے نماز کسی قدر دال روٹی کھاکر عرفات سے روانہ ہوئے اور نو بجے رات کو مزدلفہ میں مسجد خیف (یہ غلط ہے مشعر حرام لکھنا چاہیئے) پہونچے اور فوراً مغرب بہ نیت ادا پھر فرض عشاء پڑھی پھر سنت مغرب بعدہ سنت عشاء اور وتر پڑھی۔ دسویں کو مزدلفہ سے روانہ ہوئے چار گھنٹے میں منیٰ پہونچے اور درمیان پہاڑوں کے متصل مسجد (خیف) کے اترے فوراً رمی جمرۂ عقبہ کیا، مقام فرودگاہ سے مسجد دو سو قدم پر تھی، اور مسجد سے جمرہ عقبہ کا فاصلہ پانچ سو ستر قدم ہے۔ ملا سید داغستانی کی معرفت پانچ گوسفند دس ریال میں خرید کر قران کی قربانی کی[2] اس مقام پر روٹی جسکو اکثر عیش کہتے ہیں سوا دو قرش کو ملتی ہے اور اجرت بنانے گوشت قربانی کی سوا قرش، اور اجرت حلاق ۳ ر قرش، اور پانی ایک مشک تین قرش کو ملتا ہے، اور قرش غالباً سوا آنہ ہندوستانی کا ہوتا ہے

بعد رمی اور قربانی کے حلق کرا کے احرام اتارا اور ہندی کپڑے پہنے، اسی دن شام کو ابر نمودار ہوا اور کسی قدر بارش باراں سے سردی ظاہر ہوئی۔ گیارہویں کو مولانا نصر اللہ ہم سب کو رمی جمار کیلئے ساتھ لے گئے اور مولانا محمد عمر کے ساتھ کھڑے ہوکر دعا فرمائی

---

[1] اس وقت کیا ہوتا ہے اور کیا کرنا چاہیئے اسکو مناسک حج کے معتمد رسالوں میں پڑھئے، اسی طرح تمام مسائل میں سفرناموں کے بجائے مناسک کی کتابوں پر اعتماد کیجئے۔

[2] جب ساتوں کو مکہ میں احرام باندھا اور اس سے پہلے عمرہ کرکے احرام کھول چکے تھے تو قران کیسے ہوا؟

بارہویں ذی الحجہ کو حجاج حاضر حرم کعبۃ اللہ میں ہوئے اور طواف زیارت کر کے شکر بحق بجالائے۔
بارہ دن حرم کی حاضری کے بعد ۲۳ ذی الحجہ کو باب العتیق پر مولانا محمد عمر نے مقابل خانہ کعبہ دعائے سلامتی کر کے رخصت کیا اور قافلہ مدینہ طیبہ روانہ ہوا کرایہ شتر شقدف کا فی شتر ۱۴ ریال اور ایک ایک ریال خوراک شتر کا ایک طرف کا قرار پایا۔ سید زکریا داغستانی مرید شاہ احمد سعید، اور سید غلام مصطفےٰ مرید مولانا مظہر ساتھ تھے، رابق (رابغ) میں احمد مختار پاشا (حاکم رابغ نے) قلعہ سلطانی میں دعوت کا اہتمام کیا اور ایک شامیانہ اور چار ترکی سپاہی پہرہ کے لئے دئے، مولانا عبدالحئی لکھنوی واسطے ملاقات کے اندرون شامیانہ تشریف لائے۔ کیفیت طے مسافت راہ مدینہ طیبہ بطور فہرست مختصر یہ ہے، ۲۳ ر ذی الحجہ روز جمعہ بعد نماز براہ مزار محمود شاہ ابن سلطان ابراہیم اور جبل ابوجہل سے نکل کر مناخہ تک پہونچے، نماز عصر کے بعد مناخہ سے روانہ ہوئے دس بجے رات کو وادی فاطمہ میں داخل ہوئے اور نماز مغرب کی مسجد تنعیم میں پڑھی تھی ۲۴ ر کو ۹ بجے دن میں وادی فاطمہ سے چل کر نصف شب مقام بیر تفلاؔ میں پہونچے، ۲۵ ر کو نو بجے دن میں چلے اور مقام خلیص میں پہونچے، ۲۶ ر کو قلیص سے روانہ ہو کر بیر قضیمہ (بیر قدیم لکھا ہے) پہونچے یہاں گوشت اور کھجور ملتی ہے۔ ۲۷ ر کو سات بجے قضیمہ سے چلے اور آٹھ بجے رات کو رابق (رابغ) پہونچے، ایک روز قیام کیا ۲۹ ر کو سات بجے دن میں قافلہ روانہ ہوا اور سات بجے رات کو مقام بیر مستورہ میں پہونچا، اس منزل میں کنویں کا پانی بہت شیریں ہے اور آبادی اس سے متصل ہے، اسی جگہ ہلال محرم ۱۲۹۳ھ نظر آیا، یکم محرم بروز جمعہ یہاں سے روانگی ہوئی سردی سخت اور ہوا تیز تھی، اور راہ گم ہو جانے کی وجہ سے رات بھر اونٹ چلتے رہے بلکہ گر گر پڑتے تھے آخر الامر بمقام بیر حسانی ۴ محرم کو نماز فجر نصیب ہوئی، یہاں آب شیریں کی کثرت ہے، گوشت، خرما، بادام، کھجور نیز لکڑی بہت ہے، یہاں سے کچھ قافلہ جدا ہو کر براہ ملف کہ تین روز کی راہ مدینہ طیبہ کی ہے روانہ ہوا، ہم لوگ راہ سلطانی میں رہے، ۲ ر محرم کو اسی دن دوپہر کو

سلہ بیر عسفان مراد ہوگا۔

بیر حسانی سے کوچ ہوا اور ایک پہر رات گذری تھی کہ وادی صفرا میں پہونچے اس جگہ باغ بہت ہیں اقسام کھجو اور بقولات پائے جاتے ہیں، یہاں سے ۴ کروہ پر وادی حمرا ہے اسکو واسطہ بھی کہتے ہیں اس جگہ بڑا بازار ہے،

۳ محرم کو وادی صفراء میں قیام رہا یہاں سے ینبع بفاصلہ راہ یکروزہ کے ہے اس منزل کی راہ میں جابجا مواضع اور مزارع خصوص جدیدہ مثل شہر کے ہے، ۴ محرم کو بوقت اشراق وادی صفراء سے قافلہ چلا اور آٹھ بجے رات کو بیر عباس پہونچا، رات بھر رہ کر ۵ محرم کو عین شدت ہوائے سردی میں چل کر ۸ بجے رات کو مقام فریش میں پہونچے یہاں پانی بہت کم ملتا ہے۔ ۶ محرم کو کوچ ہوا دس بجے رات کو شہر مدینہ پہونچے اور باب صغیر پر شب باش ہوئے۔ ۷ محرم کو بعد نماز صبح مولانا محمد مظہر مجددی کے رباط میں قیام ہوا۔

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب محدث مع مریدان ومجازان اکثر خود رباط میں تشریف لاتے تھے اور دیر تک صحبت رہتی تھی، حکیم عبدالسلام ملیح آبادی اور مولانا عبدالحئی لکھنوی اور دیگر عمائد علماء وحکما کا مجمع بھی رہا کرتا تھا۔

مدینہ میں حضرت مولانا شاہ مظہر صاحب کا حلقہ جاری تھا، مولانا نصراللہ کا حکم تھا کہ ان حضرات کی صحبت وحلقہ کو غنیمت جانو اور بقدر امکان وفرصت یہ نعمت لے لو مولوی فرید چند بار حلقہ میں حاضر ہوئے ایک دن کچھ نقدی دے کر فرمایا کہ اسکو بحضور مولانا عبدالغنی صاحب لیجا کر اپنے لئے دعاء کراؤ اور اگر درس حدیث کا جاری پاؤ شریک ہو جاؤ، تبرکاً سبق لے لو، حرم میں تلاش کیا تو وہ جگہ خالی پائی جہاں تشریف رکھتے کرتے تھے باہر نکل کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہی بزرگ تھے جو تمہارے ساتھ سے ہو کر چلے جاتے ہیں، سبحان اللہ ایسی سادہ وضع اور خالص طور میں تھے کہ بہ نسبت شہرت کمالات اور عظمت ان کی شناخت میں غلطی ہو گئی اور ندامت ہوئی، بہر حال مولانا موصوف کو اپنے پیر کا پیغام پہونچایا اور جو کچھ تھا پیش کیا، مولانا موصوف اس عاجز کو اپنے مکان پر لے گئے اور دعائیں دیکر ممتاز کیا، اس زمانہ میں کثرت زائرین کی وجہ سے درس حدیث عارضی طور پر بند تھا۔

۳۰ محرم ۱۲۹۳ھ کو بعد اشراق صلوٰۃ وسلام کی سعادت حاصل کی، پھر باب مصری سے مناخہ آئے یہاں تخت رواں (ہندوستانی پالکی کی طرح مگر آگے اور پیچھے دونوں طرف پہیہ مثل بگھی کے

ہوتا ہے اور دونوں طرف سے ایک ایک اونٹ اسکو لے چلتا ہے) تیار تھا مولانا نصراللہ تخت پر اور ساتھی شتر پر مکہ معظمہ روانہ ہوئے، مدینہ سے مکہ تک تخت رواں کا کرایہ اسی ریال، اور مقام رابق (رابغ) سے اگر چھوڑ دیا جائے تو دو ثلث تقرر ہوا۔ اور شتر کا کرایہ فی شتر ۱۳ ریال علاوہ کرایہ شبری، مکہ معظمہ تک اور ۹ ریال رابق (رابغ) تک۔

واپسی میں پہلی منزل وادی ع متعلق قریش تھی، دوسری منزل غرۂ صفر کو مقام خلص تیسری بیر حسانی، چوتھی بیر شیخ، پانچویں بیر مستورہ، ۵ر صفر کو بیر مستورہ سے نو بجے دن کو چلے اور آٹھ بجے رات کو مقام رابق (رابغ) متصل قلعہ پہونچے ۶ر صفر کو ایک دن قیام ہوا، رابق کے پاشا سے ملاقات کی یہاں تخت رواں کو آپ نے چھوڑ دیا اور رابق سے احرام باندھ کر سمندر کے کنارہ پہونچے اور بغلہ میں سوار ہوئے، بغلہ کا کرایہ فی کس ۲۰ قرش مقام سایہ دار کا، اور فی کس ایک ربع مجیدی بے سایہ کا مقرر ہوا، اور ساحل سے بغلہ تک کشتی کا کرایہ تین قرش پڑا، رابغ میں زیخ مرجان نہایت ارزاں تھی۔ چونکہ ہوا مخالف تھی اس لئے رابق سے بغلہ آہستہ آہستہ دو روز میں جدہ پہونچا، بغلہ کی روانگی سے پہلے ایک ترکی حکیم نے جانچ کے بعد اجازت سفر دی اور قرنطینہ والوں نے ایک ایک روپیہ وصول کیا درمیان میں بوقت شب لنگر ہوا۔ جدہ سے صفدر خاں کو بکرایہ دس روپیہ بمبئی روانہ کر دیا گیا اور ہم لوگ مولانا کی معیت میں ۱۲ر صفر کو داخل مکہ معظمہ ہوئے اور ۱۳ر صفر کو عمرہ کیا۔

مولانا رحمت اللہ صاحب (کیرانوی) ملنے آئے اور امتحان طلبہ میں شرکت کیلئے کہا مولانا نصراللہ نے مولوی فرید کو بھیجدیا، وہاں مولوی رضا علی صاحب بنارسی سے ملاقات ہوئی وہ بھی شریک مجلس تھے۔ مولانا نصراللہ نے ایک دن مولوی فرید کو معظم مکرم صاحب طریقہ صابریہ مستجمع فضائل حمیدہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا کہ ان سے حزب یمانی سیف الرحمن کی اجازت لیلو اور نقل دعا کی بھی مانگ لو، چنانچہ حاجی صاحب نے اجازت دی اور بہت دعا دی (ص ۱۲۹) ۱۶ر صفر کو طواف وداع کر کے اور مولانا محمد عمر صاحب سے رخصت ہو کر جدہ روانہ ہوئے، اور ۱۹ر صفر کو دخانی نیمساوی میں دس بجے دن کو سوار ہوئے۔ ۲۰ر صفر کو بروز جمعہ یہ جہاز بمبئی روانہ ہوا اور ۳ ماہ ربیع الاول ہم داخل بمبئی ہوئے۔

مولانا نصراللہ خاں صاحب نے ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی،

مولانا محمد طاہر (ساکن پورہ معروف) نے ۱۲۶۰ھ میں حج کیا
۱۲۹۶ھ میں وفات پائی، دیکھو (میرا مضمون "دو متبرک اجازت نامے" رسالۂ معارف میں)
مولوی صاحب علی ساکن گھوسی (والد مولوی عبدالقادر) نے ۱۲۷۶ھ میں حج کیا تھا۔
۱۲۸۱ھ میں وفات پائی۔
مولانا عبداللہ مئوی (المتوفی ۱۳۲۱ھ) نے ۱۲۸۶ھ میں حج کیا، حالات کی کچھ تفصیل میرے مضمون "دو متبرک اجازت نامے" میں ملے گی۔
مولوی عبدالقادر ساکن گھوسی نے ۱۳۲۱ھ میں حج کیا اس سفر میں ان کی ملاقات میرے استاذ مولانا عبدالغفار صاحب سے ہوئی تھی، جیساکہ میرے استاذ بیان فرماتے تھے، مولوی عبدالقادر صاحب نے ۱۲۹۸ھ میں بھی ایک حج کیا تھا، ان کے کتب خانہ میں ایک کاغذ دستیاب ہوا تھا جس میں منازل راہ مکہ تا مدینہ درج تھیں، اس پر ۱۲۹۶ھ درج تھا۔

مولانا حیدر فرنگی محلی

ملا مبین فرنگی محلی کے صاحبزادہ تھے، جید عالم تھے ۱۲۴۰ھ میں حج کو گئے تھے تفصیل کے لئے نجاۃ المومنین صفحہ ۱۸۰ ملاحظہ کیجیے، ۱۲۵۶ھ میں وفات ہوئی۔

مولانا محمد فصیح غازی پوری

مشہور عالم اور سید احمد شہید سے بیعت تھے، آپ نے ۱۲۷۲ھ کے بعد حج کیا اسی سال مولانا رضا علی بنارسی اور مولوی امانت اللہ[1] فصیحی وغیر ہمانے بھی حج کیا، مولانا فصیحی غازیپور سے بکسر تک بجرہ میں بکسر سے رانی گنج تک پالکی پر، وہاں سے غالباً ریل پر سفر کیا، اس لئے کہ اس وقت رانی گنج تک ریل ہو چکی تھی، کلکتہ سے پانی کے جہاز پر سفر کیا، طواف میں مولانا رضا علی ساتھ ہوتے تھے، مولوی محمد احسن لکھنوی مرید سید احمد شہید ہجرت کر کے مکہ میں مقیم تھے۔

شاہ غلام رسول کان پوری بھی موجود تھے۔
مولانا فصیح نے ۱۲۸۵ھ میں انتقال فرمایا۔

مولانا محمد احسن نانوتوی

حضرت شاہ عبدالغنی کے مرید و خلیفہ تھے، احیاء العلوم و در مختار وغیرہ کے مترجم ہیں، محمد ایوب صاحب قادری نے ان کی سوانحعمری لکھی ہے، جو طبع ہو چکی ہے آپ نے ۱۲۸۳ھ میں حج کی سعادت حاصل کی اور ۱۳۰۱ھ میں وفات ہوئی۔

مولوی ابوالبرکات ابن مولوی فضل امام بہاری

انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کی حیات میں دو حج کئے، برکات الدارین لحجاج الحرمین کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۲۷۹ھ میں کلکتہ میں چھپی ہے۔ دوسری کتاب برکات الانس میں لکھی جو ۱۲۸۲ھ میں چھپی یہ کتاب شاہ عبدالرشید مجددی کی زندگی میں لکھی گئی ہے، برکات الدارین کا ناتمام نسخہ میری نظر سے گذرا ہے۔

حاجی قنبر علی رئیس بھٹولی ضلع لکھنؤ

۱۲۸۷ھ میں حج سے مشرف ہوئے، اور ترغیب الغریب الی دیار الحبیب کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا اس کا تاریخی نام آہنگ غریب ہے، اس رسالہ کا خلاصہ یہ ہے۔

روانگی از لکھنؤ	۶ر شوال ۱۲۸۷ھ	کرایہ تا کان پور	۷ر
؍ از کانپور	۷ر ؍ ؍	کرایہ تا الہ آباد	عہ ۱۲ر
؍ از الہ آباد	۹ر ؍ ؍	کرایہ الہ آباد سے جبل پور	ہے ۹ر
؍ از جبل پور	۱۰ر ؍ ؍	کرایہ تا بمبئی	عـہ ۲۴ر

۱۱ر بجے دن کو بمبئی پہونچے، رباط حاجی اسماعیل سیٹھ میں قیام ہوا۔
بمبئی میں ۲۵ر دن ٹھہرنا پڑا۔

کنگ آگبوٹ (کنگا آگبوٹ چھپا ہے) نامی جہاز سے سفر کیا، فرسٹ کلاس کا کرایہ ستر روپے اور تھرڈ کا سینتیس روپے تھا۔

۶ر ذی قعدہ کو جہاز میں سوار ہوئے، ۷ر کو چلا۔ ۱۴ر کو آدھی رات کے کیوتت جہاز طوفان میں پڑ گیا اور سب لوگ حیات سے مایوس ہو گئے، سویرا ہوتے ہوتے سکون ہوا۔ ۱۶ر کو عدن پہونچے یہاں انگریز کی حکومت ہے، ۱۷ر کو عدن سے جہاز چلا ۱۸ر کو محاذی یلملم ہوا ۲۱ر کی دوپہر کو (۱۵ دن کے بعد) جدہ پہونچا، ۲۳ر کو جدہ سے روانہ ہوئے، اونٹ اور خچر کے سوا کوئی سواری نہیں، شام کو چلے رات بڑی تکلیف سے سواری ہی پر کاٹی، دن نکلنے پر حدہ پہونچے جو جدہ سے ۱۴ر کوس ہے۔ وہاں سے شام کو چلے اور کچھ رات باقی تھی کہ حوالی مکہ میں پہونچ گئے قرش اڑھائی آنہ کا ہوتا ہے، بردہ و جواری کی بیع و شرا بکثرت ہوتی ہے، ہندی خریدنے کی جرأت اس لئے نہیں کرتے کہ انگریز قانون میں منع ہے۔

علماء بہت ہیں، میری ملاقات زیادہ لوگوں سے نہیں ہوئی مگر مولوی مرزا محمد امیر بیگ سے جو اعلم العلماء و افضل العلماء مولانا محمد اسحق قدس سرہٗ کے خویش تھے، اور بڑے بزرگ و متبحر عالم تھے، اور اعیان مکہ میں سید حسن جبل اللیل شیخ المطوفین سے، اور حجاج میں حاجی واجد علی خاموش در بھنگوی سے جن کے بڑے بھائی امام علی خاں مستند عالم ہیں دوسرے حج کیلئے مکہ میں ٹھہرے ہیں ان کا لڑکا مولوی اسحق خاں بھی متبحر عالم ہے۔ شیخ محمد اشرف قنوجی اور مولوی نظام علی ساکن منڈیاؤں نقشبندی مجددی سے بھی ملاقات ہوئی۔

منی سے عرفات روانہ ہوئے تو درمیان میں ایک مقتول ملا جس کا روپیہ چھین کر مار ڈالا گیا تھا۔

مکہ سے مدینہ کا کرایہ شقدف کا ۲۰ر ریال فرانسیسی (ایک ریال ۱۲؍ انگریزی) اور شبری کا ۲۶ ریال۔ سلطانی ریال ۷؍ کا ہوتا ہے۔

۲۹ر ذی الحجہ کو مدینہ روانگی ہوئی منازل کے نام یہ ہیں، وادی فاطمہ، اسفان (عسفان) وادی فاطمہ سے ۲۲ کوس ہے، یکم محرم کو خلیص، ۲ر محرم کو تضیمہ، ۴ر کو رابغ (یہاں مولوی محمد محسن پنجابی کو حرامیوں نے لوٹ لیا کسی طرح جان بچی) مستورہ۔ ۵ر محرم کو بیر شیخ (یہاں پیاس سے

برا حال ہوا) بیر عبید اللہ، بیر عباس، وادی شہداء قریب بدر۔
واپسی میں بیر عباس سے صفراء، بدر وغیرہ ہوتے ہوئے مستورہ پہونچے سید محمد رضوان سے اعاظم فضلاء مدینہ سے ہیں، مصنف نے دلائل کی سند لی کونیا آگبوٹ (رشائد کوئن آگبوٹ) نامی جہاز سے واپسی ہوئی ۱۳ر صفر کو مکہ معظمہ سے روانگی ہوئی، ۱۳ر ربیع الاول کو لکھنؤ پہونچے،

نوابُ عمر علی خاں رئیس باسودہ

نواب صاحب نے ۱۸۷۷ء (تقریباً ۱۳۰۰ھ ہجری) کولبیا نامی جہاز سے سفر حج کیا اور رسالہ "زادِ غریب" لکھا اس رسالہ میں منازل مابین مکہ و مدینہ اسطرح بیان کی گئی ہیں۔
مکہ سے بعد جمعہ چلے، تنعیم پرانا عمرہ ۶-یا ۹ کوس پر ہے، آدھی رات کو وادی فاطمہ ۸ر ساعت میں پہونچے، وہاں سے عسفان ۱۰ر گھنٹے میں، وہاں سے قضیمہ ۴ ساعت میں، وہاں سے رابق (رابغ) ۱۳ر گھنٹے، وہاں سے مسطورہ (مستورہ) گیارہ گھنٹے، وہاں سے بیر شیخ گیارہ گھنٹے، وہاں سے وادی صفراء ۱۵ر گھنٹے میں پہونچے یہاں قبر ابی ذر غفاری ہے (یہ صحیح نہیں ہے) یہاں سے بیر عباس ۱۴ر گھنٹے وہاں سے بیر عار ۱۴ر گھنٹے کتنوان فاصلہ پر ہے۔
یہاں سے ذوالحلیفہ ہوتے ہوئے مدینہ منورہ ۱۹ر گھنٹے میں پہونچے۔
ناچیز کہتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا ہے اور ایسے وسائل پیدا کر دئے ہیں کہ ۱۳۹۰ھ میں ہم فجر کی نماز کے بعد تقریباً ۷ بجے مکہ سے روانہ ہوئے اور اسی وادی فاطمہ و رابغ سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ پہونچے تو لوگ ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد نبوی سے نکل رہے تھے یہ سفر کار سے ہوا تھا، فالحمد للہ۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں "آپ کو حق تعالیٰ نے سات حج نصیب فرمائے، جسمیں پہلا سفر حج ۱۲۹۳ھ میں تنہا بھوپال سے، اور دوسرا ۱۲۹۷ھ میں بمعیت مولوی شمس الدین صاحب

بھاولپور سے ہوا۔ باقی پانچ حج آپکے ملازمت مظاہر علوم کے زمانہ میں سہارنپور سے ہوئے، پہلا ۱۹۴۳ھ میں اہل کو ساتھ لیکر کہ ان کے پاس شوہر اول کا عطیہ زیور تھا جسکو تقریباً ڈیڑھ سو روپیہ میں فروخت کرکے زمین خریدلی تھی اور پھر ۱۹۴۳ھ میں اسکو بعوض پانچ سو روپیہ فروخت کردیا. بیع کا تمام ہونا تھا کہ حضرت نے فرمایا تم پر حج فرض ہوگیا اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرو، اگرچہ محرم بن کر صرف حج آپ بھی اس رقم میں کر سکتے تھے مگر آپ کیلئے سفر حج کا محرک جب کبھی ہوا وہ آستانہ محمدیہ کی حاضری کا شوق ہوا ہے، اس لئے آپ نے مطرقۃ الکرامہ کے نسخے یکمشت فروخت کرنے کی سعی کی کہ صرف وہی آپ کا راس المال تھا، اور اسکی رقم لیکر آپ مع اہلیہ اور اپنی بڑی لڑکی کے شوہر کے مجنون ہوجانے کے سبب محزون و مضمحل زیادہ رہتی اور اپنے بدن کا زیور فروخت کرکے والدین کے ساتھ عرب جانے کو تیار ہوگئی تھی، آخر شوال میں روانہ ہوئے اور بعد حج ۲۳ دن مدینہ منورہ میں قیام فرماکر صفر میں واپس وطن تشریف لے آئے۔

پھر ۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا رائے پوری کو آپنے دہلی تک مشایعت فرماکر جہاز روانہ کیا تو شوق حاضری حرمین کا پھر غلبہ ہوا، اور شاہ زاہد حسین صاحب رئیس ہیہٹ نے آپسے خواہش کی کہ ساتھ تشریف لے چلیں تو آپ نے منظور فرمالیا، اور مولوی محمد یحییٰ صاحب کو اپنا قائم مقام بناکر اہلیہ کو مکان پر چھوڑکر وسط ذیقعدہ میں بمبئی روانہ ہوگئے، ۶ر ذی الحجہ کو آپ مکہ پہونچے، اور ۱۰ر محرم کو براہ رابغ مدینہ منورہ حاضر ہوئے، بائیس۲۲ دن قیام فرماکر وطن کو مراجعت فرمائی، اور آخر صفر میں سہارنپور تشریف لے آئے، ان دونوں سفر میں بندہ کو ہمرکابی کا شرف نصیب ہوا، اور دوسرے سفر میں میرٹھ سے حافظ نصیح الدین صاحب مرحوم مع اہل اور ان کے بھائی الحاج وجیہ الدین صاحب مع والدہ واہل و دیگر حضرات تقریباً ۱۵ نفر حضرت کے ساتھ ہوئے جنھوں نے حضرت کا فوری قصد سنکر دفعتاً ارادہ کیا اور چل کھڑے ہوئے تھے مولانا ظفر احمد صاحب اور مولانا عبداللطیف صاحب بھی مکہ مکرمہ میں حضرت کے ساتھ ہوگئے کہ روانگی دونوں صاحبوں کی رائے پوری قافلہ سے بھی قبل ہوچکی تھی، حکیم حافظ یعقوب صاحب اور آپ کی والدہ محترمہ دختر اعلیحضرت گنگوہی نے جو حضرت مولانا رائے پوری کے ساتھ گئی تھیں مکہ مکرمہ سے حضرت کی معیت اختیار کی،

تیسرا سفر ۳۳ھ میں بماہ شوال اس وقت ہوا جبکہ ترکی و برطانیہ میں جنگ عظیم برپا تھی، اور طرح طرح کے فساد رونما تھے، دہلی سے آپ کے پاس ایک استفتا آیا تھا جسمیں مسلمانانِ ہند کا ترکی سے جنگ کرنا جائز لکھ کر حضرت سے تصویب چاہی گئی اور آپ نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا اور آپنے خاص لوگوں سے کہا اگر یہ دھمکی صحیح اور گورنمنٹ مجبور کرتی ہے کہ اسلام کے خلاف فتویٰ دیں تو ہندوستان میں رہنا جائز نہیں اور ہجرت کرنا فرض ہے، اپنے اس خیال کو آپ نے شائع تو نہیں کیا مگر خود ارادہ پختہ کر لیا کہ میں ایسی حالت میں ہندوستان کو دارالامن نہیں سمجھتا، حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ بھی سفر کا ارادہ فرما چکے تھے اور حضرت کا قصد مولانا کی معیت کا تھا مگر مولانا کے سفر میں کچھ تاخیر ہوئی تو حضرت نے بایں اندیشہ کہ دستخط کرنے سے انکار کرنے پر کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے انتظار کو پسند نہ کیا اور وسط شوال میں روانہ ہو کر ۲۲ر ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہونچ گئے، بعد حج ۷ر محرم کو مدینہ منورہ پہونچکر قیام فرمالیا مگر وقت اتنا نازک تھا کہ آپ کے ساتھ خفیہ پولیس کی نگرانی تھی جو ہر حرکت وسکون کو قلمبند کرتی رہتی تھی۔ اور ادھر گورنمنٹ ترکی کو ان حضرات کی طرف سے برطانوی رعایا ہونے کی بناپر بدگمانی ہوتی، چنانچہ آپنے ترکی افسر سے فرمایا بھی کہ عجیب بات ہے برطانوی حکومت ہمکو بحیثیت اتحاد مذہب ترکی کا خیرخواہ سمجھ کر بدگمان ہے، اور ترکی حکومت محض ہندی باشندہ ہونے کے لحاظ سے ہم پر مطمئن نہیں، پھر آخر مسلمان اپنی مذہبی زندگی عافیت کے ساتھ گذارنے کیلئے کونسا ملک ڈھونڈیں۔ مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا اور آخر آپ کو نو مہینہ بعد شعبان ۳۴ھ میں ہندوستان واپس آنا پڑا بمبئی بندر پر اترے تو آپ کو روک لیا گیا اور سیاسی تحقیق کے لئے مع اہلیہ کے بالا بالا نینی تال بھیجدیا گیا، وہاں آپ سے طرح طرح کے سوالات ہوئے۔

چوتھا حج ۳۸ھ میں ہوا کہ آپ شعبان میں روانہ ہوئے اور شہرت ہو گئی کہ بہ نیت ہجرت تشریف لئے جارہے ہیں اس لئے عام بے چینی پھیل گئی، اور مہمانوں کی وہ کثرت ہوئی کہ الامان مولوی محمد زکریا صاحب، مولوی منظور احمد صاحب، قاری عبدالعزیز صاحب اور مولوی لطیف الرحمٰن صاحب نے بھی عزم کر لیا، مولوی محمد اسحاق مرحوم مولوی حبیب احمد نارنولی بھی ساتھ ہوئے اور حضرت مع اہلیہ وحاج مقبول احمد اپنے قافلہ کو لیکر شعبان میں بمبئی روانہ ہو گئے، قصد تھا کہ

رمضان مکہ مکرمہ میں گذاریں مگر جہاز کی روانگی میں تاخیر ہوئی کہ جہاز میں چاند نظر آگیا اور ۱۱ر رمضان کو مکہ مکرمہ پہونچے، یہ زمانہ شریف حسین کی حکومت کا آخری نازک زمانہ تھا کہ استبداد و خودداری اپنا سکہ جما رہی اور علماء ہند کی مقتدر ہستیاں مشتبہ نظروں سے دیکھی جاتی تھیں، مولانا محمود حسن صاحب گرفتار ہو کر مالٹا پہونچ گئے تھے، اندرون ملک میں عام ناراضی پھیلی ہوئی، اس لئے آپنے اپنے قافلہ کو مدینہ منورہ بھیجدیا کہ نہ معلوم کیا مقدر ہے تم لوگ پہلی مرتبہ آئے ہو زیارت آستانہ سے محروم نہ جاؤ اور خود مکہ مکرمہ ٹھہرے رہے، ایک دن حرم شریف میں نماز کا سلام پھیرا اور ایک شخص نے کہ نہ معلوم مجنون تھا یا مغلوب الحال شور مچانا شروع کیا "قیامت ٹوٹے اور آسمان پھٹے اس حکومت پر کہ مولوی خلیل احمد جیسے محرم مقتدی ہوں اور یہ ایسا ویسا شخص امام بنے" وغیرہ وغیرہ جو منہ میں آیا کہا، اس شخص کے تو اگلے دن مرنے کی اطلاع ملی، اور حضرت کے متعلق اندیشہ ہوا کہ شریف کو سب اطلاع مل چکی ہے عجب نہیں آپ پر بھی ہاتھ صاف ہو، آپ کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ مسلمان حاکم کی شکایت انگریزی قنصل سے کر کے پناہ لیں، ورنہ سکون سے رہنا نصیب تھا کہ خدا جانے اس کے بعد کیا فتنہ برپا ہو، اس لئے مولوی محب الدین صاحب کے اصرار پر کہ ہندوستان جلد جاؤ آپ آخر محرم ۱۳۳۹ھ میں روانہ ہو کر شروع صفر میں سہارنپور پہونچ گئے۔

آپ پانچویں حج کو جو کہ عمر شریف کا ساتواں حج تھا ۱۶ر شوال کو حیدر آباد ہوتے ہوئے بمبئی گئے اور تقریباً دو سو رفقا کے امیر بنکر زیانی جہاز میں حجاز روانہ ہوئے، بعد حج ۴ محرم کو مدینہ منورہ داخل ہوئے اور یہ داخلہ وہ تھا جسکے بعد خروج کا صرف وہی وقت ہے جبکہ سرور عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پڑوسیوں کے امیر بنکر صلہ وانعام دلانے کیلئے بارگاہ واہب العطیات کی طرف قدم اٹھائیں گے۔

اس ساتویں حج میں حضرت کے ساتھ صدہا خدام ومتوسلین کا مجمع رہا جن کو حضرتؒ نے حج مبرور ومسنون کا عملی سبق پڑھایا، زیادہ تر حضرت کے رفیق سفر علماء ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ حج جیسی عبادت میں جو کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے حضرت کو ان جزئیات کا ہر وقت اور تمامی سنن ومستحبات کی پوری رعایت کا اہتمام رہتا ہے جن کی طرف اچھے اچھے مولویوں کی نظر بھی نہیں جاتی وہ حیران ہو جایا کرتے تھے، طواف کی دو رکعت کے بعد استلام حجر اسود گویا آجکل

متروک ہے مگر فقہاء نے اس کے استحباب کی تصریح کی ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت نے ترک فرمایا ہو، ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ سے واپسی میں محصب پر نزول حضرت کا کبھی نہیں چھوٹا حالانکہ اکثر حجاج محصب سے واقف بھی نہیں کہ کہاں ہے، ۹ کو منیٰ سے چلنے میں آپ کی نظر جبل ثبیر پر رہتی اور جب سورج کی شعاع اس پر چمکتی اور اشرق ثبیر کا مصداق نظر آتا تو آپ عرفات کی طرف متوجہ ہوتے، اسی طرح واپسی میں مزدلفہ پر صبح کی نماز غلس میں پڑھتے اور بیٹھے رہتے حتیٰ کہ اسفار ہوتا اور اس وقت آپ منیٰ ہوکر سیدھے جمرۃ العقبہ پر رمی کے لئے پہونچتے تھے، ایک مرتبہ باب مکہ کے قریب پہونچکر آپ نے فرمایا کہ مسنون راستہ حجون کا ہے چلو سنت ادا کریں، چنانچہ آپ نے قافلہ چھوڑ دیا اور پہاڑیوں کو قطع کرتے ہوئے جنت المعلیٰ کے متصل نکل کر باب السفلیٰ سے مکہ میں داخل ہوئے، مجھے اسی دن علم ہوا کہ حجون کیا ہے اور اس کا راستہ کون سا ہے، دخول کے لئے غسل کا آپ نے اہتمام فرمایا اور شہر سے باہر قہوہ خانہ میں ٹھہر کر بہر کو ایک کنستر پانی خرید فرما کر غسل کیا۔ ۹ ذی الحجہ کو عرفات میں بھی غسل کا اہتمام فرمایا اور روزہ تو رکھا نہیں مگر ایک پیالی چائے کے سوا کچھ کھایا بھی نہیں کہ صوم عرفہ اور افطار فی العرفات کو جمع فرمایا، رمی جمار کے بعد آپ کا وقوف دعا کے لئے باوجود اتنی دھکا پیل کے کہ جوانوں کا پاؤں جمنا مشکل تھا ہمیشہ ہوا اور مسنون مقدار تک ہوا کہ کمی نہیں آئی، فتنہ وسکون اور قلت وکثرت حجاج، گرمی سردی برسات، غرض ہر موسم میں اور مختلف طبیعت والے اشراف و والیان کے زمانۂ حکومت میں آپ کو اسفار حج پیش آئے مگر یہ امر مشترک کہ حج بطریق مسنون ادا ہو کسی وقت کے کسی حج میں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا، نماز تو آپ کی ہر جگہ آپ کی قرۃ العین تھی پھر کیا پوچھنا نماز مسجد الحرام کا، کہ آپ کے صدہا رفیقوں میں کوئی ایک بھی نہیں بتا سکتا کہ فلاں نماز میں آپ کی تکبیر تحریمہ یا صف اول یا امام کی جانب یمین آپ سے فوت ہوئی ہو، سخت گرمی میں جبکہ فرش صحت پر پاؤں رکھنے سے چھالے پڑتے تھے آپ ظہر میں انگلیوں کے بل تیز چل کر مصلی حنفی پر پہونچتے اور صف اول میں امام کا قرب لیا کرتے تھے، مجھے خوب یاد ہے ایک مرتبہ بعد مغرب بارش خوب زور کی ہوئی اور رفقاء کی زبانوں پر آیا الا صلوا فی الرحال پر عمل کا وقت حق تعالیٰ نے دکھایا مگر حضرت نے اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی

مجھ سے فرمایا چلو بھئی نماز کو، ہر چند کہ میری ہمت بھی پست تھی مگر لالٹین ہاتھ میں لیکر ساتھ ہولیا اور حضرت نے پانی بھرا ہوا لوٹا ہاتھ میں اٹھایا، میں بالکل نہ سمجھا کہ باوضو ہوتے ہوئے اسکی کیا ضرورت ہے مگر حضرت نے فرمایا ممکن ہے پاؤں کو کیچڑ لگے اس لئے دروازہ پر پاؤں دھولینگے کہ حرم شریف ملطخ نہ ہو، اس سے قبل مجھے مکہ کی کیچڑ اور بارش دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا، نیچے اتر کر سڑک پر آئے تو زمین پاؤں کو پکڑ لیتی تھی ہر قدم پر میری تمنا ہوتی تھی کہ کاش حضرت رخصت پر عمل فرماویں اور سمجھتا تھا کہ حضرت بھی اس تکلیف کو برداشت نہ کرسکیں گے مگر ہر قدم حضرت کا مجھ سے آگے رہا، ہرایک کے سر پر چھتری جدا تھی اور میرے ہاتھ میں لالٹین تو حضرت کے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا، بازار ختم ہوا تو سڑک پر تا دیوار مسجد الحرام پچیس تیس فٹ پھاٹ کا دریا بہہ رہا تھا اور اس زور سے پانی چل رہا تھا کہ دیکھکر ڈر معلوم ہوتا تھا، یہاں حضرت ٹھہرے اور میں سمجھا کہ اب واپسی کا حکم فرمائیں گے، مگر حضرت بولے چھتریاں تو اب کرلو بند، اور پائنچے لو چڑھا، جوتے لیلو بغل میں، اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال لو کہ سنا ہے رو میں پتھریاں آتی ہیں، اور گر جانے کا ڈر رہتا ہے وہ پیارا منظر بھی ابتک نظر کے سامنے ہے کہ برہنہ پا گھٹنوں تک پائنچے چڑھائے قینچی کی طرح باہم ہاتھ ملائے چھتریاں بازو پر لٹکائے چلے، اور بسم اللہ مجریہا کہکر رَو میں قدم ڈال دیئے، چونکہ نشیب کا رُخ تھا اس لئے چھوٹی کنکریاں پانی کے ساتھ بہتی ہوئی اس زور سے آتی تھیں جیسے مٹھیاں بھر کر کوئی گولیاں مارتا ہے، آگے بڑھے تو گھٹنوں تک پانی آگیا اور قریب تھا کہ میرا پاؤں پھسلے مگر حضرت نے بازو تھام رکھا تھا کہ گرنے نہ دیا اور خدا خدا کر کے باب الصفا پر چڑھے وہاں پہونچکر پہلی سیڑھی پر اول پاؤں دھوئے اور بواب کی الماری میں جوتے رکھے، اس کے بعد اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتك پڑھ کر حضرت نے مسجد میں قدم رکھا اور میں حضرت کا اتباع کرتا رہا، نماز پنجگانہ کے اہتمام کی خاطر حضرت کبھی جبل ثور پر نہیں گئے، حالانکہ شوق ظاہر فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ بھئی ہر چیز بدل گئی اور تیرہ سو برس میں وہ زمین جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑا کرتے تھے خدا جانے کتنے گز نیچے دب گئی مگر دنیا میں دو چیزیں ابھی موجود ہیں جسکو جسد محمدی کے مس کی عزت حاصل ہوئی ہے، ایک حجر اسود، دوم غار ثور کے پتھر، کہ یہی حجر اسود ہے

جب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہائے مبارکہ لگے تھے، اور غار ثور کے پتھر بھی ابھی تک وہی پتھر ہیں جن سے مس کرتا ہوا آپ کا بدن غار میں پہونچا تھا مگر دور ہے اور فجر کے بعد چلکر ظہر تک آجانا کہ حرم شریف کی نماز فوت نہ ہو طاقت سے باہر ہے اس لئے ہمت نہیں ہوتی، میں نوجوان تھا اور سمجھتا تھا کہ تیز چلنا کون دشوار ہے ایک قدم رکھا اور دوسرا اٹھایا، اس لئے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے اجازت ہو تو میں ہو آؤں، حضرت کو معلوم تھا کہ تیز رفتار ہوں اس لئے ذرا سکوت فرما کر کہا بہتر ہے، دیکھو ایک لاکھ نماز کا ثواب نہ جاتا رہے میں نے کہا نہیں حضرت انشاء اللہ سویرے واپس آؤں گا، غرض سبھی کو راضی کیا کہ راہبر بنکر چلے اور دس بارہ نوجوان رفقا ساتھ ہوئے تو ان سے بھی کہدیا کہ فجر شافعی کا سلام پھیرتے ہی چل پڑیں گے مگر صبح ہوئی تو صبی ندارد، چونکہ عزم کر چکا تھا اس لئے بنام خدا رفقا کو ساتھ لے خود نکل کھڑا ہوا کہیں کہیں راستہ پوچھا اور آخر انصاب دیکھکر سمجھ لیا کہ یہ راہ ثور کی علامات ہیں قدم اٹھاکر تیز چلا، تین میل چلکر تین ہی میل جبل کی چڑھائی ختم کی اور نصف گھنٹہ غار میں لیٹ بیٹھکر واپس ہوا اور اپنی انتہائی رفتار پر قدم ڈالے کہ ایک رفیق بھی ساتھ نہ رہ سکا، مگر افسوس کہ دروازۂ حرم پر قدم رکھتے ہی مکبر کی آواز آئی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ گھٹنے ٹوٹ گئے اور وہیں بیٹھ گیا بعد میں حضرت سے ملا تو فرمایا بس اسی اندیشہ سے تو میری ہمت کبھی نہ ہوئی۔

مکہ کی گرمی مشہور ہے اور ایسی گرمی کا زمانہ حضرت نے وہاں گذارا ہے جو ناقابل برداشت تھی ہر چند آپ کے مطوف اور رفقا نے اصرار کیا کہ چند روز کیلئے طائف تشریف لے چلیں مگر آپ نے جب فرمایا یہی فرمایا کہ بھئی ہندوستان چھوڑ کر تو مسجد الحرام ہی کی خاطر آتے ہیں، اس کو چھوڑ کر طائف جائیں تو ہندوستان ہی چھوڑنا کیا ضرور تھا، سیر کیلئے تو وہاں بھی شملہ و منصوری موجود ہے ہم تو جاتے نہیں، دکھ سکھ گذر ہی جائیگی، میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت حرم شریف میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت فرماتے اور اسکو نہایت ہی برا سمجھتے تھے کہ حرم شریف کو راستہ بنایا جائے، کہ چکر سے بچنے کے لئے مثلاً باب العمرہ کے پاس والے مسجد میں عبور کر کے سوق شامی یا باب السلام کے راستہ سے نکل کر بازار جائیں، اسی طرح کسی مسجد کو تماشاگاہ بنانا حضرت کو بہت ناپسند تھا، دارالطلبہ کی

مسجد کلثومیہ تیار ہونے پر بعض عورتیں پردہ کرا کے دیکھنے آئیں تو آپ نے فرمایا کہ جو وہاں جائے تحیۃ المسجد ضرور پڑھے۔

ہر سفر میں ایک دو دن کا اعتکاف بھی آپ مسجد الحرام میں ضرور کرتے اور زمزم شریف خاص رغبت و احترام کے ساتھ چاہ پر حاضر ہو کر ڈول سے چھک کر پیا کرتے تھے، ایک مرتبہ مولوی محب الدین صاحب کے خلوہ میں معتکف تھے اور بندہ ساتھ تھا کہ تہجد سے فارغ ہو کر فرمایا چلو آج زمزم کا سب سے پہلا ڈول پئیں گے سنا ہے اس میں خالص کچے دودھ کا مزہ آتا ہے چنانچہ چاہ پر پہونچکر دیر تک انتظار کیا اور قفل کھلتے ہی اندر تشریف لیجا کر پہلا ڈول اول خوب شکم سیر ہو کر خود پیا اور پھر مجھے پلایا، زمزم پلانے والے جو مسجد میں پھرتے تھے کہ پلا کر پیسے مانگتے تھے، ان سے پانی لینا آپ کو پسند نہ تھا اور فرمایا کرتے کہ یہ تو بیع و شرا ہے جو مسجد میں حرام ہے، خصوصًا مسجد الحرام میں، کاش جبر نہ کیا کریں کہ پلانا ان کے لئے ثواب ہو اور صدقہ دینا معطی کے لئے سبب اجر، مگر جبر کی صورت نے اس کو خرید و فروخت بنا دیا جس سے معطی بھی غافل ہیں کہ نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق بنتے ہیں، اپنے دوستوں کو صاحبزادہ مولانا محمد حسن[1] کیطرف متوجہ فرماتے کہ مسائل حج میں جو کچھ پوچھنا ہو صرف مولانا سے پوچھنا اور خود بھی پابندی کے ساتھ مولانا کے پاس آتے اور کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو حل فرمایا کرتے تھے، یہ بھی فرمایا کہ مولانا کو مسائل کے جزئیات اتنے مستحضر ہیں کہ آج کوئی نظیر نظر نہیں آتی، مولانا نے مناسک حج میں سات برس کے اندر ایک رسالہ غنیۃ الناسک تالیف فرمایا تھا، حضرت نے اس کو تقاضہ کے ساتھ نقل کروایا اور جب بندہ حاضر حرمین ہوا تو تاکید فرمائی کہ نقل اپنے ساتھ ضرور لیتے آنا۔ چنانچہ بندہ نے نقل کا خود مولانا کے ساتھ اصل سے مقابلہ کیا اور ساتھ لا کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے بعض احباب کو ترغیب دے کر سو سو نسخے کا حصہ دار بنایا اور ایک حصہ خود لیا، اور اس کو طبع کرایا کہ محفوظ و نافع ہے کیونکہ موجودہ ضروریات کے لئے مناسک حج میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ حج میں مسلمان اتنا روپیہ خرچ کرتے اور اتنی مشقت اٹھاتے ہیں، مگر افسوس کہ حج کو بطریق مسنون ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ سارا روپیہ اور محنت ٹھکانے لگے، عوام جب حج کو جاتے تو حضرت تاکید فرماتے کہ کسی دیندار فقیہ عالم کی

[1] حضرت ممدوح علاوہ سوانح کے اپنے شیخ حضرت گنگوہی کے شاگرد رشید اور ... سے مجاز ...

مرافقت تلاش کرو اور علماء جاتے تو آپ وصیت فرماتے کہ یہ جدید مطبوعہ مناسک ضرور اپنے ساتھ رکھو، اور شروع سے جس نسک کا وقت قریب ہو اس کا باب دیکھنا اور بار بار مطالعہ کرنا لازم کرلو، مولانا محمد حسن صاحب کا زہد ہے کہ سال بھر میں پچاس روپئے سے زیادہ خرچ نہیں رکھتے اور توکل کہ کسی سے بطمع ملنا بھی پسند نہیں کرتے، اور استقامت کہ باوجود ضعف بصر اور زمانہ پیری کے نماز کی تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوتی تھی حضرت کی نظروں میں بڑا پیارا تھا، اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بس ہجرت تو ایسے لوگوں کی ہے، حضرت رح کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا نے بھی وصال فرمایا، اور عنیۃ الناسک اپنی یادگار باقیات صالحات چھوڑ کر جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے فرحمہ اللہ اٰمانو۔

یہ ساری تفصیلات تذکرۃ الخلیل مولفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی سے لی گئی ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد کی وفات ۱۳۴۶ھ میں ہوئی، اور مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

چودھویں صدی

مولوی محمد لطیف مچھلی شہری

گورکھپور میں وکیل تھے، ۱۳۰۸ھ میں مولوی وزیر علی خاں گورکھپوری کی معیت میں حج کو گئے، اور سفرنامہ حج لکھا، اس وقت اکبر، حسینی جیسی نامی جہاز تھے انھوں نے تن جور جہاز سے سفر کیا، سیلون کا کرایہ ۵ سے ۵ تک، اور تتق کا بھی ۵ تھا، مولانا عبد الحق الہ آبادی مہاجر سے دلائل الخیرات کی سند لی،

مکہ و مدینہ کی درمیانی منازل کی تفصیل یوں دی ہے

(۱۳۰۹ھ) ۵ محرم کو روانگی مکہ معظمہ سے ۶ رمحرم کو مقام شہداء سے جو دو کوس پر ہے اور وہاں سے مرقد میمونہ سرف ۴ - ۵ کوس ہے۔ ۷ کو وادی فاطمہ سے چلے، یہاں سے ۱۶ ر یا ۱۸ ر کوس پر مقام اصفہان (عسفان) ہے، وہاں سے ۸ رمحرم کو، پھر خلیف (خلیص) سے ۹ رمحرم کو، اور قضیمہ سے ۱۰ محرم کو، اور رابغ سے ۱۲ محرم کو چلے، اس کے بعد بیر رضوان ملا، ۱۵ رمحرم کو ابواضداء سے چلے، پھر قیف (خیف) ملا، ۱۶ رمحرم کو ریان سے چلے تو رباط ملا ۱۸ ر کو بیر الماشی سے تو مدینہ منورہ پہونچے، واپسی میں بیر ماشی، بیر الادب، ریان، ابواضداء

بیر رضوان، رابق، قدیمہ، خلیف، اصفہان[۱]، وادی فاطمہ سے گذر ہوا

علیم اللہ مرحوم جدہ

انھوں نے رسالۂ حج میں لکھا ہے کہ ۱۳۰۹ھ اور ۱۳۱۰ھ میں تین کمپنیاں جہاز کی تھیں ایک مسرس طامس کوک اینڈ سن کی، یہ سب سے اچھی تھی، دوسری حاجی قاسم یوسف میمن کی، ان کے پاس ایک دو جہاز تھے، تیسری حاجی عبدالحسین شیرازی کی، جہاز کا کرایہ ایک طرف کا فرسٹ کلاس کا ساٹھ روپئے سے ستر تک، چھتری کا ۳۵ سے ۴۵ روپئے تک ...... اور ایک طرف کا سیلون کا ۴۰ سے ۵۰ روپئے تک، ڈیک کا ۲۵ - ۳۵ روپئے تک، ۳۰ برس پہلے بادبانی جہاز یلملم پر کھڑے ہوتے تھے وہاں مکہ براہ خشکی دو دن کی راہ ہے، مدینہ منورہ کے راستہ میں حسب ذیل مسجدیں ملتی ہیں۔

مسجد عائشہ (تنعیم) مسجد سرف، مسجد مرالظہران، مسجد خلیص، مسجد عقبہ، مسجد جحفہ، مسجد بدر مسجد صفرا وادی، مسجد الخزاتہ، مسجد صفیر ردما (روحا) مسجد عرق الظبیۃ مسجد معرس، مسجد ذوالحلیفہ

مرزا عرفان علی بیگ گونڈوی

۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) میں ۲ر شوال کو گونڈہ سے روانہ ہوئے، ۳ر کو لکھنؤ پہونچے، وہاں سے براہ بھوپال بمبئی روانہ ہوئے، ۵ر کو بمبئی پہونچے، بمبئی اینڈ پرشیا اسٹیم نیویگیشن کے حسینی جہاز کا ٹکٹ لیا، ۱۰ر شوال کو جہاز نے لنگر اٹھایا، اپریل کے مہینہ میں بھی تلاطم اور طبیعت میں بدمزگی تھی ۱۲ر شوال کی شام کو جہاز کراچی پہونچا، ۱۳ر کی شام کو روانہ ہوا، جہاز میں اتنی جنبش تھی کہ کچھ سامان نذر دریا ہوگیا، اس میں ۲۵۰ مسافر تھے، کراچی سے عدن ۱۴۶۰ میل ہے، اسٹیمر کی رفتار فی گھنٹہ ۹½ میل تھی، ۲۰ر شوال ۴ بجے صبح کو عدن پہونچے، ۲ بجے دن کو روانہ ہوئے، ۲۱ر شوال ۵ بجے شام کو کامران پہونچے، یہاں قرنطینہ اور پانی کی کمی کی وجہ سے بڑی تکلیف رہی کامران میں کپڑا بناتے ہیں ۴ر سال پہلے پورا جہاز "نادری" کامران سے بوجہ ہیضہ واپس کردیا گیا، اس میں ...، سو مسافر تھے ہمکو تنجور نامی جہاز کامران میں ملا۔ ملا احمد خاں پشاوری کامران میں ملے ۴ر ذی قعدہ کو کامران

---

[۱] رابغ - تقیمہ - خلیص - عسفان

اور قرنطینہ سے نجات ملی۔ ۶ر ذی قعدہ کو بعد دوپہر جدہ پہونچے۔

لونڈی، غلاموں کی فروخت جاری ہے، شریف عون الرفیق کا زمانہ ہے، راتب پاشا کی معزولی کا پروانہ آیا، اور حسن پاشا ملی کا تقرر بعنوان حکومت حجاز ہوا۔ تب جہاز میں واپسی ہوئی اس میں ۱۳۰۰ سو مسافر تھے، ۵ محرم ۱۳۱۲ھ کو گونڈہ واپس آئے، ایک اسٹیمر عبدالقادر نام کا تھا، عدن پر انگریز کا قبضہ ۱۸۳۹ء میں ہوا۔

کرنل شاہ بیگ خاں

ہندمیں افغانستان کے سفیر تھے، سنہ ۱۳۲۰ھ میں شملہ نامی جہاز پر بمبئی سے اور شاہ نور نامی جہاز سے واپس ہوئے، جدہ سے ینبع پانی کے جہاز میں اور وہاں سے اونٹ پر مدینہ گئے، ۱ر صفر ۱۳۲۱ھ کو واپسی ہوئی۔

۱۳۲۲ھ[1] میں کراچی سے بورستن نامی جہاز سے ماللعہ کرایہ ادا کرکے فرسٹ کلاس سے سویز روانہ ہوئے، تھرڈ کلاس کا کرایہ معہ تھا، ۲۹ر شوال کو ۹ بجے کراچی سے چلے ۱۱ر ذی قعدہ کو سویز پہونچے ۲۲ر ذی قعدہ کو سویز سے ایک روسی جہاز میں سوار ہوئے، اس میں ۱۴۴۰ مسافر تھے، ۲ر ذی الحجہ کو جدہ پہونچے، شریف عون بن محمد بن عون کا طائف میں انتقال ہوا۔ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ میں شریف علی بن شریف عبداللہ قائم مقام ہوئے پھر وہی مستقل ہوئے یکم رجب ۱۳۲۳ھ کو عبدالحمید خاں والی ترکی کا جشن تاجپوشی منایا گیا، احمد راتب پاشا والی مکہ مقرر ہوئے ۱۳۲۳ھ میں بھی حج کیا، منصوری جہاز میں واپسی ہوئی ۲۳ر ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو بمبئی واپس ہوئے۔

استاذ مرحوم حضرت مولانا عبدالغفار مئوی

مولانا نے ۱۳۲۱ھ میں حج کیا، اور اسی سال محرم ۱۳۲۱ھ میں رسالہ حج مسمی "مسلک البررۃ" تالیف فرمایا، اسکی ضخامت ایک سو چھ صفحات ہے، مناسک حج کے بیان میں یہ بہترین رسالہ ہے، حیرت ہے کہ مولانا نے یہ رسالہ حج سے پہلے لکھا ہے مگر مواقیت، ومقامات متبرکہ، اور مساجد ومشاہد کا

---

[1] کرنل شاہ بیگ کے ذکر کے بعد یہ سطریں میری نوٹ بک میں تھیں، اغلب یہ ہے کہ یہ بھی انھیں کا ذکر ہے۔

بیان پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، جمعہ کے دن ۱۰ محرم ۱۳۲۲ھ کو مولانا مئو واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ اس سال طاعون میں چار ہزار سے زائد آدمی مئو میں اور اسی قدر مبارکپور میں مرے، اس سے متاثر ہو کر آپ نے رسالہ "کشف المکنون" عما یتعلق بالخروج علاجاً و فراراً من الطاعون" لکھا۔ آپ حضرت گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں تھے، آپکے تلامذہ میں مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند تھے، ناچیز کو بھی آپ ہی خدمت میں کچھ شُدبُد حاصل ہوئی ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۵۱ھ میں ہوئی، عیدگاہ اورنگ آباد (مئو) کے جانب جنوب نیا پورہ جانے والے راستہ کے بالکل قریب مزار ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

مولانا محی الدین حسین مدراسی

مدرسہ لطیفیہ ویلور (مدراس) میں صدر مدرس تھے آپ نے ۱۳۲۲ھ میں حج کیا اور ایک سفرنامہ لکھا جس کا نام "سفرنامہ حرمین شریفین" ہے، اسوقت مکہ معظمہ میں شیخ العلماء محمد سعید بابصیل محدث، شیخ شعیب مغربی، شیخ عمر شامی، شیخ حسب اللہ مکی (محلہ خندریہ متصل صولتیہ میں) ابوالخیر مراد شیخ الائمہ، شیخ اسعد دہان، عبدالرحمن دہان، مولانا عبدالحق الہ آبادی، اور شیخ محمد تیس بقید حیات تھے، اور مدینہ منورہ میں شیخ امین رضوان، سید احمد برزنجی، شیخ عبداللہ نابلسی، شیخ مامون بری، عمر بن ہمدان (حمدان) تونسی، شیخ یاسین مصری، شیخ خلیل خربوطی، عبدالقادر طرابلسی، شیخ موسیٰ مالکی اصحاب درس تھے

ینبع سے بیر سعید، حمراء (اجدیدہ) بیر عباس، بیر درویش میں منزل کرتے ہوئے مدینہ پہونچے، واپسی کا راستہ یہ تھا۔ مدینہ سے بیر ہاشی ۸ گھنٹہ میں، غائر، بیر حسانی، بیر شیخ، بیر مستورہ، رابغ، شراج، تینابیک، ذہبان، جدہ

مولٰنا محمد اسلم فرنگی محلی

۱۳۲۲ھ ہی میں مولانا محمد اسلم فرنگی محلی نے بھی حج کیا اور شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر، شیخ صالح کمال مفتی حنفیہ، شیخ حسین حبشی، شیخ ابوالخیر بن عبداللہ میرداد (غالباً انھیں کو مولانا محی الدین نے ابوالخیر مراد لکھدیا ہے)

شیخ محمد سعید بابصیل سے مکہ میں۔ اور شیخ امین رضوان، شیخ مصطفےٰ الحبشی، خلیل خربوطی، شیخ جزری شیخ حضرمی سے مدینہ منورہ میں اجازات حاصل کیں۔ مولانا محمد اسلم صاحب کو میں نے لکھنؤ میں دیکھا تھا ان کے صاحبزادے مولوی ناصر میرے پاس آتے جاتے تھے۔

خطیبؒ قادر بادشاہ

وانمباڑی کے رہنے والے تھے، ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (فروری ۱۹۰۷ء) میں حج کیا، اور سفر حجاز کے نام سے واقعات سفر حج لکھے، فرماتے ہیں۔

بمبئی سے عدن ۱۶۶۴ میل، عدن سے جدہ ۱۲۰۰ میل، ہے بوہرہ کمپنی کے جہاز کرومنڈل (جس کا نام بعد میں شاہ نور ہوگیا) سے سفر کیا، سکنڈ کلاس کا کرایہ ایک طرف کا ۸۰ اور تھرڈ کلاس کا ۶۰ تھا، بعد میں دس پندرہ روپے میں ٹکٹ ملنے لگا، مولوی صبغۃ اللہ ہم سفر تھے۔

تنعیم، مکہ سے تین میل پر ہے، شریف علی کی حکومت ہے، احمد راتب پاشا والی مکہ ہیں شیخ شعیب مراکو کے رہنے والے مالکی المذہب ہیں، ان کا حلقۂ درس سب سے بڑا ہے، بخاری پڑھاتے ہیں، سلطنت عثمانیہ (ٹرکی) سے تنخواہ پاتے ہیں، مشہور اساتذہ مکہ سے ہیں۔ مولانا عبدالحق الہ آبادی چالیس سال سے یہاں ہیں۔ صاحبِ کمال اور مقبول و محبوب ہیں، ان سے دلائل الخیرات وغیرہ کی سند لی۔

اسی سال نواب بھاولپور نے ۵۰۰ آدمیوں کے ساتھ ایک خاص جہاز کا انتظام کرکے حج کیا، حاجی عبدالرحمن عنبر خانی مقیم مدینہ نے بھی حج کیا، جنوبی آرکاٹ کے رہنے والے اور ہر دلعزیز ہیں، ان کا ذکر سفرنامہ حرمین میں مولانا محی الدین نے بھی کیا ہے، مکہ سے مدینہ پھر وہاں سے جدہ کا کرایہ ۵۵ مجیدی (ایک مجیدی ۴؍ کی) مکہ سے عرفات ۹ میل کرایہ ۱۰؍ (آمدورفت کا ہوگا) مکہ سے جدہ ۴۰ میل۔ کرایہ ۱۵؍ حج و زیارت سے فارغ ہونے کے بعد نواب بھاولپور بیمار ہوئے، اور عدن پہونچکر انتقال کرگئے، نعش بھاولپور لائی گئی۔

جدہ سے مشتری نامی جہاز سے جو مغل کمپنی کا تھا، ینبوع (منبع) آئے، ینبوع (منبع) جدہ سے ۱۶۰ میل ہے، عثمان پاشا والی مدینہ ہے جو محافظ مدینہ کہلاتا ہے ریلوے لائن دمشق سے مدائن صالح تک مکمل ہوگئی، مدائن صالح مدینہ سے ۵۰۰ کیلومیٹر ہے۔ مدینہ منورہ میں شیخ عباس رضوان سے دلائل الخیرات

وقصیدہ بردہ کی سندلی مدینہ ورابغ کے درمیانی منازل کے نام یہ ہیں - بیر علاو بیر خلص، بیر بن حسانی بیر شیخ، مستورہ، رابغ۔

مولانا ابوالحسن عراقی متوی

مولانا میرے استاذ محترم تھے، میں نے مولانا کے پاس کافیہ وشرح جامی وغیرہ متعدد کتابیں پڑھی ہیں، خط کی مشق بھی آپ ہی کے پاس بہم پہونچائی تھی۔

آپ نے ۲۹ رسال کی عمر میں حج کیا۔ ۹ر شوال ۱۳۲۵ھ کو دس بجے دن گھر سے نکلے، ظہر کی نماز بڑی جماعت کے ساتھ متو اسٹیشن پر پڑھی، مولانا عبدالغفار امام تھے، بمبئی کا ٹکٹ عہ میں ملا ایک بجے دن میں ٹرین چھوٹی، عصر کی نماز اوڑیہار میں پڑھی، غروب آفتاب کے ساتھ بنارس پہونچے نماز مغرب کینٹ میں پڑھی، پھر کھانے اور نماز عشاء سے فارغ ہوکر مغل سرائے جانیوالی گاڑی میں سوار ہوئے جو پچھم سے آئی تھی آٹھ ساڑھے آٹھ بجے مغل سرائے پہونچے اور مسافر خانہ میں اسباب سرہانے رکھکر آرام تمام رات بسر کی، ۱۰ بجے دن کلکتہ سے بمبئی میل آیا، اس میں صرف ایک ڈبہ (بوگی) تیسرے درجہ کی تھی باقی سب ڈیوڑھا سکنڈ اور فرسٹ کلاس) تھا، اس لئے بڑی بھیڑ تھی ایک ڈبہ (کمپارٹمنٹ) میں اسباب بھرا تھا وہی خالی ہوا تو کسی طرح جگہ ملی، دس دس بارہ اسٹیشن چھوڑکر گاڑی دس پندرہ منٹ کیلئے کھڑی ہوتی تھی، اس میں اور کوئی تکلیف نہیں تھی، بس رش کیوجہ سے نماز پڑھنے اور وضو کرنے کی جگہ بدقت ملتی تھی، مغل سرائے سے ۱۰ ارشوال روز یکشنبہ ۱۰½ بجے دن میں چلے، اور ۷ بجے شام کے قریب جبل پور پہونچے، میل سے سفر کرنیوالے مسافر کو یہاں سے ۳؎ زائد محصول ادا کرنا پڑتا ہے، ورنہ پسنجر گاڑی پکڑنا پڑے گی اسلئے ایک پولیس مین کو ۴؍ اجرت، اور ۳؎ دیکر ٹکٹ درست کرایا۔ ۱۱ر شوال کو ایک بجتے بجتے بمبئی پہونچ گئے، بمبئی اسٹیشن پر بیل گاڑی اور گھوڑا گاڑی کی بہت کثرت تھی آٹھ آنے پر گاڑی کرایہ کرکے محمد عرب کی چال بھنڈی بازار کے قریب پہونچے، مسافر خانوں سے مسافروں کے سال کی چوری بہت ہوتی ہے۔

صعہ میں سارا سامان سفر (جس میں آٹا، چاول، دال، برتن، کپڑے اور جوتے سب شامل ہیں) خریدا، حاجی عبدالکریم متوی اورنگ آبادی کے ذریعہ جہاز کا ٹکٹ خریدا، سے ٹکٹ کے اور دس روپے

فیس قرنطینہ ادا کی گئی جہاز کا نام بدری تھا اس کا مالک غلام علی بچماری والا تھا، ٹکٹ کا آدھا حصہ پھاڑ کر عدن سے پہلے لے لیا گیا، ۲۵ رنومبر ۱۹۰۷ء مطابق ۱۸ رشوال ۱۳۲۵ھ کو بارہ بجے دن میں جہاز نے لنگر اٹھایا، جہاز کی روانگی سے دو ایک دن پہلے گھنٹی بجتی ہے اور شہر میں منادی کرائی جاتی ہے۔

۵ بجے صبح ہر مسافر کو بھپارے گھر میں حاضر ہونا تھا مولانا اپنے قلمی سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ ہم وہاں آنے میں گھوڑا گاڑی کر کے سویرے پہونچے، وہیں فجر کی نماز پڑھی، غلہ اور برتن کو بھپارا نہیں دیتے، اس گھر میں داخل ہونے کا وقت ۸ بجے تھا، داخلہ کے وقت بڑی بھیڑ اور سخت دھکم دھکا تھا۔ اندر داخل ہوئے تو سب لوگوں کی صف بنائی گئی ایک شخص آیا اس نے کمر اور بدن کو ہاتھ لگایا کہ بخار تو نہیں ہے، دوسرا ایک سرخ رنگ کی مہر لگاتا ہوئے آیا، ٹکٹ کو سینہ پر رکھا اور ٹکٹ کے ساتھ کرتے پر بھی مہر لگاتا چلا گیا۔ اس کے بعد دو آنے پر قلی کر کے جہاز تک سامان پہونچایا گیا، جہاز میں دھکا کھاتے ہوئے اپنے ہاتھ سے سامان پہونچایا، وہاں پہونچکر دیکھا کہ ہر جگہ بستر پڑا ہوا ہے حالانکہ مسافر نہیں ہیں، معلوم ہوا کہ یہ قلیوں کی حرکت ہے ایک روپیہ دیکر ایک قلی سے اچھی ہوادار جگہ حاصل کی۔

۱۲ بجے دن میں جہاز روانہ ہوا، اس دن کچھ نہیں معلوم ہوا، دوسرے دن (سہ شنبہ) کو چکر شروع ہوا، خوب خوب قے ہوئی، چلمچی کا رکھنا بہت مفید ہوا، بدھ جونہی آیا قے بند ہوگئی، دن بھر پڑا رہا، پنجشنبہ کو کچھ تھوڑا کھایا، اسی دن سے چکر میں کمی شروع ہوئی اور جمعہ تک بہت کم ہوگیا، اب آرام سے کھاتے پیتے تھے جہاز میں بھیڑ کی وجہ سے پیشاب، کھانا پکانے اور پانی لینے کی بہت تکلیف ہوتی ہے۔ سمندر کا پانی مشین سے میٹھا بنا کر دیا جاتا ہے۔

پہلے چھتری پر جانے کی اجازت نہ تھی جب گرمی سخت اور بعض بعض بیمار ہوگئے تو ڈاکٹر نے اجازت دی کہ جب طبیعت گھبرائے تو اوپر چلے جایا کرو۔ ساتویں دن ایک اندھیرا سا پہاڑ نظر آیا، سہ شنبہ کو صبح کے وقت عدن پہونچے، شہر بندرگاہ سے ۶ میل دور ہے۔ یہ بندرگاہ بہت بارونق ہے، متعدد جہاز یہاں ٹھہرتے ہیں، کنارے پر پہاڑ بہت ہیں ان پر سفید سفید بنگلے نظر آتے ہیں۔ سات دن تک پانی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا جب عدن میں عمارتیں نظر آئیں تو بڑی فرحت محسوس ہوئی، تھوڑی دیر میں کشتیاں پہونچنا شروع ہوئیں ہر کشتی میں، گوشت، آلو، دال، شکر، سیب وغیرہ موجود تھے، مسافر جہاز پر سے سامان خریدتے ہیں، اور بیچنے والے ایک ٹوکری سامان رکھ کر اس میں بندھی ہوئی رسی کو جہاز پر پھینکدیتے

خرید اور رسی کھینچکر سامان لے لیتا ہے اور ٹوکری میں سودے کی قیمت رکھدیتا ہے صبح سے شام تک خرید وفروخت ہوتی رہی، میں نے بھی حلوا، سیب، گوشت اور آم خریدا۔

عدن سے آدھ آنہ ایک پائی میں ہندوستان خط جاتا ہے اور بیرنگ بھی جاتا ہے، ہم نے بھی چار، پانچ خط لکھ کر ایک ملازم کو دیدیا، مولوی عبدالہادی صاحب مرید وخلیفہ حضرت چاندشاہ صاحب بھی جہاز میں ہمسفر تھے انھوں نے بھی خط بھجوایا، عدن میں نماز جانب شمال ہوتی ہے، عدن سے دو دن میں یا تیسرے دن جہاز کامران پہونچا، اور سیڑھیوں کے ذریعہ ضروری سامان ساتھ لئے چھوٹی کشتیوں میں اترے اور قرنطینہ میں پہونچے اور آٹھ دن قرنطینہ میں رہے جہاز والے فی صد وق ۸ اور فی بوری، نصف صندوق ۱۲ ار کرایہ لیکر جہاز میں زائد سامان محفوظ کر دیتے ہیں اور قرنطینہ سے واپسی کے بعد سامان دیدیتے ہیں، قرنطینہ کے بعد دوبارہ جہاز پر سوار ہوئے، اور دو یا تین دن میں جہاز جدہ پہونچا، کشتیوں کے ذریعہ کنارہ پہونچے۔ جدہ سے اونٹ پر مکہ روانہ ہوئے صبح سویرے چلے تھے شام کو حدہ پہونچے وہاں رات گذار کر صبح کو چلے اور شام ہوتے ہوتے مکہ معظمہ میں داخل ہوگئے

مولانا کی وفات سنہ ۱۳ھ میں آپ کا مزار عیدگاہ کے پیچھے محلہ اورنگ آباد میں ہے۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

آپ نے غالباً سنہ ۱۳۲۶ھ میں حج کیا، اور سنہ ۱۳۲۷ھ میں زیارۃ الحرمین لکھی، فرماتے ہیں اسوقت جہاز اسلامی، رحمانی، رضوانی، علوی، خسرو، دارا اور اکبر تھے، یہ سب جہاز مغل کمپنی کے تھے،

جدہ سے مکہ ۷۵ کیلو میٹر (یعنی تقریباً ۴۶ میل) ہے، اور جدہ سے مدینہ منورہ ۴۵۰ کیلو میٹر (یعنی تقریباً ۲۸۱ میل) ہے

مکہ و مدینہ کی درمیانی منزلیں یہ ہیں،

عسفان، قضیمہ، رابغ، ابیار بن حصانی، بیرالشیخ، بیردرویش، اور الحسا۔ ینبع سے مدینہ ۲۵۰ کیلو میٹر یعنی ۱۵۶ میل، اور مکہ سے عرفات ۲۲ کیلو میٹر، یعنی ۱۴ میل،

سلطانی راستہ مکہ سے مدینہ۔ وادی فاطمہ، عسفان، خلیص، القدیمہ ساحل سمندر پر، رابغ، مستورہ، صفراء (ایدہ) بیرالشیخ، دیار بن حصانی، حمراء الجدید، خیف، بیر عباس، بیردرویش

آبار علی یہ راستہ مکہ سے غرب شمال کو جاتا ہے۔

فرعی راستہ :- رابغ سے وادی حرشاں بجہت شمال مشرق، نقر الفار، بیر رضوان، ابوضباع وادی ریان، غدیر وادی معظم، بیر الماشی، آبار علی،

طریق غائر:- رابغ سے مستورہ جانب شمال،

طریق شرقی :- جنۃ المعلی، بیاضیہ ہوتا ہوا منیٰ کے شمال مائل مشرق منازل وادی لیمون، حفائر، برکۃ السمرہ، حبیط، سفینہ، سویرجیہ، حجریہ، غدیر، سیدنا حمزہ،

مولانا عاشق الٰہی نے اس کے بعد بھی کئی حج کئے ہیں۔

ان کی وفات سنہ ۱۳ میں ہوئی۔

تنبیہ :- متعدد سفرناموں میں کئی بے تحقیق باتیں بھی نظر آئیں، ہم نے ان کی اصلاح و تصحیح کو کوشش نہیں کی، صرف متنبہ کر دیا ہے۔

ابوالغنائم الظاہر ذوالمناقب

معمر بن محمد نام تھا اولاد ابی طالب کے نقیب اور امور حج کے والی تھے۔ خلیفہ بغداد نے انکو ۴۵۶ھ میں خلعت اور یہ مناصب و القاب عطا کئے، ابوالحسن اقساسی کے بعد ۴۱۶ھ سے ۴۵۵ھ (یعنی چالیس برس) تک ایسی بدنظمی، فتنہ و فساد اور اضطراب رہا کہ اس درمیان میں شاید ہی کوئی منظم قافلہ خراسان و عراق سے حج کے لئے گیا ہو، ۴۵۶ھ میں کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو ابوالغنائم امیر حج مقرر ہوئے، اسوقت سے ۴۶۶ھ تک چند برسوں کے استثنا کے ساتھ حجاز کا قافلہ انھیں کی سرکردگی میں جاتا آتا تھا اور انھیں کی قیادت میں حج کرتا تھا۔ درمیان میں ایک سال ۴۵۸ھ میں نورالہدی ابوطالب کی قیادت میں قافلہ گیا مگر وہ مکہ جاکر وہیں مقیم ہوگئے۔ پھر ۴۶۰ھ میں بھی ابوطالب ہی کی قیادت میں قافلہ گیا، ابوالغنائم علوی نہایت کثیر العبادۃ اور خوش اخلاق تھے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ انھوں نے کسی مخلوق کو تکلیف پہونچائی ہو ۴۹۰ھ میں ان کا انتقال ہوا (ابن الجوزی و ابن کثیر)

امیر جنفل ترکی امیر الحاج

یہ ایک ترکی امیر تھا، جس نے صرف سولہ ترکیوں کو ساتھ لیکر قبیلہ بنو خفاجہ کے بدوؤں کو جو حجاج کے قتل و غارت، اور خبث و شرارت میں سب قبائل سے آگے تھے، زیر کیا، اور ان کی جمعیت کو درہم برہم کردیا، اس کے بعد اس نے زاہر میں جو راستہ کی ایک منزل ہے قیام اختیار کرلیا (ابن کثیر ج ۱۲ ص ۱۱۳) ۴۶۸ھ سے ۴۷۰ھ تک اسی امیر کی قیادت و حمایت میں عراق کا قافلۂ حجاج حج کی سعادت حاصل کرتا رہا، ۴۷۰ھ میں اس کا آخری حج تھا اس سال اس نے آتے جاتے دو دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں میرا یہ آخری حج ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس امیر نے بدوؤں کے مقابلہ میں اپنی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے اور کئی موقعوں پر ان کو ایسی شکست دی کہ سارے اعراب مرعوب ہوگئے اور ان کی جمعیت منتشر ہوگئی، ان کارناموں کے ساتھ وہ بڑا پابند نماز تھا، اور باجماعت پڑھتا تھا روزانہ قرآن پاک کا ایک ختم کرتا تھا، حج کے راستہ میں حوضوں اور کنوؤں کی مرمت اور

حجاج کے فائدہ کے دوسرے کام بھی اس نے بہت کئے۔ کوفہ میں مزار یونس کے پاس حنفیوں کے لئے ایک مدرسہ بھی اس نے قائم کیا تھا اور بغداد کے مغربی جانب لب دریائے دجلہ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی ۴۷۹ھ میں جب اس کی وفات ہوئی اور نظام الملک وزیر کو اسکی اطلاع ملی تو اس نے کہا جنفل کی موت ہزار آدمیوں کی موت ہے (ابن کثیر) ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ وہ بارہ سال امیر الحج رہا، ابن الجوزی نے اس کا نام خُتلغ (قتلغ) بن کُنتکین لکھا ہے (ابن کثیر ص ۱۳۱/۱۲ ۴۷۵ھ تا ص ۱۲۳/۱۲)

امیر خمارتکین حسناتی امیر الحاج

اس امیر کو ۴۷۹ھ میں قافلہ حجاج کی امارت وقیادت تفویض ہوئی اور اسی سال مصر کی فاطمی حکومت (جو باطنیوں کی حکومت تھی) کا خطبہ حرمین میں موقوف ہوا، اور کعبہ کے دروازہ پر فاطمی حاکم کے نام کی جو تختیاں لگی ہوئی ان کو نکلوا کر عباسی خلیفہ کے نام کی تختیاں لگوائی گئیں، ۴۷۹ھ سے لیکر ۴۹۷ھ تک اکثر وبیشتر یہی امیر اس خدمت پر مامور ہوتا رہا ہے۔ ۴۸۵ھ میں قبیلۂ بنو خفاجہ نے قافلہ لوٹنا چاہا تو جو فوج قافلہ کی حفاظت کے علاوہ حج کے ارادہ سے اس امیر کے ساتھ ہوتی تھی اس نے بدوؤں کا جم کر مقابلہ کیا اور ان کو شکست دیدی اس امیر کے مزید حالات اور اس کا سنہ وفات دریافت نہ ہو سکا۔
اس اٹھارہ برس کے عرصہ میں ایک بار حمید عمری اور ایک بار امیر تونتاش شافعی بھی امیر حج مقرر ہوئے ہیں۔

امیر الحاج قطز بن عبداللہ خادم

امیر خمارتکیں کے بعد ۵۰۰ھ میں محمد بن ملک شاہ کی طرف سے امیر ترکمان امیر حج مقرر ہوا اور ۵۰۲ھ و ۵۰۳ھ و ۵۰۴ھ میں امیر قیماز نے یہ خدمت انجام دی، اور ۵۰۵ھ میں اس اہم خدمت کے لئے امیر الجیوش قطز خادم نامزد ہوا، اور اسوقت سے لیکر ۵۴۴ھ تک چند سالوں کے استثنا کے ساتھ برابر یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ جس سالوں کا ہم نے استثنا کیا ہے ان میں سے ایک سال جمال الدولہ اقبال مسترشدی نے (۵۱۸ھ میں) اور ایکسال برنقش نے (۵۲۳ھ میں) اور ایک سال ارجواں نے (۵۴۰ھ میں) امارت حج کے فرائض انجام دئے۔

امیر قطز نے حدیثیں بھی سنی تھیں، ابوالحسن زاغونی اس کے مؤدب تھے، اس نے ستائیس حج کئے تھے۔ بیس سے زائد حجوں میں وہ امیر الحاج تھا، ابن الجوزی محدث نے ۵۴۱ھ میں اس کے زیر قیادت حج کیا تھا اور اس سفر میں اس سے سماع حدیث کا ارادہ بھی کیا مگر راستہ کے انتظام کے سلسلہ میں اس کی کوئی ایسی بات انھوں نے دیکھی جو ان کے خیال میں ظلم تھی اس لئے سماع کا ارادہ ترک کر دیا، ۵۴۴ھ میں جب وہ حجاج کے قافلہ کو لیکر چلا تو بیمار تھا کوفہ پہونچکر اس کا مرض ترقی کر گیا اس لئے اپنے خادم قیماز کو یہ خدمت سپرد کر کے وہ بغداد واپس آگیا اور ۲۱ ذی قعدہ ۵۴۴ھ کو انتقال کر گیا، امیر مکہ اور بدوؤں پر اس کا بڑا رعب تھا چنانچہ اس سال جب اس کی جگہ بدوؤں نے قیماز کو دیکھا تو اس کو خاطر میں نہیں لائے اور قافلہ کو لوٹ لیا (ابن جوزی) ابن کثیر نے لکھا۔

وکان الحاج معہ الخ صـ ۲۲۸ ج ۱۲

امیر الحاج قیماز ارجوانی

۵۴۵ھ سے ۵۵۴ھ تک اس امیر نے حجاج کی قیادت کی اور اس خدمت کے طفیل میں اسکو حج کی سعادت حاصل ہوتی رہی یہ بہت نیک امیر تھا، شعبان ۵۵۵ھ میں گیند کھیل رہا تھا کہ گھوڑے سے گر گیا اور گرتے ہی اس کی جان نکل گئی، اس کی وفات کا لوگوں کو بہت رنج ہوا، اور نماز جنازہ میں لاتعداد مخلوق شریک ہوئی (ابن کثیر وابن جوزی)

امیر برغش کبیر

کوفہ کا امیر تھا، ۵۵۵ھ سے لیکر ۵۶۱ھ تک امیر الحاج کے عہدہ پر رہا، اور حج کی سعادت اسکو حاصل ہوتی رہی، فوج بھی اسکے ماتحت تھی، ۵۶۲ھ میں گھوڑے سے گر کر قضا کر گیا (ابن کثیر)

اسد الدین شیر کوہ

سلطان نور الدین شہید کے معتمد امراء میں سب سے بڑا امیر اور شجاعت و بہادری و حسن تدبیر میں فرد تھا، فرنگیوں کے مقابلہ میں ان کے مجاہدانہ کارنامے تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں دمشق اور اسکندریہ کو فاطمیوں کے ہاتھ سے اسی نے نکالا، اور ان معرکوں میں اس نے اپنی بہادری اور جنگی صلاحیتوں کے وہ جوہر دکھائے جس نے مخالفین کے حوصلے پست کر دئے، اور مسلمانوں کے دل سے دعائیں نکلیں، ابن کثیر نے ان معرکوں کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے بل اللہ بالرحمۃ وجعل الجنۃ مثواہ (اللہ آب رحمت سے اسکی خاک کو سیراب کرے اور جنت کو اس کا مسکن بنائے) شیر کوہ نے ۵۵۵ھ میں حج کی سعادت حاصل کی اور اہل حرمین پر انعام واکرام کی خوب بارش کی (ابن جوزی صـ ۱۹۶ ج ۱۰)

شیر کوہ کی وفات ۵۶۴ھ میں ہوئی۔ اور وہ مصر کے دار الامارہ میں مدفون

ہوئے ۵۶۸ھ میں ان کے بھائی نجم الدین ایوب سلطان صلاح الدین ایوبی کے والد کی وفات ہوئی تو وہ بھی وہیں مدفون ہوئے مگر تقریبًا دو سال کے بعد ۵۸۰ھ میں ان دونوں بھائیوں کو وزیر جمال الدین موصلی کی اس رباط میں جو انھوں نے روضۂ مقدسہ نبوی کے متصل بنوائی تھی لیجاکر دفن کیا گیا جہاں سے روضۂ نبوی صرف سترہ ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔ ابن کثیر ص ۲۶۲/۱۲

علی کوچک

اس کا لقب نور الدین[۱] اور باپ کا سبکتگین تھا، موصل کا حاکم تھا مگر بڑھاپے میں ثقل سماعت اور بینائی کمزور ہو جانے کیوجہ سے اس نے موصل کی حکومت سلطان نور الدین شہید کے بھائی قطب الدین مودود کے حوالہ کردی، علی کوچک بڑا عادل، نیک سیرت، امانت دار اور بدعہدی سے پاک بادشاہ تھا۔ لوگوں کی لغزشوں کو عمومًا معاف کردیا کرتا تھا، نہایت مبارک قدم تھا، جس لشکر میں وہ موجود رہا اسکو شکست نہیں ہوئی، پہلے بس ایک بڑا عیب اس میں تھا کہ وہ تنگ دل اور بخیل تھا۔ چنانچہ شیرکوہ کے ساتھ ۵۵۵ھ میں اس نے بھی حج کیا تھا، شیرکوہ کی فیاضی کی مدح سرائی کے بعد مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ولم یفعل کوچک شیئاً یذکر مع کثرۃ مالہ یعنی اس حج میں کوچک نے نہایت دولتمندی کے باوجود کوئی قابلِ ذکر کام نہیں کیا۔ ص ۱۹۶/۱ مگر بعد میں یہ عیب بھی زائل ہوگیا، آخر عمر میں اس نے کئی کئی مدرسے رباطیں اور پل بنوائے، اور اپنی ساری دولت صدقات وخیرات میں لٹادی، مرنے کے بعد اس نے کچھ نہیں چھوڑا، ۵۶۳ھ میں اس کی وفات ہوئی (حاشیہ ابن جوزی ص ۲۲۳/۱)

جمال موصلی

محمد بن علی نام ابو جعفر کنیت تھی، حاکم موصل قطب الدین مودود بن زنگی اور اس کے باپ اور بھائی کا وزیر تھا، جود و احسان اور کثرت خیرات وصدقات، اس کا امتیازی وصف تھا، اسی لئے جواد اصفہانی کے لقب سے اسکی شہرت ہے۔ مکہ و مدینہ میں اس کی بڑی بڑی یادگاریں ہیں اس نے

---

[۱] شذرات الذہب میں زین الدین لقب اور اربل کا حاکم لکھا ہے۔

حرم کے دروازے مستحکم کرائے انکی چوکھٹیں اونچی کرائیں، عرفات میں ایک چشمہ کا پانی نہر کے ذریعہ پہونچایا، مسجد خیف کی از سرِ نو تعمیر کرائی، مدینہ منورہ کی شہر پناہ بنوائی، اس کے علاوہ بہت سی رباطیں اور موصل میں ایک پل بنوایا، روزانہ اپنے دروازہ پر سو دینار خیرات کرتا تھا، مسلمان قیدیوں کو چھڑانے میں سالانہ دس ہزار دینار صرف کرتا تھا، مختلف شہروں کے فقہا اور فقراء کے پاس برابر امدادی رقوم بھجواتا تھا۔ اسد الدین شیر کوہ سے اس کی بڑی دوستی تھی اور آپس میں معاہدہ تھا کہ جو پہلے مرے اس کو دوسرا مدینہ منورہ لیجاکر دفن کرے۔ اتفاق سے پہلے جمال موصلی مرے اور شیر کوہ نے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے ان کی نعش مدینہ بھجوائی، موصل سے مدینہ تک کاندھوں پر اٹھاکر لوگ انکی نعش لے گئے اور راستہ میں جس جس آبادی سے گذر ہوا سب نے ان کی تعریف اور ان کی موت پر اظہار افسوس کیا اور موصل کے علاوہ تکریت، بغداد، حلہ، کوفہ، فید اور مکہ معظمہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی، مکہ میں ان کی نعش کو کعبہ کا طواف کرانے کے بعد مدینہ منورہ لیجاکر مسجد نبوی کے شرقی جانب میں جو رباط جمال موصلی نے بنوائی تھی اس میں ان کو سپردِ خاک کیا گیا۔ ابن الساعی مورّخ کا بیان ہے کہ روضۂ پاک نبوی اور ان کی قبر کے درمیان صرف پندرہ ہاتھ کا فاصلہ ہے، حلہ میں نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد ایک حلی شاعر نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر انکی مدح میں یہ دو دردانگیز اور سچے شعر پڑھے

سری نعشه فوق الرقاب وطالما　　سری جوده فوق الرکاب ونائله

آج اس کی نعش لوگوں کے کندھوں پر سفر کر رہی ہے　　اور اب سے پہلے اسکی بخشش سواریوں پر سفر کرتی رہی ہے

یمر علی الوادی فتثنی رماله　　علیه وبالنادی فتثنی ارامله

وہ وادی سے گذرتی ہے تو وادی کے ذرات اسکی مدح خوانی کرتے ہیں اور آبادی سے گذرتی ہے تو بیوائیں اسکی ثناخوانی کرتی ہیں

جمال موصلی کی وفات ۵۵۹ھ میں ہوئی۔ (ابن جوزی، ابن کثیر)

امیر شمس الدین محمد بن عبد الملک بن مقدم

سلطان صلاح الدین ایوبی کے نائب اور دولت ایوبیہ کے وزراء میں تھے، سلطان نے ۵۸۳ھ میں جب بیت المقدس کو فتح کیا، تو اس فتح کی خوشی میں مسلمانوں کی ایک جماعت حج کے زمانہ میں بیت المقدس سے حج کا احرام باندھ کر گئی۔ اس سال سلطان کی طرف سے

امیر شمس الدین امیر الحاج تھے، اور خلیفہ بغداد کی جانب سے امیر طاشتکیں امیر الحاج تھا، نویں تاریخ کو جب سارے عالم کے حجاج میدانِ عرفات میں اکٹھا ہوئے تو شامی مسلمانوں نے شامی جھنڈے لہرائے۔ اور نوبت بجوائی اور اس عنوان سے سلطان صلاح الدین کی عظمت و جلال کا مظاہرہ کیا، یہ بات امیر طاشتکیں کو ناگوار ہوئی اور اس نے روکنا چاہا مگر شنوائی نہیں ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں، جنگ شروع ہوگئی، اور بہت المناک واقعات پیش آئے۔ اس لڑائی میں امیر شمس الدین بھی زخمی ہوئے، اور دوسرے دن منیٰ پہونچکر ان کا انتقال ہوگیا۔ خلیفہ بغداد کو اسکی خبر پہونچی تو طاشتکیں کو اس کی حرکت پر سخت ملامت کی - اور اس خوف سے کہ کہیں سلطان صلاح الدین خلافت بغداد سے اس کا انتقام نہ لے، طاشتکیں کو اس کے منصب سے معزول کردیا گیا (ابن کثیر)

امیر حسام الدین محمد بن عمر بن لاچین

اور

ستّ الشام بنت ایوب

ستّ الشام، سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہمشیرہ تھیں اور امیر حسام الدین انکے بیٹے سلطان صلاح الدین کے بھانجے تھے، سلطان کے مجاہدانہ کارناموں اور ان کی عظیم الشان فتوحات میں انکا بڑا ہاتھ تھا، سلطان کی طرف سے نابلس کے حاکم تھے۔ انھوں نے اپنی والدہ کو ساتھ لیکر ۵۸۲ھ میں حج کیا تھا۔ محرم ۵۸۳ھ میں جب سلطان دمشق سے عکّا کو فتح کرنے کے ارادہ سے نکلے تو چونکہ یہ لوگ ابھی حج سے واپس نہیں آئے تھے، سلطان کو ان کی جانب سے تشویش تھی اس لئے مقام بصریٰ میں فوج کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کیا جب آخر محرم میں یہ لوگ آگئے اور سلطان کو اطمینان ہوا تو کرک کی طرف فوج کو کوچ کا حکم دیا (مرآۃ ص ۳۹۲ ج ۸)

امیر کی وفات ۵۸۷ھ میں ہوئی (ابن کثیر) ستّ الشام صرف صلاح الدین کی بہن نہیں تھیں بلکہ متعدد بادشاہوں کی بہن، اور کئی ایک کی ماں اور کئی ایک کی پھوپھی تھیں، ۳۵ بادشاہ انکے محرم (بیٹے بھائی اور بھتیجے) تھے، ان کے اوقاف میں دو مدرسے شامیہ جوانیہ اور شامیہ برانیہ ہیں، ابن کثیر نے الست الجلیلۃ لکھکر ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ نہایت کثرت سے خیرات کرتی

تھیں اور فقراء و محتاجین کے ساتھ بڑا احسان کرتی تھیں، ہر سال ہزاروں دینار کے شربت اور دوائیں اور جڑی بوٹیاں فراہم کر کے بلا امتیاز تقسیم کرتی تھیں سنہ ۶۱۶ھ میں ان کا انتقال ہوا،

نصراللہ بن الفائض وزیر سلطان صلاح الدین

انھوں نے اس وقت جب صلاح الدین ایوبی صاحب تخت و تاج نہیں تھے، ان کی خدمت اور مالی امداد و اعانت کی تھی، سلطان نے بادشاہت کے بعد ان کی خدمتوں کی قدردانی کی اور ان کو اپنا وزیر مقرر کر لیا، نصراللہ بہت قابل وثوق، دیانتدار، امین اور بہادر تھے انھوں نے سنہ ۵۷۴ھ میں حج کیا اور اس سال حکومت شام کی طرف سے گویا وہی امیر الحاج تھے سنہ ۵۸۷ھ میں ان کی بھی وفات ہوئی (مرآۃ)

امیر طاشتکین مستنجدی

مجیر الدین لقب تھا، بغداد کے خلیفہ عباسی کی طرف سے امیر الحاج کے عہدہ پر تھے ۲۶ برس تک انھوں نے یہ خدمت انجام دی اور اس خدمت کے طفیل میں حج کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے رہے، ابن کثیر کا بیان ہے کان فی غایۃ حسن السیرۃ (یعنی انتہا درجہ کے نیک سیرت تھے) آخر میں ان کے حاسدوں نے ان پر یہ تہمت لگائی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے ان کی خط و کتابت ہے اور سلطان کو بغداد کی حکومت پر قبضہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ اس کی کوئی اصلیت نہیں تھی مگر خلیفہ کا عتاب ان پر نازل ہوا، اپنے عہدہ سے الگ کر دئے گئے، اور جرمانہ اہانت اور قید و بند مزید برآں، سنہ ۵۸۸ھ میں یہ معزول کئے گئے، پھر جب ان کی برات ثابت ہوگئی تو خلیفہ نے دوبارہ ان کو امیر الحج مقرر کیا، اور خوزستان کا علاقہ ان کی جاگیر میں عطا کیا، ابوشامہ نے ان کو مستنجدی کے بجائے مقتفوی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ مجاز میں یہ ایک بادشاہ کی طرح رہتے تھے۔ بہت بہادر اور نہایت فیاض تھے، سنہ ۶۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا،

شاہ حلب الملک الظافر

خضر نام تھا اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے صلبی لڑکے تھے، سنہ ۶۱۰ھ میں حج کے ارادہ سے

دمشق آئے تو وہاں ان کا نہایت شاندار استقبال ہوا، اور انکے چچازاد بھائی معظم نے انکا بہت اکرام کیا اس کے بعد حجاز روانہ ہوئے، جب مکہ پہونچنے میں چند منزلیں باقی رہ گئی تھیں تو کامل شاہِ مصر کے آدمیوں نے یہ کہہ کر ان کو مکہ جانے سے روک دیا کہ آپ یمن پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں انھوں نے ہر چند صفائی دی بلکہ یہاں تک کہا کہ تم مجھے مقید کرلو اور اپنی حراست میں حج کے مناسک ادا کر لینے دو مگر وہ نہیں مانے، اور کہا ہم کو ایسا کوئی حکم نہیں ملا ہے ہم کو تو بس یہ حکم ہے کہ ان کو جانے سے روکو اور واپس لاؤ، شاہ حلب کے آدمیوں نے مقابلہ کرنا چاہا مگر شاہ نے اس خیال سے کہ ایک فتنہ برپا ہو جائے گا، ان کو اس سے باز رکھا اور احرام کھول کر شام واپس چلے آئے، اہلِ قافلہ نہایت رنجیدہ ہوتے اور شاہ کو رخصت کرنے کے وقت لوگ زار و قطار رو رہے تھے، ابن کثیر نے اس واقعہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ ان کے اس عمل کو قبول فرمائے۔

الملک المعظم عیسیٰ بادشاہ دمشق و شام

اپنے والد الملک العادل کی وفات کے بعد ۶۱۵ھ میں دمشق میں تخت و تاج کے مالک ہوئے حافظ قرآن اور حنفی مذہب کے صاحب بصیرت فقیہ تھے، کئی جلدوں میں امام محمد کی جامع کبیر کی شرح لکھی تھی اس میں دوسرے علماء کی امداد و اعانت بھی شامل تھی، زمخشری کی مفصل زبانی یاد تھی، مدرسہ نوریہ کے مدرس امام حصیری کے پاس فقہ حنفی کی تعلیم پائی تھی، اور مشہور و معروف لغوی و محدث تاج الدین کندی کی خدمت میں فن لغت اور نحو کی تحصیل کی تھی، انھوں نے بعض علمائے فن کو اس کام پر مامور کیا تھا کہ لغت کی ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں جوہری کی صحاح اور ابن درید کی جمہرہ، اور ازہری کی تہذیب کو یکجا کر دیا جائے، اسی طرح کسی کو اس کا حکم بھی دیا تھا کہ مسند احمد کو ابواب پر مرتب کریں، مختصر یہ کہ بادشاہوں کے طبقہ میں اس علمی شغف کی مثال بہت کم ملے گی جو ملک معظم کو حاصل تھا۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ ان کو علماء سے بڑی محبت تھی اور اوران کا بہت احترام کرتے تھے، وہ ہمیشہ اس کی بھی کوشش کرتے تھے کہ نیک راستہ پر چلیں انھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو (سنت کے مطابق) سفید کپڑوں کا کفن دیا جائے۔ اور میری قبر

بصورتِ لحد بنائی جائے، اور مجھ کو صحرا میں دفن کیا جائے اور اس پر کوئی عمارت تعمیر نہ کی جائے۔

دمیاط کی لڑائی میں انھوں نے عیسائیوں کا بہت بے جگری سے مقابلہ کیا تھا اور خوب خوب دادِ شجاعت دی تھی، چونکہ خالص اسلام کی سربلندی کی نیت سے اس معرکہ میں انھوں نے اپنی جان کی بازی لگائی تھی اس لئے کہتے تھے کہ اپنے اس کام کو میں نے اللہ کے پاس ذخیرہ بنایا ہے اور امیدوار ہوں کہ اس کی بدولت وہ مجھ پر رحم کرے گا۔

وہ ہر جمعہ کو نماز سے بہت نکلتے تھے اور پہلے اپنے والد کے مزار کے پاس تھوڑی دیر بیٹھتے تھے اس کے بعد اپنے چچا صلاح الدین ایوبی کے مزار پر جاتے تھے اور انھیں کے مزار کے پاس جو مسجد ہے اس میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔

ان کے مزاج میں شاہانہ کروفر قطعًا نہ تھا، بسا اوقات اکیلے سوار ہو کر نکل پڑتے تھے جب خدم وحشم کو اطلاع ہوتی تو وہ بھاگ کر ان سے جا ملتے تھے۔ جو شخص زمخشری کی مفصل زبانی یاد کروائے اس کے لئے سو دینار انعام کا اعلان ان کی طرف سے تھا اس لئے بہت سے لوگوں نے مفصل کو زبانی یاد کر ڈالا تھا۔

۶۱۱ھ میں جب ان کے والد الملک العادل بقیدِ حیات اور سلطان شام تھے ملک معظم عیسی بہت سے امرائے دولت اور دوسرے بکثرت آدمیوں کی رفاقت میں کرک سے سانڈنیوں پر سوار ہو کر حج کیلئے تبوک والعلا کے راستہ سے چلے اور اسی سال اس راستہ کا مشہور تالاب جو ان کی نسبت سے برکۃ المعظم کہلاتا ہے انھوں نے تیار کرایا، اس راستہ سے حاجیوں کو پہلے مدینہ منورہ ملتا ہے، وہ مدینہ آئے تو مدینہ کے حاکم نے جس کا نام سالم تھا ان کا پرتپاک استقبال کیا اور کنجیاں ان کے حوالہ کردیں اور پوری پوری خدمت بجالایا۔ لیکن جب مکہ پہونچے تو قتادہ حاکمِ مکہ ان کو خاطر میں بھی نہیں لایا، اسی لئے جب وہ حج واداے مناسک سے فارغ ہوئے اور جو مال و دولت یہاں کے مجاورین میں بانٹنے کیلئے لائے تھے انکو تقسیم کرکے مدینہ کے راستہ سے شام واپس ہونے لگے تو سالم حاکم مدینہ کو اپنے ساتھ لے لیا اور جب اپنے والد ملک عادل سے مقام راس الماء میں ان کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے قتادہ حاکمِ مکہ کی شکایت کی، عادل کو سخت ناگواری ہوئی اور اس نے سالم حاکمِ مدینہ کے زیر کمان ایک فوج مکہ روانہ کی اور حکم دیا کہ قتادہ کو مکہ سے نکال دو لیکن اس

فوج کے پہونچنے اور مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی قتادہ پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گیا۔
یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ملک معظم نے اس حج میں قران کا احرام باندھا تھا، اور بقول ابن کثیر کے اس نے حج کے ساتھ حجاز کے راستہ میں بہت سی اچھی یادگاریں قائم کیں جو حجاج کیلئے موجب راحت و آسائش ہوئیں۔ ملک معظم کی وفات ۶۲۴ھ میں ہوئی۔

شاہ یمن الملک المسعود اقسیس

الملک الکامل کا لڑکا اور یمن کا بادشاہ تھا، اس نے ۶۱۹ھ میں حج کیا مگر افسوس ہے کہ اس کا حج نیازمندانہ نہیں تھا، وہاں پہونچکر بھی حکومت کا نشہ نہیں اترا تھا، اس لئے اس کے عادات و اطوار کسی کو پسند نہیں آئے، پھر ۶۲۰ھ میں اس نے حاکم مکہ حسن بن قتادہ کے خلاف فوج کشی کی، اور عین صفا و مروہ کے بیچ میں جنگ ہوئی، لڑائی میں حاکم مکہ کو شکست ہوئی اور وہ پہاڑوں میں بھاگ گیا، اس وقت مکہ میں زیدیوں کی حکومت تھی، اقسیس کے ہاتھ سے اس حکومت کا خاتمہ ہوا اور اب وہ خود یمن کے ساتھ مکہ کا بھی حاکم ہوگیا، اس کی حکومت کا بڑا رعب تھا اور رعیت کے دلوں میں اس کا احترام تھا اس لئے اس کے دور میں دونوں ملکوں میں نہایت امن تھا، راستے بے خطر تھے اور حجاج پورے اطمینان سے آتے جاتے تھے۔ یہی بات اسکی قابلِ تعریف تھی، ۶۲۶ھ میں اسکی وفات ہوئی (ابن کثیر ص ۹۸-۹۹-۱۲۴ ج ۱۳)

المعتمد ابراہیم حاکمِ دمشق

الملک المعظم عیسی کے عہدِ حکومت میں دمشق کا حاکم تھا، چالیس (۴۰) برس تک وہ اس منصب پر رہا ابن کثیر کا بیان ہے کہ وہ نہایت پاکباز، نیک سیرت، فیاض اور بہترین حاکم تھا، وہ عزت دار لوگوں کی کبھی بے عزتی کے درپے نہیں ہوتا تھا اسکے زمانہ میں عدل و انصاف کے عجیب عجیب واقعات پیش آئے اور مجرموں کا کھوج لگانے میں اس کی ذہانت کے بڑے نادر نمونے دیکھنے میں آئے، آخر آخر کسی شکایت کی بنا پر وہ اپنے عہدہ سے ہٹا دیا گیا، مگر منادی کرانے کے بعد ایک شخص بھی یہ کہنے والا نہ ملا کہ اس نے ہم سے رائی کے دانہ کے برابر رشوت لی ہے (ص ۱۱۵ ج ۱۳)

وہ ۶۱۶ھ میں معزول ہوا اور اسی سال اس نے حج کیا، حجاج کا امیر بھی وہی تھا اور اس کی وجہ سے حاجیوں کو بڑا فائدہ پہونچا، قصہ یہ ہوا کہ اس سال خلیفہ بغداد کی جانب سے اقباش ناصری جو دربارِ خلافت کا بہت بڑا امیر اور خلیفہ کے خاص آدمیوں میں تھا وہ عراقی حجاج کے امیر کی حیثیت سے مکہ آیا تھا اور خلیفہ نے اسی کے ہاتھ حسن بن قتادہ کے نام حکومت مکہ کا فرمان اور خلعت بھی بھیجی تھی۔ قتادہ کا سب سے بڑا لڑکا راجح تھا اس نے مخالفت کی اور کہا میرے سوا کوئی دوسرا حاکم مکہ نہیں ہوسکتا، اسی بات پر دونوں بھائیوں میں لڑائی ہوگئی اور اسی میں غلطی سے اقباش ناصری کی جان بھی چلی گئی، چونکہ وہی امیر حج تھا اور وہ قتل ہوگیا تو غلاموں کا ایک سرکش طبقہ جو مکہ میں آباد تھا اس نے موقع پاکر حاجیوں کو لوٹنے کا تہیہ کرلیا اس موقع پر انھیں معتمد نے بہادری دکھائی اور ان کو اس حرکت سے باز رکھا۔

چونکہ یہاں مکہ کے حاکم قتادہ کا نام آگیا ہے اس لئے اتنا بتا دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ وہ زیدی مذہب کا پابند لانبے قد کا بوڑھا آدمی تھا اور بڑا بارعب تھا، کسی خلیفہ یا بادشاہ سے نہیں ڈرتا تھا نہ کسی کے آگے جھکنے کا نام لیتا تھا وہ اپنے کو سب سے زیادہ حکومت بلکہ خلافت کا حقدار سمجھتا تھا، اسی وجہ سے یاد ہوگا کہ ملک معظم جب حج کو آئے تو وہ انکو بھی خاطر میں نہ لایا وہ پہلے تو انصاف شعار بادشاہ تھا مگر بعد میں اس کے برعکس بڑا ظالم ہوگیا نئے نئے ٹیکس لگائے اور کئی بار حاجیوں کو لوٹا، قتادہ ۶۱۶ھ میں خود اپنے بیٹے حسن کے ہاتھ سے مارا گیا، مگر اپنے باپ کو مار کر حسن کو بھی چین نصیب نہ ہوا صرف دو سال کے بعد اس کے ہاتھ سے بھی مکہ کی حکومت نکل گئی اور وہ پہاڑوں میں جاکر لاپتہ ہوگیا یا قتل ہوگیا، (ابن کثیر ص ۱۹۲/۱۳)

شاہزادہ الملک المجاہد انس

بادشاہ دمشق و مصر الملک العادل کتبغا کا لڑکا تھا اس نے ۶۹۴ھ میں حج کیا اور اس نے اور اس کے رفیق امراء نے حرمین میں خوب صدقات تقسیم کئے (ابن کثیر)

خلیفہ عباسی الحاکم بامر اللہ اور امیر خضر

الحاکم بامر اللہ اڑتالیسواں خلیفہ عباسی ہے۔ ۶۶۱ھ میں الملک الظاہر بیبرس نے اس کے

ہاتھ پر بیعت کی یہ ان خلفائے عباسیہ میں تھا جو سقوط بغداد کے بعد مصر میں برائے نام خلیفہ تھے، اس نے ۶۹۰ھ میں مصری قافلہ حجاج کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی، اس قافلہ کا امیر سابق شاہ دمشق و مصر الظاہر کا بیٹا امیر خضر تھا، (ابن کثیر)

الحاکم چالیس برس خلیفہ رہا ۷۰۱ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

الحاج عزالدین ازدمر

دمشق میں سنقر اشقر کے نائب السلطنت تھے، علم و فضل کے ساتھ صاحب کرم و مروت بھی تھے، ۶۸۰ھ میں تاتاریوں کے مقابلہ میں حمص کے محاذ پر تاتاریوں کے بادشاہ کو زخمی کرنے کے بعد مردانہ وار لڑکر شہید ہوئے، ان کو حج سے جو خاص تعلق تھا اس کی بنا پر الحاج کے نام سے مشہور تھے۔

امیر کبیر بدرالدین بکتوت

منصور قلاوون کے عہد دولت میں عالی منزلت امیر تھا، اس نے ۶۸۹ھ میں قاضی شہاب الدین خوبی کی معیت میں حج کیا تھا، ۶۹۳ھ میں اسکی وفات ہوئی (شذرات)

امیر سیفُ الدّین سلار نائب مصر

الملک الناصر بن قلاوون شاہ مصر کا نائب تھا، بڑے دبدبہ کا امیر تھا، اس نے ۷۰۳ھ میں حج کیا، اس سفر میں چالیس امیر اور امراء کی تمام اولاد اس کے ساتھ تھی، وزیر مصر امیر عزالدین بغدادی بھی معیت میں تھا۔ مصریوں کا امیر حج اباق حسامی تھا، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سلار نے بڑی شاہانہ شان و شوکت سے یہ حج کیا تھا۔ بعد میں رکن الدین بیبرس کا نائب تھا ۷۱۰ھ میں قتل کر دیا گیا۔

شمسُ الدّین دوباج بن ملکشاہ

گیلان کا حاکم تھا، ۷۱۴ھ میں حج کیلئے روانہ ہوا غباغب (ایک جگہ کا نام ہے) پہونچکر

اس کا انتقال ہوگیا، اس کی لاش کو دمشق لاکر دفن کیا گیا، اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے حج بدل کے لئے حاجیوں کا جتھا روانہ کیا جائے، چنانچہ اس کی وصیت کے مطابق حجاج کی ایک جماعت نے اس کی طرف سے حج بدل کیا (ابن کثیر)

رئیس شام الصاحب حمزہ بن اسعد قلانسی

بڑے صاحب وجاہت، کریم النفس اور علم دوست رئیس تھے، وزارت کے منصب پر بھی فائز رہ چکے ہیں، نہایت ذکی، دوراندیش وبلند عزم تھے، حکومت میں بڑا رسوخ حاصل تھا، متعدد محدثین کی مجالس میں شریک ہوکر حدیثوں کی سماعت بھی کی تھی انھوں نے بڑھاپے میں حج کیا، اور اس سفر میں انھوں نے ساٹھ ہزار درہم صرف کئے، علم الدین برزالی فرماتے ہیں کہ ۷۲۱ھ میں جب حج کے لئے گئے تھے تو میں ان کا رفیق سفر تھا، میں نے ان کے پاس مدینہ منورہ وغیرہ میں حدیثیں پڑھی ہیں، ۷۲۹ھ میں ان کی وفات ہوئی (درر)

بادشاہ خلاط شہاب الدین غازی

سلطان صلاح الدین ایوبی کا پوتا تھا، بڑا بہادر، باہیبت اور فیاض بادشاہ تھا، ۶۲۴ھ میں اسکے بھائی الملک الاشرف نے شاہانہ ساز وسامان کے ساتھ اس کو ایک عظیم الشان محمل میں حج کے لئے روانہ کیا، چھ سو اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا، پچاس سانڈنیاں ساتھ تھیں ہر سانڈنی پر ایک ایک غلام سوار تھا، اس تزک واحتشام کے ساتھ یہ قافلہ براہ بغداد روانہ ہوا، خلیفۂ بغداد کو خبر ہوئی تو دربارِ خلافت سے بھی بیش قیمت ہدایا آئے، حج سے فارغ ہوکر اسی راستہ سے واپسی بھی ہوئی، اس بادشاہ کا انتقال ۶۴۵ھ میں ہوا (ابن کثیر)

حامی اسلام الملک الظاہر بیبرس بندقداری

ملک مظفر قطز کے بعد شام ومصر وحلب کا بڑا نامور بادشاہ تھا، جرأت وشجاعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، قطز کی وفات کے وقت اس کا شمار بہت بڑے امراء میں نہیں تھا، لوگوں نے امتحاناً

اس کو تخت پر بٹھادیا تھا مگر وہ فطرۃً شجاع، بلند ہمت، عالی ظرف اور نہایت مدبر تھا، حکومت کی ساری صلاحیتیں اس کی فطرت میں ودیعت تھیں اس لئے اسکی حکومت کو استحکام نصیب ہوا، اسی کی تدبیر اور اولوالعزمی وشجاعت کا نتیجہ تھا کہ اس نے اٹھارہ برس کے عرصہ میں فرنگیوں کے قبضہ سے بارہ چودہ سنگین قلعے نکال لئے، اسماعیلیوں کے پاس ایک قلعہ بھی نہ چھوڑا، اسی کا اقبال تھا کہ ہلاکو خان کو شام کے قریب آنے کی جرأت نہیں ہوئی حالانکہ عین جالوت کے واقعہ کے بعد وہ طے کرچکا تھا ملک شام پر دھاوا بول کر مسلمانوں سے اس کو چھین لے، اس کا دل اسلام کی محبت وعظمت سے معمور تھا، رفاہ عام ونفع خلائق کی سیکڑوں چیزیں اسنے اپنی یادگار چھوڑی تھیں، مسجد نبوی میں آگ لگنے کا ایک ہولناک حادثہ پیش آگیا تھا تو اس نے اسکو از سرِ نو تعمیر کرایا، پُل، نہریں، مساجد، مہمان خانے، مدرسے، سنگین قلعے اور اس طرح کی دوسری چیزیں اس کثرت سے اس نے تعمیر کرائیں کہ خلفاء اور سلاطین ایوبیہ کے دور میں بھی اتنی کثیر تعداد میں تعمیر نہیں ہوئیں۔ اس کے علاوہ اس نے شراب فروشی کی بندش اور بدمعاش وفاسق وفاجر لوگوں کو شہر بدر کرکے خلقِ خدا کو آرام پہونچادیا، اسلامی احکام کا اجراء کیا، غرضیکہ اس دور میں بقول ابن کثیر اس کو اللہ نے فرشتہ رحمت بناکر بھیجا تھا جو اسلام واہل اسلام کا حامی ومددگار اور فرنگیوں، تاتاریوں اور مشرکوں کی حلق کی ہڈی تھا، دمشق کا مدرسہ ظاہریہ اسکی یادگار ہے (ابن کثیر صفحہ ۲۰۵/۱۳ و صفحہ ۲۰۶/۱۳)

الملک الظاہر ۶۵۸ھ میں بادشاہ ہوا۔ اور ۶۶۷ھ میں امیر بدرالدین خزانہ دار، قاضی القضاۃ صدرالدین سلیمان حنفی، فخرالدین لقمان، اور تاج الدین ابن الاثیر وغیرہ کو ساتھ لیکر حج کے لئے نکلا، تین سو سے زائد غلام اس کے ساتھ تھے، فوج بھی ساتھ تھی۔ کرک کے راستہ سے روانہ ہوا اور وہاں کے حالات کا معاینہ کرکے مدینہ حاضر ہوا، وہاں کے حالات کا جائزہ لینے اور اہل مدینہ پر احسان وانعام کرنے کے بعد مکہ آیا اور مجاورین کو شاہانہ عطیات دئے، احمد سباعی نے لکھا ہے کہ حاکم مکہ ابونمی کو اسقدر تحفہ تحائف دئے جس کا اندازہ مشکل ہے، بہت سے خاندانوں کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا، بدوی قبائل کو بھی اتنے بڑے بڑے عطیئے دئے کہ ان کی زندگی پر اس کا بہتر اثر پڑا۔ (جلد ا صفحہ ۱۸۴)
عرفات میں وقوف کے بعد طواف افاضہ کے لئے مکہ آیا اور کعبہ کا دروازہ کھولا گیا تو اس نے گلاب سے اس کو غسل دیا اور اپنے ہاتھ سے خوشبوئیں لگا کر اس کو معطر کیا، پھر دروازہ پر

خود کھڑے ہوکر اندر جانے والوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ ان کو اندر پہونچایا، اس سے فارغ ہوکر رمی جمرات (کنکری مارنے) کے لئے منی گیا، اس کے بعد پھر مدینہ حاضر ہوکر روضۂ اقدس کی دوبارہ زیارت کی، یہاں سے دمشق روانہ ہوکر ۲۹ ذی الحجہ کو کرک پہونچا وہاں سے ایک آدمی کو دمشق بھیجا کہ وہاں جاکر خیریت کے ساتھ واپسی کی بشارت سنادے، جس وقت نائب دمشق کو اطلاع ملی کہ قاصد بشارت لے کر آرہا ہے تو وہ شہر کے باہر قاصد کا استقبال کرنے کے لئے نکلا۔ جب باہر پہونچا تو دیکھتا ہے کہ سلطان خود بہ نفس نفیس موجود ہیں لوگوں کو سلطان کی اس جفاکشی وتیز رفتاری پر بڑا تعجب ہوا، بادشاہ نے یہ حکمت اس لئے کی تھی کہ حج سے واپسی پر انکے شاہانہ استقبال اور نذر وتحفہ وتحائف کے تکلف کی نوبت نہ آئے اور یہ اس کی مستمر عادت تھی۔ بادشاہ یہاں سے حلب گئے اور وہاں سے مصر روانہ ہوئے تو مصری حجاج کا قافلہ اور بادشاہ کی سواری دونوں ساتھ ہی مصر میں داخل ہوئے۔

شاہ کے ساتھ ان کی بیگم بھی سفر حج میں ساتھ تھیں مگر وہ واپسی میں ساتھ نہیں ہوئیں ملک حجاز ہی میں اس سال رہ گئیں، بادشاہ کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی۔

شاہ یمن الملک المظفر یوسف

الملک المنصور عمر بن رسول کا لڑکا تھا۔ اس نے چالیس برس سے زیادہ حکومت کی اس کو علم سے اچھا خاصا لگاؤ تھا، اس نے محب الدین طبری سے حدیثیں سنی تھیں، علماء وصلحاء کا محب ومعتقد تھا، شیخ ابوالغیث یمنی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا اور شیخ نے اس کو حصول حکومت کی بشارت دی تھی، اس نے کعبہ کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرکے اس گھر کے مالک کے حضور میں اپنی نیازمندی وبندگی کا اعتراف بھی کیا تھا، محب الدین طبری محدث حرم کی طرف اس کے دل کا بہت میلان تھا، محب الدین اکثر یمن جایا کرتے تھے، اور وہ ان کو ہر وقت بلایا کرتا تھا، مگر جب وہ حج کے لئے آیا تو صرف آنے کے وقت ان سے ملاقات کی پھر جب تک ایام حج گذر نہ گئے اس وقت تک اس نے ان کو نہیں بلایا انکو اس سے انقباض ہوا اور اپنے پیر ابوالعباس مغربی سے اسکی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ

توجہ کا اثر ہے میں نے ہی یہ چاہا کہ وہ تم کو بلا کر تمہاری حج کی مشغولیتوں میں حارج نہ ہو اب وہ متوجہ ہوگا چنانچہ فوراً ملک مظفر نے ان کو بلایا اور انھوں نے ان تمام لوگوں کے حق میں بادشاہ کے پاس شفارشیں کیں جو خواہش مند یا ضرورتمند تھے۔

ملک مظفر نے پانچسو سواروں کے ساتھ حج کیا تھا، مظفر بہت ذہین تھا، ایک شخص نے اس کو رقعہ لکھا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا المُؤمِنُونَ اِخوَۃٌ، میں آپ کا ایک بھائی دروازہ پر کھڑا ہوں اور بیت المال سے اپنا حصہ چاہتا ہوں اس نے ایک درہم بھجوا دیا اور یہ کہلا دیا کہ میرے مومن بھائی دنیا میں بے شمار ہیں اگر ان پر بیت المال کی رقم تقسیم کی جائے گی تو ایک ایک درہم بھی حصہ میں نہ آئے گا۔

ایک دفعہ عدن کے امرا نے ایک رنگین اجتماع کرنا چاہا اور اس کے لئے ایک بڑی مقدار میں شراب مٹکوں میں مہیا کی گئی، کسی طرح ولی کامل شیخ عبداللہ کو (جن کا مزار موزع میں ہے) اطلاع ہوگئی اور انھوں نے اپنی جماعت کے ذریعہ ساری شراب بہا دی امراء کو طیش آیا اور انھوں نے ملک مظفر کو لکھا، مظفر نے جواب میں لکھا کہ یہ کام یا تو کسی صالح کا ہوسکتا ہے یا کسی پاگل کا اور میں ان میں سے کسی سے بات نہیں کرسکتا، مظفر کی وفات سنہ ۶۹۴ھ میں ہوئی

مدبر الممالک الوزیر الکامل ابن سلعوس

اس کا نام محمد بن عثمان تھا۔ الملک الاشرف بادشاہ دمشق کا وزیر تھا۔ ابتداءً تاجر تھا، پھر دمشق کا محتسب ہوگیا اسی زمانہ میں ملک اشرف کو جو ابھی بادشاہ نہیں ہوا تھا اس سے کام پڑا اور اسکو محسوس ہوا کہ اس میں انصاف اور سچائی ہے اس لئے صاحب تخت ہونے کے بعد ملک اشرف نے اس کو اپنا وزیر مقرر کیا، اس وقت ابن سلعوس حج کے لئے گیا تھا وہیں اس کو دعوت نامہ ملا، قاضی القضاۃ شہاب الدین خوبی کے تذکرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ سنہ ۶۰۵ھ میں قاضی صاحب کی معیت میں ابن سلعوس بھی تھا، اس کی وفات سنہ ۶۹۳ھ میں ہوئی (ابن کثیر)

الحاج طیبرس

یہ بھی وزیر اور الملک الظاہر بادشاہ دمشق کا خسر تھا نہایت دیندار و کثیر الصدقات تھا دمشق میں ایک خانقاہ اس کی وقف کی ہوئی ہے۔ مسلمان قیدیوں کے رہائی میں بڑی رقم صرف کرتا تھا، کثرت حج کیوجہ الحاج کے لقب سے مشہور تھا ۶۸۹ھ میں وفات پائی (ابن کثیر)

الملکُ الناصر محمّد بن قلاوُن

مصر و شام کا بڑا نامور اور فیروز بخت فرمان روا تھا ۷۰۹ھ میں وہ آخری دفعہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا، اس سے پہلے ایک دفعہ ۶۹۳ھ میں دوسری دفعہ ۶۹۸ھ میں اس کو سلطنت حاصل ہوئی تھی مگر ارکان سلطنت کی باہمی آویزش اور توڑ جوڑ کیوجہ سے وہ دیرپا نہ ہوئی، صحیح معنوں میں وہ تیسری ہی دفعہ بادشاہ ہوا، اس دور میں اس نے بہت سی جامع مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائیں اور اسی دور میں متعدد شہروں پر اس کا قبضہ ہوا، اسکی فیروز بختی تھی کہ اس کے دور میں کسی دشمن نے اس کے ملک پر حملہ نہیں کیا، نیز رعیت اسکی فرمانبردار تھی، وہ بڑا باہیبت اور امور سلطنت میں ماہر اور بیدار مغز تھا، اہلِ علم کا احترام کرتا تھا، اور ہر منصب کیلئے غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کے بعد جو اس کا زیادہ اہل ہوتا اسی کو منتخب کرتا تھا۔ اس نے غذائی اشیاء پر ٹیکس لینا بند کر دیا تھا۔

اس نے تاج و تخت کے حصول کے بعد تین حج کئے ایک ۷۱۲ھ میں دوسرا ۷۲۰ھ میں تیسرا ۷۳۲ھ میں، پہلا اور تیسرا حج اس نے مصر سے کیا تھا اور دوسرا دمشق سے ۷۱۲ھ میں امام یافعی نے بھی پہلا حج کیا تھا ان کا بیان ہے کہ میں نے سلطان کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا اس نے اونی کپڑوں کا احرام باندھ رکھا تھا اور لنگڑا کر چلتا تھا، اس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں امراء کی ایک جماعت ہاتھ میں طبر لئے ہوئے طواف کر رہی تھی، طواف پورا کرکے سلطان نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نفل پڑھی، پھر حطیم میں جاکر نماز پڑھی اس کے بعد نجم الدین طبری قاضی مکہ اور رضی الدین طبری امامِ نماز اور حرم کے مدرس حدیث نے وہاں آکر سلطان سے ملاقات کی، میں نہیں کہہ سکتا کہ بلائے گئے تھے یا خود سے آئے تھے، یافعی کا

بیان ہے کہ ۷۲۰ھ میں سلطان کے ساتھ حماۃ کے بادشاہ امیر عماد الدین نے بھی حج کیا، اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ۷۳۲ھ میں سلطان کے ساتھ قاضی القضاۃ جلال قزوینی مصنف تلخیص المفتاح، اور قاضی عز الدین بن جماعہ اور موفق الدین حنبلی اور ۷۰ امیروں نے حج کیا تھا، اور ۷۱۹ھ (ابن کثیر میں اسی طرح ہے مگر ۷۲۰ھ صحیح ہے) میں الملک الناصر کے ساتھ فخر الدین، ناظر الجیش، ابن الاثیر کاتب السر، اور قاضی القضاۃ ابن جماعہ اور خواص کی ایک بڑی تعداد حج کے لئے گئی تھی، سلطان کی وفات ۷۴۱ھ میں ہوئی۔

الملک المجاہد شاہ یمن

علی بن داؤد بن یوسف نام تھا، الملک المؤید کا بیٹا اور الملک المظفر کا پوتا تھا، اور دولت رسولیہ یمن کا چوتھا فرماں روا تھا، ۷۲۱ھ میں تخت نشیں ہوا، اس نے بادشاہ ہونے کے بعد ۷۴۲ھ میں پہلا حج کیا، اس موقع پر کعبہ کا غلاف اور ایک دروازہ بھی تیار کرا کے لے گیا، اور مکہ پہونچکر اس نے شاہانہ فیاضی کے خوب مظاہرے کئے پھر بھی مکیوں نے اس کے غلاف اور دروازہ کو پذیرائی کا شرف حاصل نہ ہونے دیا اس کے بعد اس نے ۷۵۱ھ میں حج کیا، اس موقع پر اس نے اپنا محمل مصریوں کے محمل سے آگے بڑھا دیا اس پر لڑائی چھڑ گئی، اور یمنی فوج کو مصریوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور مجاہد کو گرفتار کر کے مصریوں نے قاہرہ پہونچا دیا الملک الناصر اس کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آیا اور اس کو خلعت دیکر یمن روانہ کیا مگر اس کے ساتھ اپنے ایک امیر قشتمر منصوری کو بھی لگا دیا، مجاہد ینبع پہونچکر بھاگ نکلا مگر پھر پکڑا گیا اور اب کی دفعہ اس کو مصر سے کرک بھیجکر قید خانہ میں ڈال دیا گیا جب الناصر حسن مصر وشام کا فرمانروا ہوا تو اس نے ۷۵۲ھ میں اسکی رہائی کا حکم دیا اور وہ یمن پہونچکر بدستور سابق آخر دم تک وہاں کا صاحب تخت وتاج رہا اس کی وفات ۷۶۴ھ یا ۷۶۰ھ میں ہوئی (درر)

صدر الاکابر فخر الدین ناظر الجیش

محمد بن فضل نام تھا اصلاً وہ قبطی تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد مخلص اور پختہ مسلمان

ثابت ہوا وہ مصری فوج کا افسر اور حکومت کے ارکان میں اس کا مقام بہت اونچا، اور گویا وزیر اعلیٰ تھا، اہل علم کا بڑا محسن تھا، اس کی متعدد جائدادیں کارِ خیر اور فقراء و محتاجین کی نفع رسانی کیلئے وقف تھیں، یافعی کا بیان ہے کہ میں نے بچشمِ خود دیکھا ہے کہ وہ قاضی مکہ نجم الدین طبری کو ساتھ لیکر ایک ایک صاحب خیر و صلاح مجاور کے پاس جاتا تھا اور انکو مسجد حرام میں اشرفیاں تقسیم کرتا تھا قاضی نجم الدین کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی تو وہ اس کو میرے پاس بھی لائے تھے، ۷۲۰ھ میں وہ الملک الناصر کے سفر حج میں ساتھ تھا، اور ۷۲۳ھ میں بھی اس نے حج کیا تھا، (ابن کثیر) اسکی وفات ۷۳۲ھ میں ہوئی (ابن کثیر و یافعی)

طغائے خاتون

الملک الناصر کی حرم تھی، سلطان کے وزیر نے نوّے ہزار درہم میں خرید کر اس کو شاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا، سلطان اس کا ایسا دلدادہ تھا کہ مرتے دم تک اس سے یکساں محبت کرتا رہا، ۷۲۱ھ میں جب اس کے بطن سے ناصر کا لڑکا آنوک پیدا ہوا تو ناصر کو بے انتہا مسرت ہوئی، اسی موقع پر طغائے خاتون نے شاہ سے حج کی اجازت طلب کی، اس نے خوشی سے اجازت دی اور اس ساز و سامان سے اس کو روانہ کیا کہ مدّتوں اس کا چرچا رہا، مکہ میں گیہوں کی درآمد پر جو کسٹم لگتا تھا شاہ نے اسی خاتون کے کہنے سے اس کو موقوف کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس نے اس شان کا حج کیا تھا کہ دوسرے کسی بادشاہ کی حرم یا ملکہ نے اس شان کا حج نہیں کیا نہ کسی نے اتنا خرچ کیا جو اس نے اپنے حج میں خرچ کیا۔ اس نے ایک ہزار لونڈیوں کو آزاد کیا تھا، اس کی وفات ۷۴۹ھ میں ہوئی (درر)

خاتمہ مشتمل بر چند فوائد

(۱) پہلی جلد میں آپ ہارون رشید کے حج کے واقعات پڑھ چکے ہیں اس کے حج کے سلسلہ میں اس واقعہ کا ذکر بھی بہت ضروری معلوم ہوتا ہے جو نجوم زاہرہ میں مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:۔ ہارون رشید نے ۱۷۰ھ میں جو حج کیا تھا، وہ پیادہ پا حج تھا، پیدل چلنے کے لئے ایک منزل سے دوسری منزل تک اس کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا۔ اور پیدل حج کرنے کا سبب یہ تھا کہ اس کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی، اور آنحضرت نے اس سے فرمایا کہ اب خلافت وحکومت تمھارے حصہ میں آنے والی ہے، لہٰذا تم پیدل حج کرنا۔ کفار سے جہاد کرنا۔ اور اہل حرمین پر خوب خرچ کرنا تاکہ ان کی عسرت دور ہو، اس نے تعمیل ارشاد کے لئے، پیادہ پا حج کیا، اور حرمین میں خوب دل کھول کر خرچ کیا، ہارون کے سوا کسی خلیفہ نے اس کے پہلے اور نہ اس کے بعد پیدل حج کیا، یہ دولت صرف اس کے ہاتھ آئی (نجوم زاہرہ ص ۶۵ ج ۲)

(۲) بکیر بن عتیق نے ساٹھ حج کئے تھے (تہذیب التہذیب ص ۴۹۴ ج ۱)

حسن بن یزید مکی (ساکن کوفہ) روزانہ ستر طواف کرتے تھے، اور اسی کثرت سے طواف وعبادت کی وجہ سے ان کا لقب قوی اور طواف پڑ گیا تھا، (تہذیب ص ۳۲ ج ۲)

سعید بن سلیمان ضبی نے بھی ساٹھ حج کئے (تہذیب ص ۴۴ ج ۴)

شعیب بن میمون واسطی نے پینسٹھ حج کئے تھے،

ابن وہب کا بیان ہے کہ میں نے جب ۱۴۸ھ میں حج کیا تھا تو ایک شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ سوائے امام مالک اور عبدالعزیز ماجشون کے کسی اور کے لئے خانۂ کعبہ کا دروازہ نہیں کھلے گا۔

(تہذیب ص ۳۴۴ ج ۶)

ابو عثمان نہدی نے مکہ کے ساٹھ سفر کئے، کوئی سفر حج کا اور کوئی سفر عمرہ کا تھا۔

(تہذیب ص ۲۷۸ ج ۶)

عبدالرحمٰن بن ابی نعم بجلی، ہمیشگی احرام باندھ کر سال بھر محرم رہتے تھے (تہذیب ص ۲۸۶ ج ۶)

عیسیٰ بن یونس کوفی ایک سال جہاد میں شریک ہوتے تھے اور ایک سال حج کرتے تھے۔

(تہذیب ص ۲۳۸ ج ۸)

علی بن المنذر کا بیان ہے کہ میں نے ۸۰ حج کئے ہیں، اور اکثر پیدل حج کئے ہیں (تہذیب ص ۳۸۶/۷)

عمارہ بن زاذان صیدلانی نے ۵۰ حج کئے تھے (تہذیب ص ۴۱۷/۷)

محمد بن عبداللہ ابو یحیی مکی نے ستّر حج کئے تھے (تہذیب ص ۲۸۴/۹)

محمد بن عبدالجبار (سَنْدُوْلا لقب) نے چالیس سے زائد حج کئے تھے اور ۵۴ غزوات میں شرکت کی تھی بغداد جانے کے ارادہ سے وہ سوار ہونے لگے تو ابن معین نے ان کی رکاب تھامی کسی نے اعتراض کیا تو جواب دیا کہ جس آدمی کو میں جب دیکھتا ہوں تو طلب علم کے لئے سفر کرتا ہوا یا کسی غزوہ سے آتا ہوا، یا حج سے واپس ہوتا ہوا دیکھتا ہوں، اس کے ساتھ یہ برتاؤ نہ کروں (تہذیب ص ۲۹/۹)

ابن ابی عمر عدنی حافظ نزیل مکہ کا بیان ہے کہ میں نے ۷۰ حج پیادہ پا کئے ہیں (تہذیب ص ۵۱۸/۹)

مثنی بن الصباح کے بارے میں امام عبدالرزاق کا بیان ہے کہ میں نے ان کو بہت ہی سن رسیدہ پایا تھا مگر اس وقت بھی وہ دو آدمیوں کے بیچ میں رات بھر طواف کرتے تھے (تہذیب ص ۳۶/۱۰)

عبدالرزاق کے والد کا بیان ہے کہ سنہ ۱۰۰ھ میں اکثر فقہائے عالم نے حج کیا تھا، انہیں وہب بن منبہ کے علاوہ حضرت حسن بصری، و عطاء بن ابی رباح بھی تھے۔

امام وکیع نے سنہ ۱۹۶ھ میں حج کیا، اس سال دوسرے بہت سے اجلہ محدثین نے حج کیا تھا، جیسے عبدالرزاق، ابو اسامہ اور عبیداللہ بن موسیٰ، اس سال ان سب حضرات کے درس و تحدیث کے حلقے مسجد حرام میں قائم تھے، ان میں وکیع سب سے زیادہ مقبول و کامیاب تھے (تہذیب ص ۱۲۸/۱۱)

سفر حج کا ایک لطیفہ ابو عوانہ حفاظ حدیث میں مشہور حافظ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں وہ اپنے آقا یزید بن عطار کی رفاقت میں حج کو گئے ہوئے تھے اور ابھی آزاد نہیں ہوئے تھے اتفاق سے ایک دن یزید کے پاس ایک سائل نے سوال کیا یزید نے واپس کر دیا تو وہ ابو عوانہ کے پاس آیا انھوں نے اس کو ایک دینار دیدیا، جب صبح کو مزدلفہ سے منیٰ آنے لگے تو سائل اس شاہ راہ پر جس سے بکثرت حجاج گذر رہے تھے کھڑا ہو گیا اور ہر ایک قافلہ سے یہ کہنے لگا کہ جاؤ یزید کا شکریہ ادا کرو، اور مبارکباد دو انھوں نے ابو عوانہ کو آزاد کر دیا ہے، یہ سننا تھا کہ لوگ جوق در جوق مبارکباد دینے کے لئے آنے لگے، یہ برابر انکار کرتے رہے مگر انکار کا کوئی فائدہ نہ تھا، آخر عاجز آکر انھوں نے کہا کہ اس فوج کو کون لوٹا سکتا ہے، جاؤ تم آزاد ہو۔ (تہذیب ص ۱۱۹/۱۱)

فہرست